

سَيَرُوَانِي الْأَرْضِ

# سفرنامہ

مقاماتِ مُقَدَّسَہ اور یورپ

عبدالحمید خان

ابن

الحاج مولوی فیروز الدین خان صاحب  
مترجم و مفسر قرآن مجید و بانی فیروز ستر

قیمت  
چار روپے

۱۹۴۹ء

بارچہام

فیروز ستر

مدینہ منورہ

أود

مکہ معظمہ

مصر

فرائین

عراق

شام

سندس

ن

لینڈ

ہالینڈ

انگلستان



سَيْرُ وَافِي الْأَرْضِ

# سفرنامہ

## مقامات مقدّسہ اور یورپ

عبدالحمید خان

ابن

الحاج مولوی فیروز الدین خان صاحب  
مترجم و مفسر قرآن مجید و بانی فیروز ستر

قیمت  
چار روپے

۱۹۶۹ء

بارچہام

فایون سٹرائٹ

مدینہ منورہ

آدر

مکہ معظمہ

مصر

فرانس

عراق  
شام  
بیت المقدس

لبنان

ترکی

یونان

اطلی

سوئٹزر لینڈ

جرمنی

بلجیم

ہالینڈ

انگلستان

برادرِ محترم عبدالمجید خان مرحوم کے نام

جن کی بزرگانہ شفقتیں  
ہم سب کے شامل حال ہیں

اور

جن کی تحریک پر

یہ

سفر نامہ

اشاعت پذیر ہوا۔

## سبب طباعت

میں کیا اور میرا سفر نامہ کیا۔ ع

من آنم کہ من وانم

یہ تو محض اپنے عزیز واقارب اور چند ایک دوستوں کی فرمائش تھی کہ جہاں جاؤ، وہاں کے مختصر حالات لکھتے رہنا۔ اس تعمیل میں اور خاص کر اس بات کے پیش نظر کہ علیحدہ علیحدہ کتنے خط لکھوں، مختلف مقامات کے متعلق جو سطور قلم بند ہوتی رہیں، اخبار "خدا مالدین" لاہور میں چھپنے کے لیے بھجوا رہا۔ یہ اخبار میرے نزدیک عزیز و احباب تقریباً سبھی کے پاس پہنچتا ہے۔

میرے حالات سفر بڑھ کر برا اور محترم عبد المجید خان مرحوم کے دل میں بھی شوق ہوا کہ وہ بھی بلا واسلامیہ کی سیاحت کریں اور زیارات حرمین شریفین سے مستفیض ہوں۔ انھوں نے مجھ سے تقاضے شروع کر دیے کہ اپنے حالات سفر کتابی شکل میں چھاپ دوں۔ اسی حکم کی تعمیل میں یہ سفر نامہ پیش خدمت ہے۔

عبد المجید خان

# دیباچہ طبع ہمارم

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے چوتھی بار مجھے  
زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف کیا۔

إِنَّ هَذَا لَهُمُ الْفَضْلُ الْبَرِّينَ

بے شک یہ اللہ کا فضل ہے صریح  
میری دعا ہے کہ خداوند کریم اُن جملہ مومنین و مومنات کی آرزوئیں  
بھی بر لائے جو اُس کے دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کو  
زندگی کا منتہائے مقصود سمجھتے ہیں۔

خیال تھا کہ اس ایڈیشن میں اپنے چوتھے سفر کے تاثرات بھی  
قلم بند کروں گا۔ لیکن افسوس کہ زندگی کی گونا گوں مصروفیتیں عنانِ کشِ تمامہ  
رہیں۔ بہر حال، زندگی لڑی اور فرصت کے لمحات میسر آئے تو انشاء اللہ  
اگلے ایڈیشن میں چند ایک ابواب کے اضافے کی کوشش کروں گا۔

عبد الحمید خان

مارچ ۱۹۶۹ء

# فہرست

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱	حضرت قاسمؑ		عزم سفر
۳۱	حضرت حرہؑ	۲۱	۱۔ بغداد (عراق)
۳۲	نجف اشرف	۲۳	حضرت امام اعظمؑ
۳۲	حضرت علیؑ	۲۵	شیخ عبدالقادر جیلانیؑ
۳۳	حضرت ہود و صالحؑ	۲۶	حضرت ابوبکر شبلیؑ
۳۵	گوفہ	۲۷	کاظمین شریف
۳۵	مسلم بن عقیلؑ	۲۷	امام موسیٰ کاظمؑ
۳۵	بنت حضرت علیؑ	۲۷	امام محمد تقیؑ
۳۶	حضرت یونسؑ	۲۸	کربلائے معلیٰ
۳۸	حضرت ذوالکفلؑ	۲۹	حضرت امام حسینؑ
۳۸	بابل	۲۹	حضرت علی اکبرؑ
۳۹	چاہ ہاروت و ماروت	۲۹	حضرت علی اصغرؑ
۴۰	حضرت یوشعؑ	۳۱	حضرت عباسؑ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۰	حضرت ابو ہریرہ رضی	۴۱	حضرت جنید بغدادیؒ
۴۰	یزید کے محلات	۴۱	حضرت شیخ سمری سقطیؒ
۴۱	زینب بنت علیؑ	۴۳	حضرت بہلول داناؒ
۴۱	حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ	۴۳	حضرت ابراہیم خواصؒ
۴۲	سیدنا بلال حبشیؓ	۴۳	حضرت معروف کرخیؒ
۴۲	حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ	۴۵	ملکہ زبیدہ
۴۳	حضرت سعید بن خالد بن ولید	۴۵	حضرت امام غزالیؒ
۴۳	حضرت معاویہؓ	۴۶	حضرت سلمان پاکؒ
۴۵	یزید	۴۶	محل کسری کے کھنڈرات
۴۶	شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ	۴۹	۲۔ دمشق (شام)
۴۶	حضرت عبدالغنی نابلسیؒ	۵۲	جامع امویہ
۴۶	حضرت شیخ محمد عرف بابا کردیؒ	۵۵	حضرت یحییٰؑ
۴۷	حضرت وحیۃ البکلیؒ	۵۶	حضرت ہودؑ
۴۷	حضرت ابو مسلم خولانیؒ	۵۷	سلطان ناصر الدین محمودؒ
۴۸	حضرت بایزید بسطامیؒ	۵۸	غازی صلاح الدینؒ
۴۸	اصحاب کہف	۵۹	قیدخانہ اہل بیتؑ



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۸	حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ	۷۱	مقام بابل و قابیل
۹۰	حضرت سارہؑ	۷۱	چالیس سچھیروں کی زیارت گاہ
۹۰	حضرت اسحاقؑ	۷۱	مقام اربعین
۹۱	حضرت یوسفؑ	۷۴	۳۔ بیت المقدس
۹۱	حضرت یوسفؑ کا خواب	۷۴	بحیرہ مُردار
۹۴	دو قیدیوں کے خواب	۷۴	عمان
۹۴	عزیز مصر کا خواب	۷۵	مزار حضرت موسیٰؑ
۹۶	حضرت یوسفؑ کی بریت	۷۸	بیت المقدس
۹۷	پیراہن یوسفی	۸۳	مزار حضرت مریمؑ
۹۸	خواب کی تعبیر	۸۴	حنہ والدہ عمرانؑ والدہ حضرت مریمؑ
۹۸	حضرت یعقوبؑ اور ان کی اہلیہ	۸۴	قید خانہ حضرت عیسیٰؑ
۹۹	چرچ آف گنیٹھم	۸۵	مزار حضرت رابعہ بصریؑ
۹۹	بیت اللحم	۸۶	حضرت محمد بن قیسؑ
۱۰۱	حضرت شموئیل	۸۶	جنتی تالاب
۱۰۷	مسجد اقصیٰ	۸۶	حضرت عزیزؑ
۱۰۴	صخرہ شریف	۸۸	خلیل الرحمن

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۶	نماز پر تعجب	۱۰۵	دیوارِ گریہ
۱۲۷	اسلام سے ناواقفیت	۱۰۶	۴۔ بیروت (لبنان)
۱۲۷	پاکستان سے اجنبیت	۱۰۹	بعلبک
۱۲۸	تمیزِ حلال و حرام ندارد	۱۱۲	۵۔ استنبول یا قسطنطنیہ
۱۳۱	ایک سے زیادہ خدا	۱۱۳	ترکی سکہ
۱۳۲	ایکروپولس	۱۱۶	مسجدِ ایاصوفیا
۱۳۲	پروپین کی کہانی	۱۱۷	دیگر تاریخی مقامات
۱۳۹	۶۔ روم (اٹلی)	۱۱۸	دنیا کا سب سے بڑا مسقف بازار
۱۳۹	روم کی تاریخ	۱۱۹	گولڈن ہارن اور سمندر کی سیر
۱۴۰	روم کی مذہبی حیثیت	۱۲۰	حضرت ابوالیوب انصاریؓ
۱۴۲	مسولینی کا خواب	۱۲۱	سلطان کا خزانہ
۱۴۳	اطالوی لوگ	۱۲۲	سقوٹری ایشیائے کوچک
۱۴۳	موجودہ روم	۱۲۲	سلطان محمد فاتح
۱۴۴	بعض قابل دید مقامات	۱۲۳	مصطفیٰ کمال
۱۴۵	روم کے پرانے کھنڈرات	۱۲۴	چند ترکی اصلاحات
۱۴۵	خوفی اکھاڑہ	۱۲۶	۶۔ ایٹینٹر (یونان)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۶۳	لوہرن کی سیر	۱۴۷	روم کی رات
۱۶۵	۹۔ فرنکفرٹ (جرمنی)	۱۴۸	پاپائے روم
۱۶۵	شہر کی سیر	۱۴۹	روم کی فصیل
۱۶۶	اپل موٹور سنازی کا کارخانہ	۱۵۰	زمین و وزغار
۱۸۲	بین الاقوامی نمائش	۱۵۱	حق و باطل کی جنگ
۱۸۳	۱۔ پرسلٹر۔ واٹرلو (بلجیم)	۱۵۲	میلان۔ ونیس (اطلی)
۱۸۴	طرز حکومت	۱۵۷	میلان رات میں
۱۸۴	صنعت و حرفت	۱۶۰	ونیس کی سیر
۱۸۵	برسلز کی سیر	۱۶۳	۸۔ سوٹزر لینڈ
۱۸۷	واٹرلو	۱۶۴	مونٹرکس کی سیر
۱۸۹	رات کا منظر	۱۶۵	قدیم ہندی خانے
۱۹۱	۱۱۔ ہالینڈ	۱۶۶	جنیوا کی سیر
۱۹۱	امپیرٹرم	۱۶۷	تار پر چلنے والی ریل
۱۹۲	شیقول	۱۶۷	جنیوا رات میں
۱۹۳	ایلس میر	۱۷۰	جمعیت الاقوام
۱۹۵	روٹرڈم	۱۷۱	زیورچ کی سیاحت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۱۲	لندن کا ٹریفک	۱۹۴	ویلفٹ
	پاکستان میں یونیورسٹی	۱۹۷	ہیگ
۲۱۷	ٹاؤن کی ضرورت	۱۹۸	لیڈن
۲۱۷	ٹیلیفون بنانے کا کارخانہ	۱۹۹	۱۲۔ لندن
	شناہی محلات اور	۲۰۱	شہر
۲۱۸	سرکاری عمارات	۲۰۲	امارت بحریہ
۲۲۰	دریائے ٹیمز	۲۰۳	بنک آف انگلینڈ
۲۲۱	ایک عجیب سڑنگ	۲۰۴	براڈ کاسٹنگ ہاؤس
۲۲۱	ٹیمز کا وکٹوریہ بند	۲۰۴	بکنگھم پلس
۲۲۲	ولیسٹ اینڈ	۲۰۴	سینوٹوف
۲۲۳	برٹش میوزیم	۲۰۵	گلد ہال
۲۲۵	ہائڈ پارک	۲۰۵	ایوان پارلیمنٹ
۲۲۶	پیرانا شہر	۲۰۷	ولیسٹ منسٹری
۲۲۷	فلیٹ سٹریٹ	۲۰۹	میڈم ٹشو کی مومی نمائش
۲۲۸	عجیب رسم	۲۱۱	چرٹیا گھر
۲۲۸	لندن کی عدالتیں	۲۱۲	آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۵	ایفل ٹاور	۲۲۸	ٹاور آف لندن
۲۲۶	نیولین کا مقبرہ	۲۳۱	لندن کی بندرگاہ
۲۲۸	لکسم برگ محل	۲۳۱	پچھلی منڈی
۲۲۸	یوٹیس ڈی بولون	۲۳۲	دریائے ٹیمز کا جنوبی کنارہ
۲۵۰	مجسمہ آزادی	۲۳۳	زمین دوزریلیں
۲۵۰	غلہ منڈی	۲۳۶	۱۳۔ پیرس (فرانس)
۲۵۱	ورسلز	۲۳۷	شہر کی تاریخ
۲۵۲	اسلامی نقطہ نظر	۲۳۸	قدیم شاہی عہد
۲۵۲	۱۲۔ قاہرہ (مصر)	۲۳۸	اہل فرانس اور عرب
۲۵۲	اہل یورپ کی مادہ پرستی	۲۳۹	آب و ہوا
۲۵۵	پاکستانی کھانے	۲۳۹	پیرانا شہر
۲۵۶	دریائے نیل کے نام پروانہ	۲۴۰	ناٹرا ڈیم کا گرنا
۲۵۷	اذان	۲۴۲	انقلاب فرانس
۲۵۸	مصر کی مختصر تاریخ	۲۴۳	چرچ آف میڈلین
۲۵۸	ہر فرعون نے راموسی	۲۴۳	آرچ ٹرائف
۲۶۰	ایک عجیب واقعہ	۲۴۴	چمیلٹ کا محل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۷۸	ابوالہول	۲۶۰	قسطاط یا قاہرہ
۲۷۸	قاہرہ کی مساجد	۲۶۱	ممالیک اور خدیو
۲۷۹	جامعہ عمرو بن العاصؓ	۲۶۲	شاہ فاروق کی دست برداری اور اخراج
۲۷۹	جمعتہ الوداع		
۲۸۰	جامعہ احمد بن طولون	۲۶۳	موجودہ حکومت کے کارنامے
۲۸۱	جامعہ الرفاعی	۲۶۴	یوم نجات
۲۸۱	جامعہ حضرت امام حسینؓ	۲۶۵	جمال عید الناصر
۲۸۲	الازہر یونیورسٹی	۲۶۶	ہوٹل اور قہوہ خانے
۲۸۵	قاہرہ کے مشافعات	۲۶۸	عجائب خانہ
۲۸۶	کراہیہ کی موٹریں	۲۶۹	پُرانا عجائب گھر
۲۸۷	ٹورسٹ پولیس	۲۷۱	قلعہ ابوبی
۲۸۸	ایک پُرانا واقعہ	۲۷۲	چاہ یوسف
۲۸۹	شاہ فاروق کا موٹر لائیج	۲۷۲	باغ فردوس
۲۹۱	۱۵۔ مکہ معظمہ	۲۷۳	پھلیوں کا باغ
۲۹۱	جدہ ایرپورٹ	۲۷۴	چرٹیا گھر
۲۹۲	جدہ کسٹم ہاؤس	۲۷۴	اہرام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۰۹	حجرِ اسود	۲۹۳	حاجی کیمپ
۳۰۹	ملتزم	۲۹۴	سابق معلم کی یاد
۳۰۹	مقامِ ابراہیمؑ	۲۹۵	حاجیوں کی درگت
۳۱۰	مطاف	۲۹۷	حرمین شریفین میں حاضری
۳۱۰	محرابِ النبیؐ	۲۹۷	اعترافِ گناہ
۳۱۱	بیت اللہ کے اردگرد	۲۹۸	دُعا
۳۱۱	کی عمارت	۳۰۰	گرمی کی ایک رات
۳۱۱	مسجدِ جبلِ ابی قیس	۳۰۰	حاجیوں کی رہائش گاہ
۳۱۲	جنتِ المعطیٰ	۳۰۱	اُدھو نشین گم است کرار پیری کنڈ
۳۱۲	دارِ ارقم		رسالہ ہدایا ستارچ
۳۱۲	جبلِ ثور	۳۰۲	شائع کردہ حکومتِ پاکستان
۳۱۳	غارِ حرا	۳۰۵	لکھڑی حرمینہ کی تاریخ
۳۱۴	کتاب الحج	۳۰۶	بیت اللہ شریف
۳۱۷	منیٰ	۳۰۶	اصحابِ قبیل
۳۱۸	عرفات	۳۰۸	چاہِ زم زم
۳۱۹	مزدلفہ	۳۰۹	حطیم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۱	مسجد نبوی	۳۱۹	مثنیٰ میں قربانی
۳۳۲	روضہ ریاضِ جنت	۳۲۰	رمی چمار
۳۳۲	مُتبرک سٹون	۳۲۱	سعودی ٹریفک پولیس
۳۳۴	محراب النبیؐ	۳۲۱	سرمنڈانا
۳۳۴	منیر شریف	۳۲۲	طوافِ وداع
۳۳۶	مسجد نبوی کے پینار	۳۲۳	۱۶۔ مدینہ منورہ
۳۳۶	گنبدِ خضرا	۳۲۵	کھڑے پیر کا روزہ
۳۳۷	مدینہ منورہ کی دوسری یارتیں	۳۲۵	مدینہ کا ہوائی اڈہ
۳۳۷	جبلِ احد	۳۲۶	نئے شکاری
۳۳۸	مسجدِ قبلتین	۳۲۷	روضہ اطہر کی زیارت
۳۳۸	مسجدِ شمس	۳۲۷	نقشہ ترتیبِ زیارت جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۳۳۹	جنت البقیع		
۳۴۰	صدقے کے دُنبے		
۳۴۱	پلیسٹیل کا اور پلیسٹیل والے کا	۳۲۹	مدینہ منورہ
۳۴۲	مُراجعتِ وطن	۳۳۱	مسجدِ قبا



# ابتداء سازم بنام پاک آں بے ابتدا عزم سفر

قرآن حکیم نے اگرچہ مسلمانوں کو سیر وافی الارض کا حکم دے رکھا ہے لیکن ہم لوگ دنیاوی الجھنوں اور کاروباری زندگیوں میں کچھ اس طرح پھنس کر رہ گئے ہیں کہ ہمیں باہر جانے کا کبھی خیال ہی نہیں آتا۔ لیکن اللہ کا فضل ہے کہ اب اس کی اہمیت پاکستانیوں پر عیاں ہوتی جا رہی ہے۔

مجھے اپنے کاروبار کے سلسلے میں برصغیر ہندوستان کے قریب تمام بڑے بڑے شہروں میں جانے کا موقع ملا۔ لیکن برصغیر سے باہر جانے کا شرف اُس وقت حاصل ہوا جب میں پہلی مرتبہ ۱۹۴۴ء میں حج بیت اللہ کے لیے حجاز گیا۔ اس مقدس سفر میں میں اپنے اندر ایک خاص وجدان و ذوق پاتا تھا۔ لیکن اگلے سال ۱۹۴۵ء میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ حج بیت اللہ شریف کے لیے گیا تو ذمہ داریوں کے سبب پہلا سا لطف نصیب نہ ہوا۔

میں اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ چند سال سے مجھے حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب لاہوری کا درس قرآن حکیم سننے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ اس بزرگانہ صحبت نے ایک مرتبہ پھر حج کرنے کا شوق پیدا کیا۔ لیکن اس صورت میں کہ کسی اہل دل کی معیت حاصل ہو۔ چنانچہ میں نے مولانا موصوف سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ کیا ہی اچھا

ہو کہ آپ بھی شریک سفر ہوں۔ مولانا نے بکمال خندہ پیشانی اور مہربانی میری اس درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور سفر کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ یہاں تک کہ ہوائی جہاز میں نشستیں بھی مخصوص کرالی گئیں۔ لیکن عین وقت پر مولانا مدوح کی علالت کے باعث یہ پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔

حضرت مدوح کی زبان سے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے متعلق باتیں سن سن کر ان سے ایک غائبانہ عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ آپ کی خود نوشت سوانح حیات کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔ جس کے بعد تو میں اپنے دل میں ان کی زیارت کے لیے ایک خاص تڑپ اور کسک محسوس کرنے لگا۔ یہ شوق بڑھا تو میں نے اپنے ایک ہم نام دوست کو جولاہور کے محکمہ آڈٹ میں ملازم ہیں اور مولانا احمد علی صاحب اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے بھی خاص عقیدت رکھتے ہیں۔ اس پر آمادہ کیا کہ ہم دونوں ہندوستان چاکر مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے شرف نیاز حاصل کریں۔ چنانچہ ہندوستان جانے کے لیے پاسپورٹوں کا بندوبست کر لیا گیا۔ لیکن روانگی سے قبل ہی مناسب خیال کیا گیا کہ مولانا صاحب کی خدمت میں عرصہ تخریر کے معلوم کر لیا جائے کہ آیا وہ ان دنوں دیوبند ہی میں اقامت گزیریں ہوں گے۔

وسط رمضان المبارک میں مولانا صاحب کی خدمت میں یہ عرصہ تخریر کیا گیا کہ عید الفطر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف نیاز کی آرزو ہے۔ اپنے اوقات ملاقات سے مطلع فرمائیے۔ مولانا صاحب کی طرف سے جواب موصول ہوا کہ ”ماہ شوال میں میں حج بیت اللہ شریف کیلئے حجاز جا رہا ہوں۔ محرم الحرام تک واپسی ہوگی۔“

آپ کے اس جواب نے میرے شوقِ فراوان پر تازیانی کا کام کیا اور فوراً ارادہ کر لیا کہ کیا ہی اچھا ہو جو اس موقع پر نہیں بھی مولانا صاحب کی معیت میں حج بیت اللہ سے مُشرف ہوں۔ چنانچہ میں نے مولانا کی خدمت میں لکھا کہ میں اس کو اپنے لیے نیک فال سمجھتا ہوں کہ مجھے حرمین شریفین میں آپ کی بزرگانہ صحبت میں سکون و اطمینان میسر آسکے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے عزم و ارادے میں برکت دی اور میں نے بہت جلد سامانِ سفر درست کر لیا۔

برادرِ عزیز ڈاکٹر عبدالوجید صاحب کا ہمیشہ یہ اصرار رہا کہ مجھے کچھ عرصہ کے لیے باہر جانا چاہیے۔ وہ اقوامِ متحدہ کے حقوقِ انسانی کے کمیشن کے پاکستانی نمائندے کی حیثیت سے تقریباً ہر سال یورپ اور امریکہ جاتے ہیں۔ اِمسال بھی آپ اس کمیشن کے اجلاسِ جنیوا میں شرکت کے بعد ۲۹ مئی کو لاہور واپس تشریف لائے تو میں نے اپنے سفر کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے فوراً ایک پروگرام مرتب کر دیا کہ میں اسلامی ممالک اور یورپ کی سیاحت کرتا ہوں لندن جاؤں جہاں جولائی کے پہلے ہفتہ میں دُنیا بھر کی چھپائی کی مشینوں کی نمائش ہو رہی ہے اور نمائش میں شرکت کے بعد حج کے موقع پر حرمین شریفین پہنچ جاؤں۔

بیگم ڈاکٹر وجید نے حج کے علاوہ متعدد بار یورپ اور امریکہ وغیرہ کا سفر کر چکی ہیں۔ مجھے مختلف مقامات سے متعلق اپنے تجربات سے آگاہ کیا۔

ابتداء میں میں بیگم وجید کو ان کی مغربیت پسندی کے باعث اجنبیت کی آنکھ سے دیکھا کرتا تھا لیکن ان کی صوم و صلوة کی پابندی، باقاعدہ زکوٰۃ کی ادائیگی بغیر کسی قصور اور نمائش کے بنی نوع انسان کی خدمت مرخصیوں کے لیے

علاج و معالجہ کا بند و بست اور تعلیم و اشاعتِ دین میں ہمہ تن مصروفیت الہی باتیں نہ تھیں کہ مجھ پر اثر نہ کرتیں۔ علاوہ ازیں یہ انھیں کی ہمت اور جذبہ صادق تھا کہ گزشتہ سال ڈاکٹر وحید اُن کی دختر ناصرا و میری ہمیشہ صاحبہ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ خداوندِ کریم انھیں ایسے نیک کاموں کی ہمیشہ توفیق دے اور استقامت بخشنے۔ آمین تم آمین۔ اُن کی انھیں باتوں نے میرے دل میں اُن کا احترام پیدا کر دیا ہے۔

قیامِ پاکستان سے قبل بڑے بڑے شہر ممبئی، دہلی، کلکتہ، پونا، لکھنؤ وغیرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مگر پاکستان بننے کے بعد میری دنیا لاہور، کراچی اور پشاور تک محدود ہو کر رہ گئی۔ لمبے سفر میں کسی مخلص دست کی رفاقت نہایت ضروری ہوتی ہے اور اس طرح سفر کی صعوبتوں کو بھی انسان سہی خوشی برداشت کر لیتا ہے۔ اس کے لیے میری نظر مگر می عبدالحمید صاحب بٹ پر پڑی جن کا ذکر پہلے آچکا ہے (اللہ تعالیٰ انھیں اُن کے اخلاص کا اجر دے)۔ لیکن افسوس کہ یہ بیل بھی منڈھے نہ چڑھ سکی۔

میری اہلیہ جن کو دس برس سے پتھری کی شکایت تھی اور بعد ازاں ایشیا کرکے ایک گروہ بھی نکال دیا گیا تھا اور پتھہ میں بھی پتھری ہونے کے باعث اکثر علیل رہتی ہیں۔ میرے ارادہ سقر سے آگاہ ہوئیں تو انھوں نے بھی میرے ساتھ چلنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ اس موقع پر اُن کو ایک خواب یاد آ گیا جسے تقریباً ۸ برس ہو چکے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ ہم دونوں ایک بار پھر حج کے لیے گئے ہیں۔ چنانچہ اُن کا پاسپورٹ بھی بنوا لیا گیا۔ پاسپورٹ بنوانے میں

برا اور محترم عبد المجید خان صاحب اور فرزندم عبد السلام سلمہ نے جو تنگ و دو  
کی اللہ تعالیٰ انھیں اس کی جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

سوٹے سپرم عبدالحی کے بیس اپنی یا قی اولاد کی ذمہ داریوں سے سبکدوش  
ہو چکا ہوں۔ اس لیے اس کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ خداوند تعالیٰ اس پر  
اپنی برکات نازل فرمائے۔ ع رحمت حق بہانہ می جوید

اس سفر کے متعلق میں نے اپنے فرزند اکبر عبدالغنی برقی سلمہ کو کراچی میں  
بذریعہ ٹیلیفون مطلع کیا تو انھوں نے شبانہ روز کو شش کر کے ہم تینوں کے  
لیے مختلف ملکوں کے دیرے حاصل کر لیے اور ۶ جون کو پرواز کرنے والے  
ہوائی جہاز میں ہمارے لیے نشستیں مخصوص کرا دیں۔

۴ جون بروز ہفتہ ایکسپریس ٹرین کے ذریعے ہم لاہور سے روانہ ہو کر  
۵ جون کو ایک بجے کے قریب کراچی پہنچ گئے اور ۶ جون کو غیر ملکی رسکے  
حاصل کر کے اسی روز بارہ بجے دوپہری۔ او۔ اے سی کمپنی کے سپیڈ برڈ  
میجسٹک ہوائی جہاز میں سوار ہو کر عازم بغداد ہو گئے۔

یہ جہاز کافی کشادہ ہے نشستیں فراخ اور آرام دہ۔ عملہ بڑا مستعد،  
دوران پرواز میں نہایت مصفا، لذیذ کھانے۔ بوس اور پھل ملتے رہے۔  
مسافروں کی دیکھ بھال، آرام اور آسائش کا فرداً فرداً خیال رکھا گیا۔ پرواز کرتے  
اور اترتے وقت کسی قسم کی کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ دس برس ہوئے  
میری اہلیہ حج سے واپسی پر ہوائی جہاز کے ذریعے ہی آئی تھیں۔ اس کے  
علاوہ دو تین بار کراچی سے لاہور اور دہلی تک فضائی سفر کر چکی تھیں۔ انھوں

لہ بفضلہ ۸ مئی ۱۹۵۶ء کو اس کی شادی بھی ہو چکی ہے۔

نے تمام راستہ کوئی تکلیف محسوس نہیں کی۔ البتہ سپرم عبدالحی کو چکر آتے رہے اور اُس نے اکثر وقت غنودگی میں کاٹا۔

باوضو تو تھا ہی نشست پر بیٹھے بیٹھے ظہر کی نماز ادا کی۔ پینتالیس منٹ تک جہاز آبادان میں ٹھہرا۔ اترے تو بلا کی لو اور گرمی تھی۔ غسل خانے میں گئے۔ مگر وہاں لوٹانہ ہونے کے باعث پریشانی ہوئی۔ میں سفر میں ہمیشہ ایک لوٹا اور گلاس اپنے ساتھ رکھتا ہوں لیکن اس دفعہ محض عزیزوں کے اس اصرار پر کہ ہوائی جہاز میں یہ چیزیں کیسے جائیں گی۔ انھیں کراچی چھوڑ آیا۔ آخر فضائی اڈے کے ایک قلی کے ذریعے پلین کا ایک ڈبہ لے کر رفع حاجت کی اور وضو کیا۔

آبادان کا فضائی اڈہ اور اُس کا ریٹورنٹ ہال خاصہ بڑا ہے۔ دیواروں پر مختلف پوسٹر آویزاں تھے اور شاہ ایران کی فوٹو بھی۔ لیکن میز کرسیوں کی حالت بڑی ابتر تھی۔ اُن کی خستہ حالی اور کارکنان کی عدم توجہی کے باعث یہ منظر بڑا بے لطف اور پھسکا نظر آ رہا تھا۔ برف تو گچھا ٹھنڈے پانی کا بھی انتظام نہ تھا۔ خدا خدا کر کے جہاز کے چلنے کا وقت قریب آیا اور ہم اس میں بیٹھ گئے۔ جہاز میں برف آب، چائے اور دیگر مشروبات و ماگولات سے ہماری تواضع کی گئی۔ یہیں عصر کی نماز پڑھی اور سوا چھ بجے بغداد پہنچ گئے۔ لاہور اور بغداد کے وقت میں دو گھنٹے کا فرق ہے۔ یعنی لاہور میں چھ بجتے ہیں تو بغداد میں چار بجے کا وقت ہوتا ہے۔

## بغداد و عراق

جب ہم بغداد اترے تو کسٹم کی معمولی دیکھ بھال کے بعد بی، او، اے سی کمپنی کی بس میں ٹائیگر س پیلیس ہوٹل جا پہنچے۔ اس بس میں ہمارے علاوہ کوئی اور مسافر نہ تھا۔ ہوائی اڈے سے ہوٹل تک راہ میں سینکڑوں عایشان عمارتیں نظر آئیں۔ نئے ماڈل کی کاروں کی کثرت سے اس ملک کی امارتیں ہو رہی تھی۔ بس کا ڈرائیور اُردو زبان سے واقف تھا۔ راستے میں خوب باتیں ہوتی رہیں۔ جب میں نے کہا کہ جس ملک کے عوام مغربی کی زندگی بسر کر رہے ہوں وہاں موٹروں کی ایسی ہی بہتات ہو کر تھی ہے تو وہ میری اس بات سے بہت محفوظ ہوا۔

اگرچہ آج بھی بغداد ایک نہایت خوبصورت شہر ہے۔ لیکن میرا تصور آج سے صدیوں قبل کے بغداد کی طرف چلا گیا۔ جب اس پر عباسی خلفاء کی حکومت تھی۔ اس وقت یہ شہر صنعت و تجارت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اور اہل علم کا مرجع تھا۔ اس خاکِ پاک سے بڑے بڑے صاحبِ فضیلت بزرگ پیدا ہوئے اور آخر اسی خاک میں مدفون ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بغداد دنیا میں عزت کا اہلاد کے نام سے مشہور تھا۔

نئی اُمیہ کے خاتمہ کے بعد جب بنو عباس برسرِ اقتدار آئے تو انھوں نے بغداد کو اپنا دار الحکومت مقرر کیا۔ اس دور میں دُنیا میں بغداد کو سہرا اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اُس وقت سے اس وقت تک بغداد پر کئی دور گزرے۔ ۱۲۵۷ء میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر کے ہزاروں انسان تہ تیغ کر دیئے۔ بلکہ اُن نوادرات کو بھی جلا کر خاکستر کر دیا جو عباسی دور میں بغداد کے لیے سرمایہٴ افتخار تھے۔ ترکمانوں اور صفویوں کے بعد اس پر ترکوں نے قبضہ کر لیا۔ عثمانی عہدِ حکومت میں جب رفعت پاشا گورنر تھے تو انھوں نے کئی کارخانے اور چھاپے خانے قائم کیے اور ایک ہفتہ وار اخبار نکلنا شروع ہوا۔

۱۹۱۶ء میں انگریزی فوج نے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ چار سال کے بعد ۱۹۲۱ء میں یہاں پہلی عراقی حکومت قائم ہوئی۔ ۱۹۲۲ء میں شاہ فیصل اول عراق کے بادشاہ بنے۔ ۱۹۳۲ء میں شاہ فیصل کے انتقال کے بعد شاہ غازی مرحوم اُن کے جانشین ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں شاہ غازی موٹر کے ایک حادثہ میں ہلاک ہو گئے۔ اور اُن کے بیٹے شاہ فیصل دوم اُن کے جانشین مقرر ہوئے جو پچھلے دنوں پاکستان بھی تشریف لائے تھے۔

آج کا بغداد اگرچہ عباسی دورِ حکومت کا بغداد نہیں۔ پھر بھی یہ زالی شان کا شہر ہے۔ دریائے دجلہ اس شہر کے درمیان میں بہتا ہے۔ شہر کافی صاف ستھرا ہے۔ اور کھجوروں کے لیے دُنیا بھر میں مشہور ہے۔ یہاں ۱۱۶ قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں۔ انگور، تربوز، میٹھا لیموں، سنگترہ وغیرہ بہت عمدہ پھل



زس اپریل اور اکتوبر کے مہینوں میں گرمی کی شدت ہوتی ہے۔ بغداد کی موجود  
آبادی آٹھ لاکھ سے زائد ہے۔

ٹائیگرس پولیس ہوٹل میں جا کر کپڑے تبدیل کیے۔ اور تاریخی مقامات اور  
مزارات کی زیارت کے لیے ایک ٹیکسی لے کر چل کھڑے ہوئے۔

## امام اعظم

سب سے پہلے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ آپ  
کا اسم گرامی عثمان، ابو حنیفہ کنیت اور امام اعظم لقب تھا۔ اسلام میں چار  
مدرسہ فکر ہیں۔ یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ان میں حنفی امام اعظم رحمۃ اللہ  
کے پیرو ہیں۔ امام موصوف کو فقہ اسلامی میں بہت بلند درجہ حاصل ہے۔  
امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اموی اور عباسی دونوں دور دیکھے تھے۔  
آپ کو ہمیشہ دنیاوی مدارج حاصل کرنے سے نفرت رہی۔ آپ نے نہ تو اموی  
عہد حکومت اور نہ عباسی دور میں باوجود اصرار کے... بلکہ سزائیں  
بھگتنے کے بھی کوئی عہدہ قبول نہ کیا۔ اموی دور میں آپ کو ہر روز دوسے بارے  
جاتے تھے۔ عباسی دور میں آپ کو قید کر دیا گیا۔ اور یہیں آپ کو زہر دیا گیا،  
جس سے آپ نے ۶۶۱ھ میں انتقال کیا۔

امام صاحب کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ لیکن دیانت اور صداقت کا  
ہمیشہ پاس رکھتے۔ آپ غیر معمولی دماغی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ اور ہر بات کا  
فی الفور اور منقول جواب دیا کرتے تھے۔ جب عباسی خلیفہ منصور نے آپ کو قاضی

کا عہدہ پیش کیا۔ تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ”میں اپنے اندر اتنے بڑے عہدہ کی اہلیت اور قابلیت نہیں رکھتا۔ منصور نے کہا ”آپ جھوٹے ہیں۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا۔ ”اگر میں جھوٹا ہوں تو پھر کسی صوت میں بھی قاضی بننے کے لائق نہیں۔ کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں ہو سکتا۔ منصور نے غصے میں آکر قسم کھائی کہ ”تم کو یہ عہدہ قبول کرنا ہی ہو گا۔ آپ نے بھی قسم کھائی کہ ”میں یہ عہدہ ہرگز قبول نہ کروں گا۔ اور فرمایا کہ ”میں نے اس لیے قسم کھائی ہے کہ میں اس کا کفارہ ادا نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ تم بادشاہ ہو۔ اس لیے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر سکتے ہو۔ اس تنازعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ منصور نے آپ کو قید کر دیا۔ مزار پر ایک بہت بڑا اور عالی شان قبہ ہے۔ اور جالی کے کنگرے پر چاندی کا کام بنا ہے۔ یہ گنبد ہارون الرشید کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک مسجد ہے۔ جسے شاہ الپ ارسلان نے ۱۰۲۴ء میں تعمیر کیا تھا۔ سلطان سلیمان اعظم نے ۱۵۲۴ء میں اسے دوبارہ بنوایا۔

جس طرح پاکستان میں لوگ مزارات کی جالیوں کے ساتھ رنگ برنگ کے دھاگے باندھ دیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں کے لوگ مزار پر منت کا تالا لگا دیتے ہیں۔ جسے منت کے پورا ہونے پر کھول دیا جاتا ہے۔ فاتحہ پڑھی اور دعا کی کہ خداوند تعالیٰ ہمیں بھی ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ کیونکہ حاجات کا پورا کرنا صرف اسی خدا کے قبضہ و قدرت میں ہے۔

# حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی

یہاں سے فارغ ہو کر ہم حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر گئے۔ جو محد باب ایشخ میں واقع ہے۔ قبر کے گرد چاندی کی جالیاں ہیں۔ امام اعظم کی طرح یہاں بھی منت کے تالے پڑے ہوئے دیکھے۔ باہر کے کتبہ پر یہ شعر کندہ ہیں۔

بادشاہ ہر دو عالم شاہ عبدالقادر است  
سرور اولاد آدم شاہ عبدالقادر است

آفتاب و ماہتاب و عرش و کرسی و مسلم  
نور قلب از نور اعظم شاہ عبدالقادر است

یہ وہی بزرگ ہیں جن کے متعلق اکثر لوگ

امداد کن امداد کن از بند عنم آزاد کن

در دین و دنیا شاد کن، یا شیخ عبدالقادر

اور شیب اللہ کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم کی واضح تعلیم ہے کہ  
إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں  
اور تجھ سے ہی امداد چاہتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو محی الدین اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے علم و عمل سے دین کو زندہ کیا۔ آپ ایران کے شہر جیلان کے رہنے والے تھے۔ حصول علم کے لیے بغداد تشریف لائے

اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد یہیں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا  
 آپ نے ۱۱۶۵ھ میں وفات پائی۔ جب ترک خلیفہ سلیمان بغداد پہنچا تو  
 اس نے جہاں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ کی مرمت کرائی۔ وہاں شیخ  
 کے روضہ کے ساتھ ایک مسجد بنوائی اور مدرسہ بھی قائم کیا۔ اور اسکے ساتھ  
 اتنی جائداد وقف کی کہ سال کا خرچ پورا ہو سکے۔ اس مسجد کا گنبد بغداد میں  
 خوب صُوت ترین شمار ہوتا ہے۔

آپ دیانت، صداقت، علم و فضل، زہد و ریاضت، سخاوت، استغنا  
 اور بے خوفی کا پیکر تھے۔ ہر روز جو کچھ نذرانوں کی صُوت میں آتا، وہ شام  
 تک راہِ خدا میں باٹ دیتے۔ حق بات کہنے سے کبھی نہ جھکتے، اور سچی  
 بات بادشاہ کے مُنہ پر بھی کہہ دیتے۔ ایک مرتبہ عباسی خلیفہ مستنجد باللہ نے  
 آپ کو اشرافیوں کی ایک تھیلی دی۔ اشرافیوں کو دیکھ کر آپ غصے میں آگئے  
 اور فرمایا: "تو مجھے غریبوں کا خون چوس کر جمع کیا ہوا روپیہ دیتا ہے۔ مجھے  
 شرم آتی چاہیے۔ میں اس روپیے کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔"

ابو بکر شبلیؒ

اس کے بعد ہم لوگ مشہور ولی اللہ حضرت ابو بکر شبلیؒ کے مزار پر گئے  
 حضرت امام اعظمؒ کے مزار کے قریب ہی قبرستان میں آپ کا مزار ہے  
 جس پر ۱۳۱۹ھ میں سلطان ترکی عبدالحمید خان ثانی نے ایک کتبہ لگوا دیا تھا۔  
 آپ میں جذب بہت تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں

میں جلتی ہوئی لکڑیاں لیے بھاگے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ میں جنت اور دوزخ کو آگ لگانے جا رہا ہوں تاکہ لوگ محض اللہ کے لیے اُس کی نماز پڑھیں۔ دوزخ کے خوف اور جنت کی آرزو میں اُس کی عبادت نہ کریں۔“

## کاظمین شریف:

بغداد سے چھ میل کے فاصلے پر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور حضرت امام محمد تقیؑ کے مزارات ہیں۔ قبوں، دیواروں اور صحنہ دروازہ پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے ہیں۔ دیواریں رنگ رنگ کے شیشوں سے جگمگا رہی ہیں۔ ہر وقت زائرین کی بھیڑ رہتی ہے۔ شیعہ حضرات کے لیے یہ بہت متبرک جگہ ہے۔ یہ عمارت اور مسجد ایرانی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ اسے ۱۵۱۵ء میں شاہ اسماعیل صفوی نے تعمیر کیا تھا۔

اب رات کافی ہو چکی تھی۔ اور سارا دن پھر نئے سے کچھ ممکن بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے ہم واپس ہو مل آگئے اور عشا کی نماز کے بعد آرام کیا آج ہم نے جوئیکسی لی۔ اُس کا ڈرائیور انگریزی کے علاوہ ٹوٹی پھوٹی اردو بھی جانتا تھا۔ اس لیے ہمیں کسی گائڈ (راہنما) کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ یہ خود ہمیں ہر جگہ آسانی لے جاتا رہا۔ اور سہولت کے ساتھ زیادات کرائیں۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے اگلے روز بھی آنے کے لیے کہہ دیا گیا۔

مارچون بروز منگل ابھی ہم نماز اور ناشتہ سے فارغ ہی ہوئے تھے

کہ عبد الکریم ٹیکسی ڈرائیور موٹر لے کر آگیا۔ ہمارا فرمائش پر ہوٹل والوں نے ہمارے لیے دوپہر کا کھانا تیار کر دیا تھا۔ جسے لے کر ہم سروانہ ہوئے۔ بعد ازاں کیٹرکین بڑی صاف ستھری ہیں۔ جن پر تارکول بچھا ہوا ہے۔ آب و ہوا خشک اور صحت بخش ہے۔ جون میں کافی گرمی ہوتی ہے۔ مضافات سمیت اندازاً دس لاکھ آبادی ہے۔ زبیدہ سکور۔ گنگ فیصل سکور، مین سکور اور میدان سکور مشہور چوک ہیں۔ رشید سٹریٹ۔ مائون سٹریٹ، عسکری سٹریٹ، غازی سٹریٹ، منتصر سٹریٹ اور مثبتی سٹریٹ اور چھتا ہوا بازار بڑے پورونق اور تجارتی گڑھ ہیں۔ بعد ازاں موٹروں اور بسوں کی اس قدر فراط ہے کہ ٹھوڑے ٹھوڑے عرصہ کے لیے راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ سڑکوں اور بازاروں میں خوب بوئق اور چہل پہل ہے۔ جا بجا تہہ خانے اور ہوٹل موجود ہیں۔ جہاں ہر مذاق اور قماش کے لوگ حسب حیثیت وقت گزارتے ہیں۔

کر بلائے معلیٰ :

چونکہ صبح کا ٹھنڈا وقت تھا۔ اس لیے یہی مناسب سمجھا گیا کہ پہلے دور کی منزلیں طے کر لی جائیں۔ چنانچہ سیدھے کر بلائے معلیٰ کا رخ کیا۔ کر بلائے معلیٰ بعد ازاں سے ایکلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ سارے راستے کے دائیں بائیں پانی کی نہریں، بہترین فصلیں، باغات اور سبزہ سبزہ نظر آتا ہے۔ کر بلا کا لفظ اب تک پانی کے قحط اور شدید قلت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اصل میں یہ لفظ "کرب و بلا" تکلیف و مصیبت، تھا۔ لیکن کثرت استعمال سے کر بلا

ہو گیا۔ اس لفظ کے ذہن میں آتے ہی اس جگہ کی گرمی کی شدت اور اہل بیت کی تشنگی اور ایک ایک قطرے سے محرومی کا منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ لیکن آج اس سر زمین میں پانی کی یہ فراوانی دیکھ کر قادر مطلق کی قدرت کا بلہ کے کرشمے یاد آجاتے ہیں۔ آہِ اِسی جگہ اہل بیت ایک ایک بوند پانی کو ترستے ہوئے شہید ہوئے۔

بڑی وسیع اور عالی شان عمارت ہے۔ گنبد کا طلائی کام، در و دیوار پر گنبد کاری اور آئینہ بندی کا کام کوہِ نور کی جگمگاہٹ کو بھی مات کر رہا ہے ابھی تک مرمت کا کام جاری ہے۔ اس جگہ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے دونوں جگر پارے حضرت علی اکبرؑ اور حضرت علی اصغرؑ آرام فرما رہے ہیں۔ گرواگر و چاندی کا کٹہرا ہے۔ اور ان کٹہروں میں بھی مرمت کے تالے پڑے نظر آتے۔

جب ہم موٹر سے اترے تو دو ذواروں نے ہمیں نکیڑین کی طرح گھیر لیا۔ اگرچہ ہم نے انتہائی بے رُخی اور بے توجہی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن وہ بھلا کہاں چھوڑنے والے تھے۔ ان میں ایک ڈارٹھی مند امشنڈا قسم کا تھا جو ہم سے بات کرتے وقت اکثر تحکمانہ لہجہ بھی اختیار کر لیتا تھا۔ دوسرا جس کی چھوٹی سی ڈارٹھی تھی۔ وہ ہم سے بمنت پوچھ رہا تھا۔ آپ شیعہ ہیں یا سنی؟ اسی تو تکرار میں ہم مزار کے اندر چلے گئے اور دونوں نے اپنی اپنی طرف متوجہ کر کے سلام پڑھوانے کی کوشش کی۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ رٹ بھی

لگا رہے تھے۔ کہ آپ شیعہ ہیں یا سنی۔ ڈاڑھی والا بڑے عاجزانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ کہ یہ شیعہ ہے اور بڑا بد معاش ہے۔ میں یہاں اکیلا سنی ہوں۔ اور سنی زائرین کی خدمت کرتا ہوں۔ آپ میرے مکان پر چلیے۔ آپ سنی ہیں تو اسے بتا دیجئے تاکہ اس سے پیچھا چھوٹے۔ اتنے میں ایک لحیم و شمیم مرد معتبر حبیہ وقتہ پہنے آنکلا اور ان دونوں زواروں کو ہم زندہ لاشوں سے چمٹا دیکھ کر مجھ سے دریافت کیا۔ آپ کون ہیں۔ میں نے کہا سنی۔ یہ سننے ہی وہ گدائے متکبر شیعہ مزور بڑ بڑاتا اور ہم کو آنکھیں دکھاتا ہوا چلا گیا۔ اب یہ سنی مزور اصرار کرنے لگا کہ میں آپ کو سلام پڑھاؤں گا۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت خدا کے لیے ہم سے کچھ دور فاصلے پر بیٹھ جائیے۔ اور ہمیں اطمینان سے فاتحہ پڑھنے دیجیے۔ میں آپ کا ہدیہ دیلے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اس پر اسے قدر سے چلین آیا۔ لیکن ہمارے پڑھتے ہوئے بھی یہ بندہ خدا کئی مرتبہ اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور اپنا کارڈ دیا۔ جس پر لکھا تھا۔ محمد عبد اللطیف شیعان زادہ وکیل اہل سنت والجماعت نجف (عراق) شیعہ مشورات ہی نہیں مرد بھی اس طرح بند آواز سے روتے اور چلاتے تھے۔ جیسے کسی بڑے دنیا دار گھرانے سے جنازہ اٹھ رہا ہو۔ بعض سلام پڑھنے والے مزور بین کر کے اپنے زائرین کو رلا رہے تھے۔ لیکن ان کی اپنی آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہ تھا۔ ہمارے اپنے ٹک میں آج سے بہت پہلے اگر کسی ہندو کے موت ہو جاتی تھی تو نائین بنین کیا کرتی تھی اور ہندو عورتیں ایک قطار میں کھڑی ہو کر سیا پا کیا کرتی تھیں۔ نائین کو اس کی اجرت دی جاتی تھی



تقریباً ہی کیفیت یہاں نظر آئی۔ دو آدمی ایسے بھی دیکھے جو شہداء کی  
 قبور کی جالی کے ساتھ لوہے کے جنگلوں سے جکڑے پڑے تھے۔ قریب ہی  
 حضرت عباسؓ کا روضہ ہے۔ حضرت قاسمؓ بھی اسی قبۃ میں مدفون ہیں۔ اسی  
 عمارت کے ایک کونے میں وہ جگہ دکھائی گئی۔ جہاں حضرت سید الشہداءؓ نے  
 جام شہادت نوش فرمایا تھا۔

حضرت امام حسینؓ کی بے بسی، جرات اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے  
 جان سپاری کو دیکھ کر دل چاہتا تھا کہ اطمینان اور سکون سے ایک کونے میں  
 بیٹھ کر اہل بیت کے بے نظیر صبر و شکر اور استقامت کو سامنے رکھ کر خود پر  
 ایک رقت طاری کروں۔ لیکن افسوس کہ اس شور و شغب میں یہ آرزو پوری  
 نہ ہو سکی۔ ع

اے سا آرزو کہ خاک شدہ

تین چار میل کے فاصلے پر حضرت حُرَیْر بن ریحاح کا مزار ہے۔ یہ وہی  
 حُرَیْر ہیں۔ جو یزیدی فوج کے افسر تھے۔ مگر جب حضرت امام حسینؓ نے یزیدی  
 لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اے اہل کوفہ تم نے مجھے دھوکہ دے کر یہاں  
 بلایا اور اب تم میری ہلاکت کے درپے ہو۔ تم نے میرے نانا کا یہ قول  
 سنا ہو گا۔ کہ حسینؓ جنت کے جوانوں کا سردار ہے۔ جس گھوڑے پر رسول خدا  
 صلی اللہ علیہ وسلم پیار سے بوسہ دیا کرتے تھے۔ تم آج اسی پر ظلم و ستم  
 کا خیر چلانے پر تلے ہوئے ہو۔ تو حضرت حُرَیْر یزیدی فوج سے نکل کر حضرت  
 امام حسینؓ علیہ السلام کی خدمت میں چلے گئے اور ان کی حمایت میں لڑتے

ہوتے شہید ہوئے۔

## بخشب اشرف :

کربلا سے معلیٰ سے کوئی ایک سو کیلو میٹر کے فاصلے پر بخشب اشرف میں حضرت علی کریم اللہ وجہہ کا روضہ مبارک ہے۔ حضرت علی کریم اللہ وجہہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کے والد ابو طالب نے حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد اپنے یتیم بھتیجے کی پرورش کی۔ اور ہر معاملے میں آپ کی مدد کی۔ حضرت علیؑ نے بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ جوان ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ الزہراء کی شادی آپ سے کر دی۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام ان کے برگزیدہ فرزند تھے۔ آپ چوتھے خلیفہ اسلام ہوئے اور مدینہ منورہ کی جگہ آپ نے کوفہ کو دارالحکومت مقرر کیا۔ آخر ۱۲ ماہ رمضان کو صبح کے وقت ایک خارجی ابن ملجم نے آپ کو خنجر مار کر شہید کر دیا۔

حضرت علی کریم اللہ وجہہ کے مزار کے گنبد اور مینار کربلا معلیٰ کی طرح سونے اور چاندی کے پتروں سے جڑے ہوئے ہیں۔ اندر کا حصہ چینی کی گولکاری اور آئینہ بندی سے آراستہ ہے۔ اور سونے چاندی کی تزیینات ہیں۔

۱۰ شیعہ حضرات کا بیان ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جد مبارک کے ساتھ ہی بعد میں ان کا سر مبارک لاکر دفن کر دیا گیا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ کا سر مبارک قاہرہ میں مدفون ہے واللہ اعلم بالصواب :

لٹک رہی ہیں۔ مزار کے گرداگرد چاندی کی جالی ہے۔

## حضرت ہود اور صالح علیہما السلام :

قریب ہی حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے مزارات ہیں۔ دروازے پر ایک اونٹنی کی تصویر ہے جو اپنے بچوں کو دودھ پلا رہی ہے۔ لاسول ولا قوۃ الا باللہ۔

حضرت ہود حضرت نوح کے بعد قوم عاد کے لیے پیغمبر مبعوث ہو کر تشریف لائے۔ یہ لوگ بڑے قد و قامت کے تھے۔ فن تعمیر میں ان کا جواب نہ تھا۔ کھیتی باڑی کے فن سے خوب واقف تھے۔ اسی فارع ایلانی خوش حالی اور قوت و طاقت کے گھمنڈ نے انہیں باعنی کر دیا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اس قوم کو بت پرستی اور بڑے کاموں سے منع کیا اور انہیں خدا کے خوف سے ڈرایا۔ مگر اس سرکش قوم پر وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر غیرتِ خداوندی جوش میں آئی ابتدا میں آسمان پر ایک بادل نمودار ہوا۔ جس نے بعد میں ایک خوفناک آندھی کی صورت اختیار کر لی۔ جو سات آٹھ دن تک متواتر چلتی رہی اور قوم عاد کے تمام سرکش لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے۔

قوم عاد کی تباہی اور بربادی کے بعد جو لوگ بچ رہے۔ وہ وادی قریٰ میں آباد ہو گئے۔ یہ قوم عاد ثانیہ کہلاتی ہے۔ جو بعد میں اپنے کسی بزرگ کے نام پر قوم مٹو کہلانے لگی۔ جب یہ قوم بت پرستی بد کرداری اور فسق و فجور

میں حد بڑھ گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق اس قوم کی طرف حضرت صالحؑ کو نبی بنا کر بھیجا۔ آپ نے اپنی قوم کو وعظ و تلقین کی اور خدا کے عذاب سے ڈرایا۔ اس کے جواب میں آپ کی قوم نے کہا کہ اے صالحؑ اگر ہماری قوم شوکت، دولت کی فراوانی، کھیتوں کی سرسبزی، عالی شان مکانات، غنیمت جو عیش و آرام ہمیں حاصل ہیں، وہ تیرے خدا کی طرف سے ہیں تو پھر وہ لوگ کیوں غریب اور نادار ہیں۔ جو تیرے خدا کو ایک مانتے ہیں۔

اس قوم کو اس امر پر بڑا تعجب تھا کہ ان ہی میں سے ایک آدمی کس طرح پیغمبر بن گیا اور اس پر خدا کے پیغام بھی نازل ہونے لگے۔ آخر اس قوم نے کہا کہ اگر تم خدا کی طرف سے نبی ہو تو کوئی نشانی دکھاؤ۔ اس پر اللہ کا نشان ایک اونٹنی کی صورت میں نمودار ہوا۔ قرآن میں تو اس کا ذکر نہیں۔ البتہ مفسرین کا بیان ہے کہ یہ اونٹنی اللہ کے حکم سے ایک پتھر سے پیدا ہوئی اور تھوڑی دیر بعد اس نے بچہ بنا۔

خدا کا یہ واضح نشان دیکھ کر اگرچہ وہ لوگ بھونچکے رہ گئے۔ لیکن پھر بھی وہ خدا کی طرف مائل نہ ہوئے۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "خدا کا نشان ظاہر ہو چکا ہے۔ اگر تم اپنی بھلائی چاہتے ہو تو اس اونٹنی کو ہرگز نقصان نہ پہنچانا۔ یہ آزادی سے جہاں چاہے چرے پھرے" آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دن یہ اونٹنی چشمے سے پانی پیا کرے گی اور ایک دن تم اور تمہارے جانور

کچھ دن تک لوگ اس غیر معمولی واقعہ سے حیرت زدہ رہے اور کوئی

اُذُنِی پَر عَمْرَمَنْ نَهْ ہوا۔ لیکن کچھ وقت گزر جانے کے بعد اُن کے ولی میں پرانی  
 بُرائیاں پھر ابھرنے لگیں اور اُنھوں نے سازش کر کے اُذُنِی کو ہلاک کر دیا  
 اس کے بعد اس قوم پر عذابِ خداوندی نازل ہوا۔ کڑک اور ہیبت ناک  
 گرج نے تمام سرکش انسانوں کو ہلاک کر دیا۔ صرف وہی لوگ بچے جو حضرت  
 صالحؑ کے ساتھ تھے۔ بعد میں یہ قوم فلسطین میں جا کر آباد ہو گئی۔

## کوَفہ:

کوَفہ نجف اشرف سے دس کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ سڑک پنختہ  
 ہے۔ اس جگہ وہ محراب و منبر دکھائے گئے جہاں حضرت علیؑ گرم اللہ و چہ  
 شہید ہوئے تھے۔ قریب ہی حضرت مُسَلِم بن عقیل اور بنتِ حضرت علیؑ کے  
 مزارات ہیں۔

حضرت مُسَلِم بن عقیل حضرت امام حسینؑ کے چچیرے بھائی تھے۔ جب  
 اہل کوَفہ نے حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھ کر کوَفہ آنے کی دعوت دی تو بعض  
 اجباب کے اصرار پر امام حسینؑ اس پر راضی ہو گئے کہ پہلے حضرت مُسَلِم بن عقیلؑ  
 کو کوَفہ بھیج کر اہل کوَفہ کے خلوص کی تصدیق کر لی جائے۔ جب حضرت مُسَلِم کوَفہ  
 پہنچے تو اہل کوَفہ نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اُنھیں ہر قسم کی امداد کا  
 یقین دلایا۔ اس پر اُنھوں نے امام حسینؑ کو لکھ دیا کہ ”کوَفہ کے لوگ آپ پر  
 پروانہ دار شمار ہونے کو تیار ہیں۔ آپ بلا خوف و خطر تشریف لے آئیں۔“  
 اس وقت کوَفہ کا حاکم ایک خدا ترس انسان نمان بشر تھا۔ یزید کو خبر ملی

کہ اہل کوفہ امام حسینؑ کی رفاقت کا دم بھر رہے ہیں۔ تو اُس نے نُهْمَان کو معزود کر کے عبید اللہ ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

ابن زیاد نے کوفہ میں پہنچ کر کچھ اس قدر تشددانہ طریق کار کا مظاہرہ کیا کہ لوگ ڈر گئے۔ اگلے دن اُس نے اہل کوفہ کو بلا کر خوب ڈرایا دھمکایا اس سے خوف زدہ ہو کر اہل کوفہ حضرت امام حسینؑ کی حمایت سے دستکش ہو گئے حضرت مسلم ہانی کے گھر میں مقیم تھے۔ ابن زیاد نے فوجی دستہ بھیج کر دونوں کو گرفتار کر لیا اور پھر بے دردی سے قتل کر دیا۔

کوفہ میں حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کا مصطفیٰ اور آپ کے شہید ہونے کی جگہ محفوظ ہے۔ پہلے اس جگہ لوگ نوافل پڑھتے ہیں۔ کوفہ میں حضرت نوح علیہ السلام، جناب مسلم بن عقیل، امیر مختار علیہ الرحمۃ کے مزارات کی زیارت کی اس کے بعد ہانی ابن عروہ، عبید اللہ بن جابر انصاری حدیقہ الیمانی اصحاب حضرت علیؑ سید محمد ظاہر بن الحسین بن علیؑ کے مزارات دیکھے۔ سامنے ایک معمولی قبۃ میں بنت علیؑ کرم اللہ وجہہ کا مرقد ہے۔

یہاں سے تھوڑی دور کوفہ جدید آباد ہوا ہے۔ جو اب اچھا خاصہ شہر بن گیا ہے۔

## حضرت یونس علیہ السلام:

حضرت یونس علیہ السلام کے مزار پر حاضری دی جس پر ایک تصویر کے ذریعے پھلی کا حضرت یونس کو نکلنا دکھایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان لغویات

سے بچائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اہل نینوا کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ نے ایک مدت تک ان سرکش لوگوں کو وعظ و نصیحت کی۔ لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس پر حضرت یونس علیہ السلام نے خدا سے اس قوم پر عذاب نازل کرنے کی بددعا کی اور خدا کے جواب کا انتظار کیے بغیر بستی سے نکل گئے۔ جب اہل نینوا کو معلوم ہوا کہ حضرت یونس بددعا کر کے چلے گئے ہیں۔ تو آنکھوں نے ان کی تلاش شروع کی اور جب نہ ملے تو بارگاہِ خداوندی میں جمع ہو کر انھوں نے توبہ و استغفار کی اور خدا سے نیک رہنے کا وعدہ کیا۔

ادھر حضرت یونس دریائے فرات کے کنارے پر پہنچے۔ گھاٹ پر ایک کشتی مسافروں کو پار لے جا رہی تھی۔ آپ بھی اس میں سوار ہو گئے۔ جب کشتی وسط دریا میں پہنچی تو ہچکولے کھانے لگی اور قریب تھا کہ غرق ہو جائے۔ اس موقع پر اس زمانے کے اعتقاد کے مطابق لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم میں کوئی ایسا ضرور ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہم پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے۔ اگر اس کشتی سے اتار دیا جائے تو کشتی نبح جائے گی۔ لیکن کوئی بھی یہ کہنے کو تیار نہ تھا کہ میں بھاگا ہوا غلام ہوں۔ اس پر حضرت یونس نے ملاحوں سے کہا کہ "میں ہی اپنے مالک کا بھاگا ہوا غلام ہوں۔ تم مجھے دریا میں پھینک دو۔" ملاحوں نے انکار کیا کہ "آپ ایسے بزرگ کو ہم کس طرح دریا میں پھینک دیں؟" لیکن جب حضرت یونس کی طرف سے اصرار بڑھا

تو ملا حوں نے آپ کو دریا میں پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پھلی نے آپ کو نکل لیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور پھلی نے آپ کو ساحلِ دریا پر اُگل دیا۔ کچھ نشانیاں دکھانے کے بعد خدا تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ نینوا جانے کا حکم دیا۔ جب حضرت یونسؑ نینوا میں آئے تو آپ کی قوم آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی، اور آپ کی راہنمائی میں وین و دنیا کی کامرانیاں جاہل کرتی رہی۔

## حضرت ذوالکفلؑ :

کوفہ سے ہلہ کو جاتے ہوئے بیس کیلومیٹر کے فاصلے پر راستہ میں ایک شکستہ مسجد کے پاس حضرت ذوالکفلؑ کا مزار ہے۔ مسلمان اور یہودی دونوں زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں صرف دو جگہ آپ کا ذکر آیا ہے اور قرآن کریم نے آپ کی یہ تعریف کی ہے کہ آپ نیک اور صابر تھے۔

## بابل :

ہلہ سے آٹھ کیلومیٹر کے فاصلے پر بابل ہے۔ ایک زمانہ میں بابل کی تہذیب اپنے انتہائی کمال پر تھی۔ یہاں کے بعض باغات عجائباتِ عالم میں شمار ہوتے ہیں۔ میں جب بھی قرآن مجید میں ہاروت و ماروت کا ذکر پڑھتا اور روایات سنتا کہ ہاروت و ماروت چاہ بابل میں اُلٹے ٹکے ہوئے ہیں تو اس کنوئیں کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوتا۔



قرآن مجید میں ہاروت و ماروت کا ذکر سورہ بقرہ میں یوں آتا ہے ۔  
یہودیوں نے بجائے تو رات کے جاڈو کی ان باتوں پر عمل کرنا شروع  
کر دیا جو شیطان حضرت سلیمان کے زمانے میں لوگوں کو سکھاتے تھے اور  
صنعت الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اس جاڈو کو حضرت سلیمان کے  
نام سے منسوب کیا کرتے تھے کہ یہ علم ان پر اترتا ہے ۔ اور اس کی بدولت  
ان کو رب پر دسترس حاصل ہے ۔ حالانکہ ان کفریات کا حضرت سلیمان سے  
کوئی تعلق نہ تھا ۔ بلکہ خود شیطان ہی ان کفریات کے موجد تھے جو لوگوں کو  
جاڈو سکھاتے تھے ۔ اور یہ جاڈو دو فرشتوں یا شہزادوں ہاروت و ماروت  
پر نازل ہوا ۔ وہ اس علم سے واقف ضرور تھے مگر کسی کو سکھاتے نہیں تھے  
بلکہ یہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو لوگوں کے امتحان کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور  
تم اس کو سیکھ کر کافر نہ بنو ۔ مگر لوگ خود ہی کچھ اڑتی ہوئی باتیں سن پاتے  
اور اس کے ذریعے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتے ۔ حالانکہ بجز حکم الہی  
کسی کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے ۔ اور لوگ ادھر ادھر سے جاڈو کی خرافات  
سیکھ لیا کرتے تھے جو انھیں نفع تو خاک پہنچاتیں ۔ البتہ ضرر ضرور پہنچاتی  
تھیں ۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جو جاڈو پر عمل کرے گا ۔ آخرت میں اسے  
کچھ حصہ نہیں ملے گا ۔ اور یہ جاڈو جس کی وجہ سے آنھوں نے اپنے آپ کو بدلا  
عذاب کر رکھا ہے ۔ بہت ہی بڑی چیز ہے ۔ کاش وہ اس بات کو جانتے ۔  
**چاہ ہاروت و ماروت :**  
یہاں تین فٹ چوڑس قطر کا ایک گنواں ہے جس میں کنکر پھینکنے سے

پانی کا پتا چلتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس گنوں میں ہاروت و ماروت اُلٹے  
ٹکے ہوئے ہیں اور قیامت تک ٹکے رہیں گے۔

بابل بغداد سے جنوب کی طرف ۵۵ میل کے فاصلے پر ہے۔ شہر کے  
باہر فصل ہے۔ دیوار کے اندر شہر میں داخل ہوں تو ایک ایٹ ہاؤس اور  
چھوٹا سا عجائب گھر ہے۔ جہاں قدیم مندروں کے نمونے پڑے ہوئے ہیں  
یہاں ایک شاہراہ جلو س ہے۔ جو باب العشرت پر ختم ہوتی ہے۔ شاہراہ  
جلو س کے مغرب کی طرف جنوبی محل ہے اور اس کے قریب ہی معلق باغات  
ہیں۔ باب العشرت کے شمال کی طرف شیر کا مجسمہ ہے جو سیاہ پتھر سے تراشا  
گیا ہے۔ یہ شیر بابل کے نام سے مشہور ہے۔

آج دن بھر کڑکتی دھوپ اور شدت کی گرمی رہی۔ اس تپتے ہوئے  
دن میں موٹر کار یہ طویل سفر میرے لیے تو کچھ تکلیف دہ ثابت نہ ہوا مگر میری  
اہلیہ اور عزیزم عبداللہی پیاس کی شدت محسوس کرتے رہے اور جہاں کہیں  
آبادی آتی۔ گاڑی کھڑی کر کے پانی یا شربت جو بھی میسر آتا پی کر پیاس  
بُجھانے کی کوشش کرتے۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد پھر العطش العطش ہونے لگتی۔

## حضرت یوشع علیہ السلام :

اب ہم پھر بغداد واپس لوٹ آئے۔ اور حضرت یوشع علیہ السلام کے  
مزار پر گئے۔ آپ کا مزار قبرستان کے کنارے پر ہے۔ اوپر ایک قبہ بنا  
ہوا ہے۔ دو کتبے عبرانی زبان میں نصب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں

دوبار ان کا ذکر فرمایا ہے۔ اور تصدیق کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اور صابر بزرگ تھے۔

## حضرت جنید بغدادی اور شیخ سقطریؒ

حضرت جنید بغدادی اور آپ کے مرشد حضرت شیخ ابوالحسن سقتری سقطریؒ کے مزارات ایک مسجد مناقبہ میں ہیں۔ حضرت جنید بغدادی حضرت سقتری رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اور مرید تھے۔ حضرت سقتری سقطریؒ کی دیانت کا یہ عالم تھا کہ کہتے ہیں کہ جن ایام میں آپ بغداد میں کاروبار کیا کرتے تھے، ایک دفعہ آپ نے ساٹھ دینار کے بادام خریدے۔ لیکن کچھ دیر بعد ہی بادام مہنگے ہو گئے۔ ایک اور دکاندار نے آپ سے وہ بادام نوے دینار میں خریدنے چاہے۔ لیکن آپ نے یہ کہہ کر بادام بیچنے سے انکار کر دیا کہ میں دس دینار پر نصف دینار سے زائد منافع نہیں لیتا۔ اس قیمت پر اس لیے نہیں بیچنا چاہتا کہ تم خرید کر گراں فروخت کر دو گے عوام سے آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے۔ "کاش! لوگ رنج و اندوہ سے فارغ ہوتے اور سارے جہاں کا غم میرے لیے وقف ہوتا۔"

حضرت جنیدؒ کو اولیاء اللہ اور علماء میں ایک بلند مقام حاصل ہے آپ شریعت، طریقت اور تصوف میں انتہا تک پہنچے ہوئے تھے۔ آپ ایک بلند پایہ مُصنّف بھی تھے۔ سب سے پہلے آپ نے ہی علم اشارات جاری کیا۔ خود حضرت سقتریؒ کو اعتراض تھا کہ تصوف میں حضرت جنیدؒ کا مرتبہ

ان سے بلند ہے۔

آپ کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ آپ سات آٹھ سال کی عمر میں حضرت مسیح مصلیٰ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے جہاں بے شمار مشائخ کبار جمع تھے۔ ان کی مجلس میں شکر پر بحث ہو رہی تھی کہ شکر کیا ہے۔ جب سب لوگ اظہار خیال فرما چکے۔ تو حضرت مسیح مصلیٰ نے فرمایا کہ "جفید تم بھی کچھ کہو۔" آپ نے فرمایا کہ "حق تعالیٰ جو نعمت عطا فرمائے اس نعمت کی وجہ سے اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ اور اس کی نعمت کو نافرمانی اور معصیت کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔" آپ کو اپنی زندگی میں بڑی بڑی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑا لیکن آپ ہر مقام پر کامیاب رہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ "بڑی نیکی خلق خدا کی خدمت سے ہے۔ آپ نے فرمایا "حرص بہت مہلک شے ہے۔ اگر کسی کے پاس دنیا بھر کے خزانے ہوں۔ اور حرص نہ ہو تو اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور اگر اس میں کھجور کے دانے کے برابر حرص ہوگی تو وہ نقصان میں رہے گا۔" آپ کا ارشاد ہے کہ "صوفی وہ ہے۔ کہ جس کا دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح دنیا کی دوستی سے پاک ہو۔ وہ حق تعالیٰ کی تابعداری کرے۔ اس کی تسلیم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح ہو۔ صبر حضرت ایوب علیہ السلام جیسا ہو۔ ذوق و شوق حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا ہو۔ اور مناجات میں اس کا اخلاص حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہو۔"

## حضرت بہلول وانا:

حضرت جلیل بغدادی کے مزار کے پاس حضرت بہلول وانا کا مزار ہے۔ وہاں بھی حاضری دی ہے آپ کو لوگ دیوانہ کہتے تھے مگر آپ کی ایک ایک بات میں معرفت اور حقیقت کے خزینے پوشیدہ ہوتے تھے۔

## حضرت ابراہیم خواجہ:

حضرت ابراہیم خواجہ جو حضرت جلیل رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے قریب ہی مدفون ہیں۔ یعنی مرنے کے بعد بھی مرشد کی قربت نصیب رہی۔

## حضرت معرُوف کرخی:

حضرت معرُوف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے ولی اللہ ہوئے ہیں بغداد میں جس بازار کے کونے پر آپ کا مزار ہے وہ آپ ہی کے نام پر شیخ معرُوف سٹریٹ کے نام سے مشہور ہے۔ باہر سلطان عبدالحمید خان کے وقت کا منگولم کتبہ ترکی زبان میں لگا ہوا ہے۔ یہ کتبہ ۱۳۱۳ھ میں لکھا گیا تھا۔

حضرت معرُوف کرخی کے آباؤ اجداد آتش پرست تھے بچپن میں جب استاد نے اپنے طریق پر مذہبی تعلیم دینی چاہی تو آپ نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "خدا ایک ہی ہے" اس پر استاد نے ان

کو بہت مارا۔ آپ بھاگ کر حضرت علی بن موسیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد آپ گھر واپس آئے اور اپنے ماں باپ کو مسلمان کیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں رہ کر خوب ریاضت و عبادت کی۔

کہتے ہیں ایک دفعہ آپ وجہ کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں آپ نے ایک گروہ لڑکھانوں کا دیکھا جو آپس میں جھگڑ رہا تھا۔ اور نرمستیاں کر رہا تھا۔ ان کی وجہ سے راہ چلنے والوں کو پریشانی ہو رہی تھی۔ جب آگے بڑھے تو بعض دوستوں نے کہا کہ ان کے لیے بددعا کی جائے۔ آپ نے ہاتھ اٹھایا اور فرمایا: "اے اللہ جس طرح تو نے ان کو دنیا میں عیش و رکھا ہے۔ اسی طرح انہیں عاقبت میں بھی عیش و آرام دے۔" دوستوں کو اس دعا پر بہت تعجب ہوا اور پوچھا کہ "یہ کیا"۔ آپ نے فرمایا "صبر کرو زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ان لوگوں نے شراب پھینک دی اور حضرت معرفت علیہ السلام کے قدموں پر آکر گر پڑے۔"

کہتے ہیں کہ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو چونکہ آپ تمام اقوام میں بہت مقبول تھے، اس لیے سب نے کوشش کی کہ وہ ان کا جنازہ اٹھائیں آپ کی وصیت تھی کہ جو قوم میرا جنازہ اٹھائے وہی میری بھینر و تکفین کرے یہودی اور آتش پرست آپ کا جنازہ اٹھانے میں ناکام رہے۔ آخر مسلمانوں نے ہی آپ کا جنازہ اٹھایا اور بھینر و تکفین کی۔

## ملکہ زُبیدہ :

ریلوے سٹیڈ کے قریب ملکہ زُبیدہ آرام فرماتی ہے۔ یہ خاتون مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی ملکہ تھی۔ بڑی عقلمند اور فیاض پختی۔ ملکہ کا زندہ جاوید کارنامہ نہر زُبیدہ ہے جو عراق سے مکہ منعمتہ تک جاتی ہے اور صدیوں سے حجاج اور اعراب کی تشنگی کو دور کر رہی ہے۔ صحیح ہے

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا

پل بنا چاہ بنا مسجد و تالاب بنا

مزار کی حالت کچھ ایسی ہی ہے۔ جس کو دیکھ کر آنکھوں کے سامنے عبرت کا نقشہ کھینچ جاتا ہے۔ ع منٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے۔

## حضرت امام غزالی :

شیخ عمر شریٹ کے وسیع قبرستان کے ایک کونے میں مہمولى سى چار دیواری میں مشہور فلسفی اور صوفی بزرگ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ آپ بے شمار کتب کے مصنف ہیں۔ جن میں احیاء علوم بہت مشہور کتاب ہے۔

امام غزالی مصلح طوس میں پیدا ہوئے۔ آپ کے شوقِ علم کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ دورانِ سفر میں آپ ڈاکوؤں کے قابو آگئے۔ کپڑے اور سامان کے علاوہ آپ کے پاس وہ نوٹس بھی تھے جو آپ

نے اساتذہ کے لیکچروں سے لئے تھے۔ ڈاکو وہ بھی لے گئے۔ آپ کو سامان کا اتنا غم نہیں تھا جتنا ان مسودات کا تھا۔ آپ ڈاکوؤں کے سڑار کے پاس گئے اور درخواست کی کہ وہ مجموعہ آپ کو واپس کر دے۔ سڑار نے ہنس کر کہا آپ نے خاک پڑھا ہے۔ کہ جب کاغذ آپ کے پاس نہ رہے تو آپ کورے کے کورے رہ گئے۔ اس طعن کا امام صاحب پر اس قدر اثر ہوا کہ آپ نے ساری تقریریں زبانی یاد کر لیں۔

نظام الملک طوسی نے آپ کی قابلیت اور علمیت کو دیکھ کر مدسہ نظامیہ کا صدر مدرس (پرنسپل) بنا دیا۔ سلطنت کے اکثر امور آپ ہی کے مشورے سے انجام پاتے تھے۔ لیکن اس کے بعد آپ پر جذبگی کیفیت طاری ہو گئی اور کمرہ بند کر کے عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے لگے۔ مگر اس وقت بھی درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔

## حضرت سلمان پاک :

بغداد سے جنوب کی طرف ۲۵ میل پر حضرت سلمان پاک کا مزار ہے یہاں ایک قصبہ بھی اسی نام سے آباد ہے۔

## محل کسری کے کھنڈرات :

یہاں سے قریب ہی محللات کسری کے کھنڈرات ہیں اسی لئے فٹ اولچی ڈاٹ اور ویواریں اس واقعہ کی یاد دلا رہی ہیں۔ کہ جب



نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی تو یہ محل مُتَمَرِّزِ لَیْلِ  
ہوا۔ اور اس کے کنگرے گر پڑے۔

کل تقریباً چودہ گھنٹے موٹر میں ساڑھے تین سو کیلو میٹر سفر کیا۔ اگرچہ  
میری اہلیہ اور پسر م عبدالحی کافی تھک چکے تھے۔ لیکن حرفِ شکایت  
اُن کی زبان پر نہ آیا۔ شاید اس لیے کہ اُن کی کم ہمتی کا احساس مجھے شکستہ  
عاطف نہ کر دے۔ مارجون کو اس طویل سفر کے بعد ہوٹل میں واپس آئے  
کھانا کھا کر آرام کیا۔ صبح باقی اُن مقامات کو دیکھا جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا  
آج ساڑھے دس بجے واپس بغداد آ کر اس کے بازاروں کا چکر لگانا  
ہر طرف رونق اور گہما گہمی نظر آئی۔ ایک مُسقف بازار میں تو واقعی کھوٹے  
سے کھوا چھل رہا تھا۔ خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ پہلے دن ہم نے اسی  
بازار سے المونیم کا ایک جگ خرید لیا تھا۔ تاکہ دورانِ سفر میں استیجا وغیرہ  
کی سہولت رہے۔ ایک دفعہ پھر حضرت شیخ محمدی الدین عبید القادر جیلانی  
رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی۔ اور واپس ہوٹل آ کر وقت  
سے پہلے کھانا کھایا۔ کیونکہ عراق ایترویز سے آج دمشق کے لیے  
نشستیں مخصوص کر رکھی تھیں۔

اب ہوائی اڈہ جانے کے لیے تیاری شروع ہوئی۔ سامان وغیرہ  
وزارت کے دوست کیس اور چھوٹے بیگ پہلے موٹر میں بھجوا دیئے  
اور تیسرا اپنے ساتھ لفٹ میں رکھ لیا۔ لفٹ سے باہر آ کر چنڈ منڈ میں  
کارکنانِ ہوٹل سے رخصت ہو کر موٹر میں سوار ہو گئے۔ ہوائی اڈہ پر

پہنچ کر معلوم ہوا کہ تیسرا سوٹ کیس نڈار وہ ہے۔ سخت پریشانی ہوئی کہ یہ تو سر منڈاتے ہی اولے پڑنے والا معاملہ ہے۔ آج ہم جب خود ہی میر سامان کھتے، ایسی فاش چوک ہوئی۔ دفعۃً خیال آیا کہ اُسے غائب ایفٹ میں بھول آئے ہیں۔ موٹر میں نہیں رہا۔ اُسی وقت ہوٹل والوں کو ٹیلیفون کیا تو انہوں نے بتایا۔ سوٹ کیس یہیں رہ گیا تھا۔ موٹر پر بھیجا جا رہا ہے اتفاق سے جہاز پندرہ منٹ لیٹ تھا۔ مُتعلقہ کلرک نے صرف ہمارے زبانی کہنے پر اس کا وزن وغیرہ لکھ کر چٹیس کاٹ دیں۔ اور ہم سارے بارہ بجے ہوائی جہاز پر بیٹھ کر عازم دمشق ہو گئے۔

## دُشَق و شَم

۸ جون کو ساڑھے بارہ بجے کے قریب بغداد سے ہوائی جہاز پر سوار ہو کر دو گھنٹے کی پرواز کے بعد ڈھائی بجے شام کے دارالحکومت دمشق میں جا اترے۔ یہ سفر کافی تکلیف دہ ثابت ہوا۔ ہوائی جہاز نے بڑے ذیروہم دکھائے۔ خدا کے فضل و کرم سے مجھ پر تو اس کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن عبدالحمی کو چکر آنے لگے اور وہ سو گیا۔ میری اہلیہ پر نیم غنودگی کی سی حالت طاری تھی۔ وہ کبھی آنکھیں بند کر لیتیں۔ اور کبھی مجھے دیکھنے لگ جاتیں۔ شاید وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ آج خیر نظر نہیں آتی۔ آخر جب ہوائی جہاز نے پرواز معکوس کی اور زمین پر اترنا۔ تو خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا احتیاط کے طور پر ہوائی اڈہ پر ہی ایک سٹرلنگ پونڈ کا نوٹ تڑوا لیا گیا۔ لیکن کافی تکرار کے بعد اس کے ہم ۹ پونڈ ملے۔ سوڑ میں بیٹھے تو ڈرائیو نے کہا کہ قلی کو کچھ دے دیجیے۔ مجھ پر ایک پونڈ اسے دینا پڑا۔ اس موٹر میں دو یورپین ہمارے شریک سفر تھے۔ ہماری طرح انھیں بھی اورینٹ پیلیس ہوٹل جانا تھا۔ ہوٹل پہنچے تو ڈرائیور نے پانچ پونڈ کرایہ طلب کیا۔ میں نے کہا کہ یہ کرایہ ہوائی کمپنی کے ذمہ ہوتا ہے۔ مگر اس نے ایک نہ

تھی۔ آخر بادل ناخواستہ یہ رقم ادا ہی کرنی پڑی۔ اس نے دوسری سواریوں سے نہ تو کچھ مانگا اور نہ انہوں نے دیا۔ غالباً یہ ہمارے اجنبی ہونے کا جزمانہ تھا۔ یہ ہوٹل ریلوے اسٹیشن کے سامنے بڑی اچھی جگہ پر واقع ہے مگرے اور غسل خانے بڑے صاف ستھرے ہیں۔ گرم اور سرد پانی کا معقول انتظام ہے۔ بیٹھے تو گرمی محسوس ہونے لگی۔ گھنٹی بجائی۔ سیر آیا تو کہا۔ کہ گرمی لگ رہی ہے۔ اور یہاں پنکھا تک بھی نہیں۔ اس نے بتایا کہ یہاں ہوٹل کے کسی کمرہ میں بھی پنکھا نہیں ہے۔ اور کوئی ایسی گرمی بھی نہیں۔ آپ چونکہ ابھی ابھی آئے ہیں۔ اس لیے گرمی محسوس ہو رہی ہے۔

اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ پچیس تیس برس گزرے مجھے پہلی بار شملہ جانے کا اتفاق ہوا۔ موٹر سے اتر کر سیدھا مسلم ہوٹل پہنچا۔ لاہور کی گرمی کا اثر ابھی تک مزاج میں تھا۔ فوراً فرمائش کی کہ خوب برت ڈال کر شربت کا ایک گلاس لاؤ۔ میری یہ بات سن کر ہوٹل کے کارپروازان ایک ٹوہ سرے کا منہ تکنے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے جرأت کر کے پوچھ ہی لیا کہ عطار سے آپ کے لینے کو نا شربت لایا جلتے۔ کیونکہ یہاں تو سوائے مرین کے کوئی شربت نہیں پیتا۔

بند او میں بعد لکریم موٹر ڈرائیور کے بل جانے سے تو کوئی وقت نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ انگریزی سے بھی واقف تھا اور ٹوٹی پھوٹی اردو بھی بول لیتا تھا۔ ہوٹل والوں سے کہا کہ کوئی انگریزی یا اردو بات سمجھنے والا گائیڈ دریاہیرا چاہیے۔ انہوں نے کہا۔ بہت اچھا۔ انتظام کیسے دیتے ہیں۔ بھت

دن کے لیے ایک پونڈ سٹرلنگ معاوضہ ہوگا۔ ایک دو گھنٹے انتظار کیا مگر ان کی طرف سے آدمی بھیجنے پر بھی کوئی ترجمان نہ مل سکا۔ شام ہو گئی تھی۔ نماز مغرب ادا کر کے بغیر کسی مقصد کے شہر کی طرف چل دیئے۔ اب یہ مشکل تھی کہ ج زبان یار من ترکی و من ترکی منی و انم

کسی گاڑی والے کو کیا بتائیں کہ ہمیں کس جگہ جانا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیدل ہی چلتے رہے۔ آخر ایک ایسے ہوٹل کے قریب پہنچے جو خوب جگہ لگا رہا تھا۔ اور اس کے باہر انواع و اقسام کے کھانوں کی فہرست کا بورڈ آویزاں تھا۔ یہ فہرست عربی میں تھی۔ اور ہوٹل کا نام 'مطعم العربیہ' تھا۔ یعنی عرب کھانوں کا ہوٹل اندر جھانکا تو ایک ہندوستانی نوجوان نے قریب آ کر اندر آنے کی دعوت دی اور دریافت کیا کہ آپ پاکستان سے آئے ہیں؟ یہ الفاظ سن کر خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی اور قدم خود بخود اندر کی جانب اٹھنے لگے۔ اب ہم ایک منیر پر جا بیٹھے اور اس ہندوستانی نوجوان سے دریافت کیا کہ ہمارے مذاق کے مطابق یہاں کون کون سا کھانا مناسب ہوگا اس نے بتایا کہ دال اور کباب۔ چنانچہ اچھی چیزوں کی فرمائش کی گئی۔

تھی تو وہ دال مگر بڑی لذیذ، ہم نے اسے شوربے کی طرح چمچے سے پیا۔ ہوٹل میں ذبح کیے ہوئے دنبے ٹک رہے تھے۔ ان میں سے گوشت کٹوا کر تکتے اور قیمہ کے کباب بنوائے جو نہایت ہی لذیذ تھے۔ کھانے کے بعد میں نے حسب عادت کچھ مٹھالی منگوائی۔ یہ مٹھالی ہمارے ہاں کی مٹھالی سے بالکل مختلف تھی۔

دوران گفتگو میں میں نے ہندوستانی نوجوان سے کہا کہ ہمیں ایک ایسے رہبر کی ضرورت ہے۔ جو یہاں کے مقامات دکھانے میں رہبری کر سکے۔ اس نے کہا میں ابھی بندوبست کیے دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد ایک صاحب محمد شریف خاں آئے۔ تو میں نے پوچھا کہ کیا آپ ہی گائیڈ ہیں۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کاظم الہندی ہندوستانی نوجوان کے والد ہیں اور اسی ہوٹل کے اوپر شراکت سے ایک اور رہائشی ہوٹل بنا رکھا ہے۔ مجھے بھی اسی ہوٹل میں اٹھانے کی ترغیب دیتے رہے۔ کہ اس طرح مجھے آپ کی معیت میں رہنے کے اچھے مواقع پیش آسکیں گے۔ لیکن میں چونکہ ایک اکل کھرمی طبیعت کا انسان ہوں اور نیٹ ہوٹل کی سکونت کو ترک نہ کیا۔ اور اسی کو اپنی قیام گاہ بنائے رکھا انہوں نے جیب سے دو تار نکال کر دکھائے کہ رات کے ڈیڑھ بجے بیگم سیٹھ جیب وینس سے آرہی ہیں۔ یہاں اپنے لڑکے کا عقد ایک شامی لڑکی سے کرنا چاہتی ہیں اور کل فلاں صاحب آرہے ہیں۔ نذرانہ دریافت کیا۔ تو کہنے لگے۔ "میں ایسا بیوقوف کیوں بنوں۔ کہ اپنے منہ سے کچھ بتا کر اپنے پاؤں پر گھلہاڑی ماروں۔ جو جی چاہے دے دیجیے گا۔" اس کے بعد ہم اپنے ہوٹل میں آگئے۔

اگلے دن ۹ بجوں کو کاظم الہندی صاحب دن چڑھے ہمارے پاس آئے اور بتایا کہ رات فضائی اڈہ سے بیگم سیٹھ جیب کو لانا تھا اور صبح بازار سے مٹھائیاں خرید کر انھیں لڑکی والوں کے یہاں چھوڑ کر سیدھا آپ ہی کی طرف

چلا آ رہا ہوں۔ اب تشریف لے چلیے اُنھوں نے مشورہ دیا کہ سامنے ٹھہری ہوئی گاڑیوں میں سے کوئی گاڑی نہ لیجیے گا۔ یہ بہت دام لیں گے۔ راستے میں کوئی اور موٹر دیکھ کر دام چوکا لیں گے۔ اس طرح کم خرچ آئے گا غرضیکہ ایک ٹیکسی لے کر اُس میں بیٹھ گئے۔

دمشق کے بازار بڑے بارونق اور دکائیں خوب صاف سُھری اور آراستہ ہیں۔ باشندے خوش رُو، خوش پوش اور تمومند ہیں۔ ہر طرف سرسبز و شاداب پہاڑ ہیں جن میں پانی کے چشمے اُبلتے اور نہریں بہتی ہیں یہاں ربوہ اور ڈومر کے مقامات خوب صورتی کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتے یہاں سے سات نہریں نکالی گئی ہیں۔ پتھروں نے دمشق کی رونق کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ دمشق کے تقریباً ہر بازار میں ایک نہر بہتی ہے۔ جس کے باروگر و دو ٹون طرف بڑے بڑے ہوٹل واقع ہیں۔ جہاں ہزاروں خوش جیوڑے ماکولات و مشروبات سے مُتمتع ہو کر یہ جوان سامنے رکھے کسی نہ کسی کھیل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ہر ہوٹل میں تقریباً پانچ سو چھتے ہوتے ہیں۔ اس اجتماع میں چھوٹے بڑے جوان اور بوڑھے کی کوئی تمیز نہیں۔ دمشق میں پانی کی فراوانی ہے۔ تمام گلی کوچے بازار، مکانات، دکانات، نئی نویلی دہن کی طرح آراستہ پیراستہ نظر آتے ہیں۔ حماموں اور کبابیوں کی دکانیں ایسی صاف سُھری اور جاذب نظر کہ بغیر ضرورتِ حجامت ہونے اور کباب کھانے کو جی چاہے۔ پرائیویٹ موٹروں کے علاوہ کرایہ کی بے شمار ٹیکسیاں ایک سے ایک بڑھ کر۔ موٹر ڈرائیور لیے ٹوٹڈ بوٹڈ اور آپ ٹوٹڈ

کہ ہمارے ہاں کے بڑے بڑے صاحب ثروت بھی ایسا لباس نہیں پہنتے  
جا بجا ٹریوے اور موٹر بسیں چل رہی ہیں۔

اس ملک کی سرسبزی و شادابی، باشندوں کی خوش حالی اور خوش  
اخلاقی دیکھ کر بے اختیار یاد آ گیا کہ ہادی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
نے اہل شام کے لیے دعا فرمائی تھی کہ "اے اللہ! ملک شام میں برکت  
عطا فرما" اور یہ سب کچھ اسی دعا کی برکت کا نتیجہ ہے۔ سرزمین شام میں  
جا بجا اپنیائے کرام۔ اولیائے عظام اور صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین  
آرام فرماتے ہیں اور یہ کہنا درست ہے کہ یہ سرزمین اللہ کے محبوب بندوں  
کی سرزمین ہے اور شہر دمشق تو ان سب باتوں میں فضیلت رکھتا ہے۔  
گزشتہ چھ برس سے شام بسرعت ترقی کر رہا ہے۔ دمشق میں لاہور  
کی گھلگھل کا لونی سے بھی زیادہ خوبصورت اور شاندار کوٹھیاں بن چکی ہیں۔  
اور تعمیر کا مزید کام ہو رہا ہے۔ بہت سی نئی سرکاری عمارتیں بن رہی ہیں  
اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ پانچ سات سال میں اس کی ہیئت ہی بدل جائیگی

## جامع امویہ :

دمشق اموی خلفاء کا دار الحکومت رہا ہے اور ہر خلیفہ نے اپنے عہد  
میں اس کو ترقی دی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں ولید اول نے جامع امویہ  
بنوائی۔ یہ مسجد اپنی قدامت اور عظمت کے اعتبار سے دنیا کی مشہور ترین عمارت  
میں شمار ہوتی ہے۔ کہتے ہیں بارہ ہزار کاریگر ولید نے آٹھ برس کی مدت میں



کر ڈروں روپے کی لاگت سے یہ مسجد مکمل کی تھی۔ نمازیوں کا ہال ۳۳ میٹر  
 لمبا اور ۳ میٹر چوڑا ہے۔ اس مسجد کے تین مینار ہیں۔ ان میں سے مشرقی  
 مینار کے متعلق ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے: "یتزل عیسیٰ ابن مریم عند المناس المشرق دمشق"  
 یہ مینار ہمیشہ بند رہتا ہے۔ مسجد کے مغربی مینار کے متعلق بیان کیا جاتا ہے  
 کہ اس میں مدتوں حضرت امام غزالیؒ زُبدِ ریاضت میں مشغول رہے۔  
 ۱۸۵۳ء میں یہ مسجد جل گئی تھی تو سلطان عبدالحمید خان والٹے ترکمانے  
 آٹھ لاکھ روپے سے اس کی مرمت کرائی تھی۔ سنگ مرمر اور پتھر کی کاری نے  
 مسجد کی شان کو دوبالا کر رکھا ہے۔

یہ مسجد مدتوں سے عبادت گاہ چلی آتی ہے۔ اس کی ایک چھت کے  
 نیچے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مزار ہے۔

## حضرت یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند تھے  
 ان کی پیدائش کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بہت بوڑھے  
 ہو چکے تھے۔ اور کوئی اولاد نہ تھی۔ جب حضرت مریم علیہا السلام معتکف ہوئیں  
 تو آپ کے پاس قدرتِ خداوندی سے بے موسم پھل آتے تھے  
 جب حضرت زکریا علیہ السلام کو ان عطیاتِ خداوندی کا پتا چلا، تو آپ نے  
 خداوند پاک کی بارگاہ میں دعا کی۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ  
ترجمہ :- اسے میرے رب مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک  
تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔

جب حضرت زکریا نماز پڑھ رہے تھے تو اللہ کے حکم سے فرشتوں  
نے آپ کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خبر دی اور کہا کہ تیرا لڑکا  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کرے گا۔ اس پر حضرت زکریا  
نے کہا۔

”اے اللہ! میرے کیسے بچہ ہو سکتا ہے۔ جب  
کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں، اور میری بیوی بانجھ ہے“  
تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ  
”اللہ جو چاہے کر سکتا ہے“

قرآن مجید میں صرف اسی قدر ہے۔ مگر تورات میں ہے کہ یہودیوں  
نے ان کو قتل کر دیا۔

## حضرت ہود علیہ السلام :

حضرت ہود علیہ السلام کی قبر بھی اسی مسجد میں بتائی جاتی ہے۔ حضرت  
ہود، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قوم عاد کے لیے نبی مبعوث ہو کر  
دنیا میں تشریف لائے۔ تاکہ دنیا کے گمراہ انسانوں کو سید راستے پر لائیں  
لیکن قوم عاد نے نہ صرف یہ کہ ان کے وعظ و نصیحت کو نہ سنا۔ بلکہ اللہ

ٹھٹھا مذاق کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ یہ بھی خوب ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اور پھر اس شرف کے لیے تم ہی رہ گئے تھے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم تمہارے کہنے سے ان بتوں کی پوجا چھوڑ دیں جن کو ہمارے آباؤ اجداد بتوں سے پوجتے چلے آ رہے ہیں حضرت ہو وہ علیہ السلام نے ان کو خبردار کیا۔ کہ اگر تم نے خدا کا راستہ اختیار نہ کیا۔ تو تم پر شدید عذاب نازل ہو گا۔ اس پر یہودی کی قوم نے کہا کہ یہ جو روز روز تو ہمیں عذاب سے ڈراتا ہے جا اپنے خدا سے کہہ کہ ہم پر عذاب نازل کرنے میں ہرگز دیر نہ کرے۔

اس پر عسرت خداوندی جوش میں آئی۔ آسمان پر بادل نمودار ہوا جس نے بعد میں ایک خوفناک عذاب کی صورت اختیار کر لی اور قوم عاد کے تمام سرکش لوگ اس عذاب کی نذر ہو گئے۔

عیسائی اور یہودی بھی اس مسجد کی زیارت کے لیے بکثرت آتے ہیں مسجد میں ایک کمرے کے متعلق بتایا گیا کہ اس میں خاندان اہل بیت کو کوفہ سے لاکر رکھا گیا تھا۔ اس جگہ حضرت زین العابدین کا مصلیٰ بھی بنا ہوا ہے۔

ایک جگہ کے متعلق بیان کیا گیا کہ یہاں حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک رکھا گیا تھا۔

سلطان ناصر الدین محمود :

اسی طاق کے نیچے سلطان ناصر الدین محمود کا مزار ہے اور ایک اطاری

کے متعلق بتایا گیا کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال رکھے ہوئے ہیں۔ زائرین ہر جگہ نوافل ادا کرتے ہیں۔ اس مسجد میں ایک گنواں بھی ہے۔ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس کو حضرت خضر علیہ السلام نے کھدوایا تھا۔ قریب ہی ایک شراب میں یزید کے دربار کی جگہ بتائی جاتی ہے۔

## غازی صلاح الدینؒ

مسجد امویہ کے غزنی دروازہ کے قریب تاریخ اسلام کے بہت ٹبے سلطان اور مجاہد غازی صلاح الدین علیہ الرحمۃ کا مزار ہے۔ یہ مزار سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ مزار پر سلطان کی تصویر بھی رکھی ہوئی ہے۔

غازی صلاح الدینؒ وہی جوان ہمت اور مرد مجاہد تھے جنہوں نے ایوبی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اور عیسائیوں کی مذہبی جنگوں میں انگلستان کے شیردل بادشاہ رچرڈ کو شکست فاش دی۔ دمشق اور بیت المقدس کے عیسائیوں کو جو آرام و آسائش اس سلطان نے مہیا کیا اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ سلطان کی شرافت نفس ہی کا نتیجہ ہے کہ اگرچہ اس نے محنون عیسائیوں سے کٹی لڑائیاں کیں، مگر آج تک انگریز مورخ بھی اس کا نام عزت و توقیر سے لیتے ہیں اور اسے "شرف دشمن" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سلطان کی وسیع قلبی اور شرافت کا یہ عالم تھا کہ ایام جنگ میں جب اس کو علم ہوا کہ رچرڈ شاہ انگلستان کا گھوڑا مر گیا ہے تو اس نے

ازراہ مروّت اپنا گھوڑا بھیج دیا۔ اور جو عیسائی اپنا ہتھیار ادا کرنے سے قاصر تھے، اُن کا ہتھیار اپنی جیب سے ادا کیا۔

اسی قبہ میں دوسرے مشہور مجاہد عماد الدین زنگی کا مزار ہے۔ یہ وہ مروجہ مجاہد ہیں جنہوں نے اُس وقت اسلامی سلطنت کو عیسائی یورپس سے بچایا۔ جب عیسائی ویوانوں کی طرح اسلامی سلطنت پر حملہ کرے تھے اور اسلامی حکومتیں اپنے نفاق کی وجہ سے آپس میں دست و گریباں ہو رہی تھیں اسی سلطان کے نقش قدم پر چل کر سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو عیسائی اثر سے آزاد کرایا۔

اس چھوٹے سے احاطہ میں دو تین ترک آرام فرما رہے ہیں جو ۱۹۱۷ء میں ایک ہوائی جہاز کے حادثے میں شہید ہو گئے تھے۔ اُن کے نام انگریزی زبان میں سنگ مرمر کی ہل پر کندہ ہیں۔

## قید خانہ اہل بیت

یہاں سے قریب ہی ایک مکان ہے، جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں اہل بیت کو قید رکھا گیا تھا۔ اس لیے یہ مکان "قید خانہ اہل بیت" کے نام سے موسوم ہے۔ اس جگہ حضرت رقیہ بنت حضرت علی کم اللہ وجہہ کا مزار ہے۔ بعض لوگ یہاں حضرت امام حسینؑ کا مزار بھی بتاتے ہیں۔ بہر کیف ہم نے فاتحہ پڑھی۔ اب اس جگہ فلسطین کے مہاجر رہتے ہیں۔ اس قید خانے میں صلاب بن محمد جمال دین دفن بتائے جاتے ہیں۔ یہ

عیسائی تھے۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے یزید کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے دندان مبارک پر چھڑی مارنے سے روکا تھا۔ اس پر یزید نے ان کا بھی سر قلم کر دیا تھا۔ اس قید خانے میں وہ جگہ بھی دکھائی گئی جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں امام زین العابدین نے چالیس یوم تک نماز پڑھی تھی۔ ایک جگہ پر دکھایا گیا ہے کہ یہاں حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو رکھا گیا تھا۔ اس جگہ تاریخ درج ہے۔ اس کے قریب ہی بازار شام اپنی قدامت کے ساتھ موجود ہے۔ جس میں یزید نے اہل بیت کو قیدی بنا کر گزارا تھا۔ قید خانے کی نشانی اب تک بڑے بڑے پتھروں کی صورت میں موجود ہے۔ اس جگہ اب ایک شارع عام ہے۔

## حضرت ابوہریرہؓ:

حمید یہ بازار میں حضرت ابوہریرہؓ کا مزار ایک پرانی سی عمارت میں ہے۔ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے۔ آپ سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔

## یزید کے محللات:

مسجد امویہ کے قریب ہی یزید کے محللات کے کھنڈرات ہیں جو چشم بصیرت کے لیے صد ہزار سامان عبرت لیے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر بے اختیار یہ مصرعہ زبان پر آ گیا۔

ہمٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے

## زینب بنت علیؓ

شہر سے دس کیلو میٹر کے فاصلے پر حضرت زینب بنت علیؓ کا شاندار قبہ ہے۔ چاندی کا کام ہو رہا ہے۔ سونے کا ایک تاج بھی رکھا ہوا ہے۔ ایران والے صرف کثیر سے کالج کا کام کر رہے ہیں۔ حضرت زینبؓ ایران اہل بیت میں شامل تھیں۔ مگر دل آزاد تھا۔ کوفہ میں ابن زیاد اور مشق میں یزید کے سامنے جس ججرات اور حق گوئی سے باتیں کیں، اس سے ان کی ججرات ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے۔

## حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ

باب الصغیر کے قبرستان میں مجاہد ملت اور فاتح شام حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کا مزار ہے۔ تاریخ اسلام میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی جنگی خدمات و فتوحات قابل تعریف ہیں۔ بیت المقدس کی لڑائی میں جب خلیفہ دوم امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت خالد بن ولید کو معزول کیا تو یہی ان کی جگہ اسلامی افواج کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ اس موقع پر عیسائی راہبوں نے مطالبہ کیا کہ آپ اپنے خلیفہ کو یہاں بلائیں حضرت عمر فاروقؓ آپ کی دعوت پر بیت المقدس تشریف لے گئے۔ پچھانچہ عیسائیوں نے بغیر لڑے بیت المقدس کی کنجیاں آپ کے حملے کو دیں

فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو بھی ایک غیر  
منج دستہ کا سردار مقرر کیا تھا۔

## سیدنا بلال حبشی :

قبۃ میں داخل ہو کر ان کے مزار تک جانے کے لیے چند سیڑھیاں نیچے  
اُترنی پڑتی ہیں۔ قبر پر سبز رنگ کے غلاف پر قرآن مجید کی آیات لکھی ہوئی  
ہیں۔ سرہانے کی طرف ایک بڑھی بنا کر اس پر ایک بندھا ہوا سبز عمامہ رکھا  
ہوا ہے۔ ایسے عمامے یہاں اکثر بزرگوں کے مزارات پر دیکھنے میں آتے۔  
حضرت بلال حبشی غلام تھے۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا۔ تو آپ کا  
مالک آپ کو سخت تکلیفیں دیتا تھا۔ کفار گرم ریت پر لٹا کر چھاتی پر بھاری  
پتھر رکھ دیتے۔ گرم کونلوں پر لٹاتے تھے۔ مگر آپ تکلیف سے کراہنے  
کی بجائے خدا کا شکر ادا کیا کرتے تھے۔ آخر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ  
نے آپ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ صحابہ میں آپ کا بہت بلند مرتبہ ہے۔ آپ  
مؤذن رسول تھے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ  
نے اذان نہ کہی۔

## حضرت عبداللہ بن جعفر طیار :

آپ کی پابنتی میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیار آرام فرمائیں۔ یہ  
وہی حضرت جعفر طیار ہیں۔ جنہوں نے شاہ بخاشی کے سامنے اسلام کی



خوبیوں کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا تھا۔

حضرت سعید بن خالد بن ولید :

حضرت سعید بن خالد بن ولید کا مزار بھی یہاں ہے۔

حضرت معاویہ بن ابوسفیان :

امیر معاویہ ابوسفیان کے بیٹے تھے، جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور بعد میں کاتب وحی بھی رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں آپ ایک فوجی دستہ کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ اور ایسی شاندار خدمات سرانجام دیں کہ لوگ امویوں کی اسلام دشمنی کو بھول گئے۔ دمشق کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو دمشق کا گورنر مقرر کر دیا اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں یہ سارے ملک شام کے والی مقرر ہوئے۔ حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے امیر معاویہؓ کو شام کی گورنری سے معزول کر دیا۔ مگر انھوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت علیؓ اور معاویہؓ میں صفین کے مقام پر جنگ ہوئی۔ آخر معاویہؓ نے شام کے سپرد ہوا۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا اور امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ ان کے جانشین مقرر ہوئے تو امیر معاویہؓ نے عراق پر حملہ کر دیا۔ مگر امام حسنؓ نے مسلمانوں میں

خونریزی کو ناپسند کیا۔ اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ صرف خارجیوں نے امیر معاویہ کی اطاعت قبول نہ کی۔ اور باقی تمام عالم اسلام کے وہ خلیفہ مقرر ہو گئے۔ امیر معاویہ نے یزید کو اپنا جانشین بنا کر اسلام میں پہلی مرتبہ شہنشاہی کی بنیاد رکھی اور اسی کا نتیجہ جنگِ کربلا ہے۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں مسلمانوں کو بڑی بڑی فتوحات نصیب ہوئیں۔ سب سے پہلے اُغھوں نے بحری بیڑا تیار کیا۔ اور رومیوں کو کئی معرکوں میں شکست دی۔ ان کے زمانہ خلافت میں مسلمان یلغار کرتے ہوئے سندھ، ترکستان، شمالی افریقہ اور قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔

آج انھی امیر معاویہ کا مزار عبرت اور بے ثباتی عالم کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ باب الصغیر کو جاتے ہوئے بائیں جانب قبرستان میں آپ کا قبہ ہے۔ چھت گرنے کے قریب ہے۔

سیدنا حفیظہ بنت سیدنا ابوبکرؓ اور زیان بن عثمان کے قبے بھی یہیں پر ہیں۔ یہیں فضہ کنیز سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مزار ہے۔

حضرت عبداللہ ابن امام زین العابدین، سیدتنا فاطمہ الصغریٰ سیدتنا سکینہ بنات حضرت امام حسینؓ ام کلثوم بنت حضرت امام حسینؓ کے مزارات بھی اسی جگہ ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ ابن امام مکتوم کا مزار بھی یہیں ہے جو صحابی تھے۔ اور جن کے متعلق قرآن حکیم میں یہ آیت عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اَنْ جَلَكَ الرَّاعِيْنَ نَازِلٌ هُوَ لِيُحْيِيَ خَٰنِدَانَ بِنُوْتِ

کے کئی اور افراد اور شہداء کے مزارات بھی اسی جگہ ہیں۔ اہل صفہ میں سے  
حضرت اوس بن اوس ثقفی کا مزار اسی جگہ ایک قبۃ میں ہے۔ حضرت  
ذوالنون مصریٰ کا مزار بھی خستہ حالت میں یہاں موجود ہے۔

## مزید :

یزید جس کے نام کے ساتھ واقعہ کربلا اور اہل بیت پر ظلم و ستم کی  
یاد تازہ ہو جاتی ہے، یہاں ایک قبرستان کے کنارے پر مدفون تھا۔  
جہاں لوگ اکثر خشت باری کیا کرتے تھے۔ زراں بعد اس جگہ ایک شخص نے  
کاغچ گھلانے کی بھٹی لگائی۔ اب بڑے بڑے درختوں کے تنے یہاں  
پڑے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن سے بہت سی احادیث مروی ہیں  
حضرت اُبی ابن کعب انصاری۔ مقتاد بن اسود۔ حضرت ضرار بن ازور جو  
بڑے بہادر اور مجاہد تھے اور حضرت سیف اللہ کے ساتھ بہت سے  
مہرکوں میں شریک ہوئے تھے۔ اور جن کی بہن حضرت خولہ نے ایک موقع  
پر خیموں کی چوبلوں سے رومیوں کے منہ موڑ دینے تھے۔ ان کے مزارات  
بھی اس قبرستان میں ہیں۔ شیخ ارسلان دمشقی کا مزار قبرستان باب موما  
میں ہے۔ قریب ہی ان کے شیخ کا مزار ہے۔ حضرت ضرار کی بہادر بہن  
حضرت خولہ بنت ازور کا مزار شہر کی مشرقی طرف ہے۔ تاریخ اسلام میں  
ان کی بہادری اور جرأت کے کئی قصے مرقوم ہیں۔ ایک موقع پر جب ضرار

رُٹتے ہوئے رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ تو حضرت خولہ اپنے بھائی کو چھڑانے کے لیے تیار ہو گئیں۔ اُن کی جرات دہادری کو دیکھ کر حضرت خالدؓ نے ایک فوجی دستہ اُن کے ہمراہ کر دیا۔ جس نے اسے حضرت ضرارؓ کو روکیا۔ لیکن آپ بھی اپنے فوجی دستے کو لے کر وہاں پہنچ گئیں اور رومیوں پر حملہ کر کے اپنے بھائی کو چھڑا لائیں۔

## شیخ اکبر محمد الدین ابن العربی :

مشہور مسلمان فلاسفر شیخ اکبر محمد الدین ابن العربی کا مزار محلہ صالحیہ جبل تاسیون میں واقع ہے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اقبال نے مولانا روم کی راہنمائی میں جو مختلف سیارگان کا سفر لکھا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا تخیل انہوں نے ابن عربی سے ہی لیا ہے۔

## حضرت عبد الغنی نابلسی :

حضرت عبد الغنی نابلسی کا مزار بھی قریب ہی ہے۔ آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بڑے صاحب کمالات بزرگ تھے۔ ۱۱۳۰ھ میں فوت ہوئے۔

## شیخ محمد المعروف بابا کردی :

حضرت شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ المعروف بابا کردی کا مزار ساڑھے سات سو برس پرانا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا منہ، زبان، ناک، کان، دانت

اور بال بجنسہ قائم ہیں۔ مزار میں پانٹنی کی طرف بجلی کا بلب لگا ہوا ہے جسے روشن کر کے مجاور ایک ننگا پاؤں دکھاتے ہیں۔ استغفر اللہ۔ اس سائنس کے زمانے میں بھی پیشہ ور مجاور عوام کو یہ قوت بنانے سے نہیں چوکتے۔

عزوة بدر کے مشہور صحابی حضرت مقداد ابن اسود کندیؓ علمدار سر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس بن بردوسؓ و سلمی سیدنا الہدوروا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں دمشق کے تاصنی تھے، علامہ ابن قیم جوزی حافظ حدیث اور شیخ ابراہیم بن یلیمان جو بڑے زبردست عالم تھے، یہ رب دمشق میں ہی آرام فرما ہیں۔

### حضرت وحیۃ الکلبیؓ:

سیدنا حضرت وحیۃ الکلبیؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور حضرت جبرائیلؑ اکثر ان کی شبیہ میں وحی لایا کرتے تھے، ان کا مزار دمشق سے دو میل دُور مغرب کی طرف ہے۔

### حضرت ابو مسلم خولانیؓ:

حضرت ابو مسلم خولانیؓ ایک موضع دار الکبریٰ میں آرام فرما ہیں۔ ابو بن عنسی کذاب نے انھیں آگ میں ڈال دیا تھا۔ مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے

نے آپ سے بغل گیر ہوتے ہوئے فرمایا تھا کہ آج میں ایسے شخص سے مل رہا ہوں جس کے ساتھ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سا سلوک کیا گیا ہے۔  
 سارا دن کافی مصروفیت رہی۔ شام کے قریب ہوٹل واپس آئے کھانا  
 کرایا، نماز پڑھی۔ تھکے ماندے تھے۔ لیٹتے ہی سو گئے۔  
 ارجون کو صبح ہی کاظم الہندی صاحب دعدہ تشریف لے آئے۔

## حضرت بایزید بطنطانیؒ:

حضرت بایزید بطنطانیؒ جو اولیائے کبار میں شمار ہوتے ہیں۔ شہر سے  
 بارہ میل کے فاصلے پر ان کا مزار ہے۔ وہاں پہنچے۔ آپ کا مزار ایک بلند  
 پہاڑی پر واقع ہے۔ میری اہلیہ اس پہاڑ پر نہ چڑھ سکتی تھیں۔ ان کے علاوہ  
 اصحاب کہف اور ہابیل و قابیل کے مقامات بھی دیکھنے تھے۔ جو پہاڑ پر  
 واقع ہیں۔ اس لیے نیچے ہی سے فاتحہ پڑھی

کاظم الہندی صاحب یہاں سے اپنے ہوٹل میں لے آئے۔ اور تقریباً  
 دو گھنٹے تک ہمیں انتظار میں رکھا۔ کہ دس بارہ بوہرہ حضرات کے ساتھ انہوں  
 نے دعدہ کر رکھا ہے۔ تقاضے کر کے رب کے لیے موٹریں آئیں۔ اب  
 کاظم الہندی صاحب نے ہم سے معذرت چاہی اور اپنے بڑے لڑکے کو  
 ہارا راہیر بنا دیا۔ چنانچہ ہم سب کے پہلے اصحاب کہف کے مقام پر گئے۔

## اصحاب کہف:

اصحاب کہف کا غار جبل تاسیون یا جبل صالحیہ پر ہے۔ جہاں تک موٹ

جاسکتا تھا گئے۔ چونکہ چڑھائی زیادہ تھی اس لیے میری اہلیہ موٹر میں ہی ٹھہریں۔ لیکن مجھے بچپن سے ہی اس مقام کو دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ میں قرآن کریم میں اللہ کے ان نیک بندوں کا ذکر پڑھتا تو سوچا کرتا کہ کبھی وہ وقت بھی آئے گا کہ میں اس مقام کو دیکھوں گا۔ چنانچہ چڑھائی کا خیال نہ کرتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے۔ جہاں غار ہے۔ یہ مساریۃ الدم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ غار ایک خاص مقام پر پہنچ کر بند ہو جاتا ہے۔ بیچ میں چند ایک جھرنے رکھے ہوئے ہیں جن میں موسم ہتی جلا کر صرت یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگے راستہ جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ان کے متعلق ایک سورۃ پندرہویں پارہ میں موجود ہے اس میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ کہف کا واقعہ دریافت کیا اس پر اللہ نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا۔

”ان کی تعداد کے متعلق عوام نے قیاسات کا ہی اظہار کیا ہے۔ تین پانچ اور آٹھ تک ان کی تعداد بیان کی جاتی ہے اور ان کے ساتھ ان کا ایک کتا بھی ہے۔ یہ عیسائی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے تھے۔ اس شہر کا حاکم بت پرست تھا۔ جب اس کو ان کے خیالات کا علم ہوا تو اس نے انہیں دربار میں طلب کیا اور انہیں بت پرستی پر مجبور کیا۔ مگر ان کو خدا پر کامل یقین تھا۔ اس لیے انہوں نے جرات سے جواب دیا کہ بت پرستی اختیار نہیں کریں گے۔ ہمارا خدا تو وہی ہے جو زمینوں اور آسمانوں کا مالک

ہے۔ اس پر اس بادشاہ نے انھیں غور و فکر کی مہلت دی۔ جب واپس آئے تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے نکل جائیں اور کسی غار میں جا کر پناہ لیں پچنانچہ وہ قریب ہی ایک غار میں چلے گئے۔ جہاں وہ اللہ کے حکم سے شمس مہینوں کے اعتبار سے تین سو سال اور قمری مہینوں کے لحاظ سے تین سو نو سال تک سوتے رہے۔ جب وہ جاگے تو انھوں نے ایک سے کہا کہ روپیہ لے کر شہر میں جائے اور کھانے پینے کی چیزیں لائے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ سموسے ہیں۔ جب یہ شخص پُرانا سکہ لے کر شہر میں آیا تو اہل شہر نے خیال کیا کہ اس کو شاید کوئی رفیقہ مل گیا ہے بادشاہ کو اس کی خبر ہوئی تو اُس نے اُس کو بلایا اور اُس کی باتیں سنیں۔ تو اُن لوگوں کو قیامت پر یقین آگیا۔ اِس کے بعد شہر والے کہنے لگے کہ غار کے پاس اُن کی یادگار میں ایک عمارت بنائی جائے اور اُن کے واقعات کے متعلق زیادہ پوچھ گچھ نہ کی جائے۔“

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

”اُن کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ جسم بالکل تندرست ہیں۔ اس لیے دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جاگتے ہیں۔ اور ہم انھیں دائیں بائیں کرتے دیتے رہتے ہیں۔ اور اُن کا گٹا دہلیز پر دو لون ہاتھ پھیلائے پڑا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص جھانک کر غار کے اندر دیکھے۔ تو دہشت زدہ ہو کر اُلٹے پاؤں بھاگ آئے۔“

بچپن میں دل چاہتا تھا کہ گیس و پیرہ کی روشنی اور چند ایک آدمیوں



کو ساتھ لے کر کیوں نہیں کوئی اندر جاسکتا۔ مگر یہاں پہنچ کر خدائی احکام کے سامنے زیادہ تحقیق و تجسس کی جرات نہ ہوئی۔

نہ ہر جائے مرکب تو اس تاشقن  
کہ جاہا سپر یا پید اندر اخیستہ !  
فاتحہ پڑھ کر لوٹ آئے۔

## مقام ہاہیل و قابیل :

یہاں سے دو تین میل کے فاصلے پر پہاڑ کی دوسری چوٹی ہے۔  
ہاں کیا جاتا ہے۔ کہ وہ مقام ہے جہاں قابیل نے اپنے بھائی ہاہیل کو  
قتل کیا تھا۔ بڑی اونچی چڑھا لیا ہے۔ سرم بعد الحی اور میں نے ایک دو  
جگہ دم لے کر بھاگم بھاگ یوں گھنٹے میں اس منزل کو طے کیا۔ اپنی اہلیہ  
کو میں نے نیچے سے ہی موٹر میں بٹھایا دیا تھا۔

## چالیس پیغمبروں کی زیارت گاہ :

یہاں چالیس پیغمبروں کی زیارت گاہ بھی بتائی جاتی ہے۔ جنہوں نے  
بھوک سے تڑپ تڑپ کر اپنی جانیں دے دی تھیں۔

## مقام اربعین :

ایک جگہ مقام اربعین کہلاتی ہے۔ اس کو چالیس ابدالوں کی جگہ بتاتے

ہیں۔ بتایا گیا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند  
سُورج اور ستاروں کے طلوع و غروب کو دیکھ کر توحید کا سبق حاصل کیا تھا۔  
اور فرمایا تھا کہ یہ رب نہیں ہو سکتے۔ قریب ہی ایک مقام بتایا جاتا ہے  
جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ یہاں حضرت نوح علیہ السلام  
کی عبادت گاہ دکھائی گئی ہے۔

گائیڈ اور وہاں کے چُجاور خُدا اُنھیں ہدایت دے، ایسی ایسی بعید اُذ  
قیاس حکایات اور روایات بیان کرتے ہیں کہ بعض اوقات منیٰ آتی ہے  
مثلاً۔

یہ پہاڑ ہابیل و قابیل کے اُس واقعہ قتل کے اثر سے گرنے لگا  
تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ہاتھ کے سہارے اسے گرنے سے روک  
لیا۔ غار کے اندر پہاڑ کی چھت پر ایک پنچے کا نشان نظر آتا ہے۔ رب کے  
پہلے گائیڈ نے اس جگہ کو چُما۔ اِس کے بعد اُن بوہرہ حضرات نے اِس جگہ کو  
ہاتھ لگا کر آنکھوں پر لگائے۔

دوسرا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اِس واقعہ سے پہاڑ اب تک دُور ہے  
اور یہ پہاڑ کی دو آنکھیں ہیں۔ چُنا پنچہ قریب ہی دو مختلف سوراخوں سے تھوڑے  
تھوڑے عرصے بعد پانی کے قطرے ٹپکتے رہتے ہیں۔ گائیڈ نے یہاں بھی  
پہلے اِس پانی کو اپنی آنکھوں پر ملا اور اِس کے بعد دُوسرے زائرین نے جن  
میں پانچ چھ عورتیں بھی تھیں۔ اِس پانی کو آنکھوں سے ملا۔ دراصل یہ پانی کسی  
پتھر کے ذریعے اِن سوراخوں میں آتا ہے۔

ایک جگہ پہاڑ کے دانت اور زبان دکھائی جاتی ہے۔ قریب ہی اس غار میں پتھروں نے ایسی شکل اختیار کر لی ہے کہ وہ زبان اور ایک طرف کا جہڑا معلوم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ روزِ قیامت جب اللہ تعالیٰ اس آدھیں قتل انسانی کے متعلق دریافت فرمائیں گے تو یہ پہاڑ اپنی اس زبان کے ذریعہ گواہی دے گا کہ ہاں اے رب العزت قابیل نے اس جگہ میرے سامنے ہابیل کو قتل کیا تھا۔ وَ قَسَّ عَلٰی هٰذَا۔۔ ع

بیلے می گوید دو یوان باوردی کند

مشق کی خوب حجامی بھر کر سیر ہوئی۔ تاریخی مقامات اور بازار دیکھ لیے کل بیت المقدس جانے کے لیے ایک موٹر کی فرمائش کی کہ صبح ساڑھے چار بجے نماز کے ساتھ ہی ہمیں ہوٹل سے لے لے۔

گھر سے روانگی کے وقت تو یہ خیال تھا کہ کام دھندوں سے قد سے فراغت پا کر اطمینان سے سیرِ سیاحت کریں گے، لیکن یہاں یہ صورت سے کہ جیسے ایک زبردست مہم درپیش ہے، جن کے سر کرنے کے لیے شہاد روز بھاگ دوڑ ہو رہی ہے۔

# بیت المقدس

بحیرہ مُردار :

۱۲ جون کو دمشق سے موٹر پر بیت المقدس کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں بحیرہ مُردار کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کا پانی بے انتہا کڑوا اور تلخ ہے۔ جس کے باعث اس میں نہ تو پھلی اور نہ کوئی جاندار زندہ رہ سکتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی چیز اس میں ڈوب سکتی ہے۔ طُورخ آفتاب کے وقت یہاں کا نظارہ بہت عجیب اور دلکش ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اس کے پانی میں مستعد و بار غسل کرنے سے بہت سی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ جس وقت ہم پہنچے، چھپلاتی دھوپ تھی اور آئندہ کا سفر درپیش اس لیے غسل نہ کر کے ایک ہوٹل سے پیسی کو لے کی ٹھنڈی بوتلوں سے پیاس کی شدت کو قدرے دور کیا۔ بحیرہ مُردار کے اس پانی سے پوٹاس اور نمک تیار کیا جاتا ہے۔ یہاں اس کے کارخانے قائم ہیں۔

عمان :

اس سے آگے بڑھے، تو شرقِ اردن کے دار الحکومت عمان کو دیکھنے

کا موقع ملا۔ شرق اُردن کے نوجوان والی ہاشمی خاندان سے ہیں اور پچھلے دنوں پاکستان بھی تشریف لائے تھے۔ عمان بڑا پرانا بارونٹ اور تجارتی شہر ہے۔ موٹریں اس کثرت سے بھتیں کہ چار چار لائنوں میں بھی نصف میل تک نہ سمائی بھتیں۔ ٹریفک کا نہایت اچھا انتظام ہے۔ ڈینا بھر کی چیزوں سے جو کالیں آراستہ ہیں۔ میوسے اور سبز یوں کی بہتات ہے۔ راستہ میں کسٹم کی چوکی سے ایک افسر عمان جانے والے تھے۔ ہم نے ان کو ساتھ ہی سوار کر لیا۔ راجیس کی معیت میں عمان کی سیر کی اور پھیل خرید میں آسانی رہی۔

عمان بیت المقدس سے ۱۰۶ کیلومیٹر شمال مشرق کی طرف ہے۔ یہاں یونانی، رومن اور عرب تہذیب کے آثار بکثرت ملتے ہیں۔ ابھی تک یہاں رومنوں کا بنایا ہوا تھیٹر اچھی حالت میں ہے۔ جس میں تقریباً پانچ ہزار مٹاشانی بیٹھ سکتے ہیں۔ کئی کالج مدرسے اور ہسپتال ہیں۔

## مزارِ حضرت موسیٰ علیہ السلام :

بیت المقدس سے پچیس میل دور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزار بتایا جاتا ہے۔ یہاں فاتحہ پڑھی حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ قرآن مجید میں ان کا کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ بنی اسرائیل مصر میں بڑی ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مصر کے بادشاہ فرعون کو نوجویوں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک لڑکا تیری

حکومت اور سلطنت کا خاتمہ کرے گا۔ چنانچہ فرعون نے بنی اسرائیل کی اولادِ نرینہ کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ نے ان کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا۔ یہ دریا فرعون کے باغ میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ فرعون کی بیوی نے صندوق نکلوایا اور ایک حسین بچہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اگرچہ فرعون نے ان کو قتل کرنے کا کئی بار ارادہ کیا مگر خدا کی قدرت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دشمن کے گھر میں ہی پل کر جوان ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل پر فرعون کی قوم (قبیلے) کے مطالبہ دیکھ کر بہت کڑھتے۔ ایک دن آپ نے دیکھا کہ ایک قبیلے ایک اسرائیلی کو پیٹ رہا ہے۔ آپ نے اُسے منع کیا۔ مگر وہ باز نہ آیا۔ اس پر آپ نے غصہ میں اُسے ایسا گھونہ دیا۔ کہ وہ وہیں جان بحق ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد آپ نے اس اسرائیلی کو ایک اور قبیلے سے اُلجھتے ہوئے دیکھا۔ تو آپ سمجھانے کے لیے اُس کی طرف بڑھے۔ وہ سمجھا کہ شاید مجھے مارنے آئے ہیں۔ اُس نے چلا کر کہا۔ "موسیٰ! پہلے تم نے ایک قبیلے کو جان سے مار دیا۔ اب مجھے مارنے کا ارادہ ہے۔" اس طرح قبیلے کے مارنے کا راز کھل گیا اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دے دیا آپ وہاں سے مدینا چلے گئے۔ یہاں دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چراتے رہے۔ جنہوں نے کچھ عرصہ بعد اپنی بیٹی کی شادی آپ سے کر دی۔

ایک رات حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈور نکل گئے۔ اسی بھٹا تھا  
 بھٹیں اور سر دی غضب کی تھی۔ آگ کی تلاش ہوئی، تو دور ایک  
 پہاڑ پر روشنی نظر آئی۔ آپ نے پیوی کو وہاں چھوڑا اور آگ کی تلاش  
 میں اُس روشنی کی طرف چل دیے۔ آگے بڑھے تو ندا آئی۔ "موسیٰ اپنے  
 جوتے اتار دو۔" یہ خدا کی آواز تھی۔ چونکہ آپ براہِ راست خداوندِ کریم  
 سے باتیں کیا کرتے تھے، اسی لیے آپ کو کلیم اللہ کہتے ہیں۔

یہیں آپ کو اور آپ کی سفارش پر آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام  
 کو پیغمبری ملی۔ اور آپ کو یدِ بیضا اور لاکھی سے اثر دہا پننے کے معجزے  
 عطا ہوئے۔ اب آپ خدا کے حکم سے فرعون کے پاس آئے کہ اُسے نیکی  
 اور ہدایت کا راستہ دکھائیں۔ لیکن وہ کب ماننے والا تھا۔ آخر بہت  
 سے مُقابلے ہوئے۔ جن میں موسیٰ علیہ السلام کامیاب رہے اور  
 بہت سے لوگ اُن پر اور خدا سے واحد پر ایمان لے آئے۔

اس پر بھی جب فرعون کے مظالم کم نہ ہوئے، تو آپ اپنی قوم  
 کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ فرعون کو جب پتا چلا  
 تو وہ بھی ایک زبردست شکر لے کر ان کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ دنیا  
 نیل پر یا بحیرہ قلزم پر بنی اسرائیل نے فرعون کی فوج کو آتے دیکھا  
 تو وہ بہت گھبرائے۔ حضرت موسیٰ نے اُن کو تسلی دی۔ خدا کے  
 حکم سے سمندر کے پانی میں راستہ بن گیا۔ اور تمام بنی اسرائیل دریائے  
 پار اتر گئے۔ جب فرعون اور اُس کی فوج پانی میں اُترے، تو وہ سب

کے سب عرق ہو گئے

بنی اسرائیل نہایت ہی ناشکرے تھے۔ آسمان سے اُن کے لیے  
من و سلویٰ اُترا۔ تو یہ پیاز و لہسن مانگنے لگے۔ پانی کے لیے اللہ نے ان  
کے لیے بارہ چشمے جاری فرما دیئے۔ لیکن ان کی یہ کیفیت تھی کہ جب  
کوئی عذاب ان کے سر پر منڈلانے لگتا۔ تو موسیٰ علیہ السلام کے خدا  
کو ماننے لگتے۔ اور جب وہ عذاب ٹل جاتا تو پھر بائنی ہو جاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس مزار کے متعلق اختلاف ہے  
کہا جاتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حدیث شریف و مؤثر  
عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهُوَ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ عِنْدَ الْكَيْبِ الْأَحْمَرِ اور فلسطین  
کے سیاسی حالات کے پیش نظر یہ روضہ بنوایا تھا۔ یہاں ہر سال  
عظیم الشان میلہ اور عرس ہوتا ہے جس کے مصارف سلطان موصون  
کے اوقاف سے پورے کیے جاتے ہیں۔

بیت المقدس

۳۲۵ کیلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے عصر کے قریب ہم دمشق سے  
بیت المقدس پہنچ گئے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں  
خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَسْتَعِينُ الَّذِي إِسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لِيَمْلَأَ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
الْحِجَابَ الْمُشْرِقِ الْأَقْصَىٰ الَّذِي بَنَوْا حَوْلَهُ كِبْرًا مِنْ أَيْتَانَا



اِنَّهُ هُوَ الْمَسِيحُ الْبَصِيْرُ۔ یعنی اللہ ہر نقص و عیب سے پاک ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سال ہجرت سے پہلے ایک رات جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس مقام حجر میں آرام فرما رہے تھے اور بیداری کی حالت میں تھے۔ براق پر سوار کر کے مسجد حرام سے بیت المقدس تک جس میں اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی برکات و سرسبزیاں، ثنایاں اور انبیاء کا مسکن اور مدفن ہوتا وغیرہ رکھی ہیں۔ آپ کو اپنی قدرت کاملہ کے کچھ نشان (مثلاً رات کے چند لمحوں میں اتنی طویل مسافت طے کر کے مکہ سے بیت المقدس تک جانا اور انبیاء کی ارواح کا دیکھنا اور ان کو نماز پڑھانا اور وہاں سے سیدۃ اہل بیت تک مسجد مبارک کے ساتھ معراج اور مکالمہ الہی سے مشرف ہونا وغیرہ خوارق) دکھانے کو سیر کرانی۔ بلاشبہ اسے ہر طرح کی قدرت ہے۔ وہی سب کچھ سُننا اور دیکھتا ہے۔

اور یہ وہی مقدس سرزمین ہے کہ جب بنی اسرائیل اس میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں حکم ہوا کہ جب تم داخل ہو تو سجدہ کرتے ہوئے اور جھٹت (معاف کر) کہتے ہوئے جاؤ۔ اور خداوند کریم نے اُن سے وعدہ کیا کہ اُن کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ نعمتیں عطا کی جائیں گی۔ (تسہیل القرآن) یہیں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسحاق، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ مدفون ہیں۔ یہیں حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسجد تعمیر کی۔ حدیث: صَفْرَةَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ

مِنْ مَحْضَرِ الْجَنَّةِ اِسی جنتی پتھر کی نسبت ہے جو اس پاک زمین پر  
 موجود ہے۔ یہی وہ مقدس مقام ہے۔ جہاں ہزاروں سال تک لاتعداد  
 انبیاء کرام مبعوث ہوئے۔ اور یہی وہ مقام متبرک ہے۔ جو ہجرت  
 کے سترہ ماہ تک مسلمانوں کا قبلہ رہا۔ مجھے بچپن کا ایک واقعہ یاد ہے  
 کہ والد مرحوم و معزز کے ہاں چند علم دوست اجاب جمع تھے۔ اور آغا  
 حشر کاشمیری اپنا کلام سنارہے تھے جس میں ایک مصرعہ یہ تھا۔ ع  
 ایسا حجاب تھا کہ ہمیں رستے تھے

اِس خطہ پاک پر ذاتی اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی بارش فرمائی ہے  
 بیت المقدس میں اگرچہ کئی بڑے بڑے انگریزی طرز کے ہوٹل  
 موجود ہیں۔ لیکن لاہور سے چلتے وقت حاجی خادم حسین صاحب پیرپرچٹ  
 نے بتایا تھا۔ کہ یہاں زاویہ ہندی کے نام سے شیخ ناظر الحسن صاحب  
 انصاری نے ایک جگہ بنائی ہوئی ہے۔ وہ خود تو دنات پانچکے ہیں  
 لیکن ان کی بیوہ مریم زائرین کو زیارات وغیرہ کراتی ہیں۔ چنانچہ موٹر  
 سے اترے تو یہی مقام سامنے نظر پڑا۔ تیلیوں سے سامان اٹھوا کر وہاں  
 پہنچے۔ بی بی مریم صاحبہ موجود نہ تھیں۔ شیخ ناظر الحسن صاحب مرحوم کے  
 نوجوان صاحبزادے اور مریم بی بی کے سوتیلے شادی شدہ بیٹے بڑے  
 انتظار اور تقاضوں کے بعد اپنی حرم سرا سے نکلے۔ بڑے مزاج دار قسم  
 کے نوجوان ہیں۔ کئی بار کوئی بات دریافت کی جائے۔ تو بے رنجی سے  
 اوصوہ اساجواب دے دیتے۔ سامان اچھا تھا۔ نہ پائے رفتن، نہ جلنے

ماندن۔ مجبوراً یہیں ایک کمرہ کے کر ع غسل سے فارغ ہو کر مسجد اقصیٰ جہا پہنچے  
 عصر کی نماز ہو چکی تھی اور نماز مغرب میں ابھی کافی وقت تھا۔ اس  
 لیے اوراد و وظائف شروع کر دیے مغرب کی نماز میں شریک ہوئے تو دو  
 رکعت پڑھ کر سلام پھیر لیا۔ جب جماعت ہو چکی تو لوگوں نے بتایا کہ نماز مغرب  
 میں خواہ مسافر ہو پوری تین رکعتیں پڑھی جاتی ہیں قصر نہیں ہوتی اور مقتدی  
 کو تو امام کی متابعت میں ہر نماز ہی پوری پڑھنی پڑتی ہے۔ لاکھوں دلائل ایک  
 مولوی باب کے بیٹے ہوتے ہوئے۔ بے خبری کا بیہ عالم۔ کھسیا نے ہو کر  
 دوبارہ تین رکعتیں ادا کیں۔ یہی صورت میری اہلیہ کے ساتھ پیش آئی۔  
 عشاء کی نماز کے لیے یہیں بیٹھے رہے اور پاس ہی صخرہ شریف  
 کے قریب باجماعت نماز ادا کی۔ عبدالحی میرے ساتھ تھا بیت اور رکعت  
 کی بات دھی تھی۔ لیکن مغرب کا واقعہ ابھی تازہ تھا اور یہ مسئلہ سن چکے تھے  
 کہ مسافر کیلا نماز پڑھے تو قصر ہے۔ اگر مقتیم امام کا مقتدی ہو تو اسے امام  
 کی متابعت میں پوری نماز پڑھنی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم نے چاروں رکعتیں  
 ادا کیں اور اس کے بعد نوافل پڑھتے رہے۔ جب واپس ہوئے تو  
 راست کافی ہو چکی تھی۔ اتفاقاً ایک ہوٹل کھلا تھا۔ مگر بند ہونے کے  
 قریب وہیں تکے، کباب اور وہی سے شکم پروری کی اور زاویہ میں  
 آکر سو رہے۔

میں جوانی ہی سے ساڑھے چار یا پانچ گھنٹے سے زیادہ سونے کا  
 عادی نہیں ہوں علیٰ اربع اکھ کر مسجد اقصیٰ میں چلا گیا۔ یہاں کے وقت

۵  
 احمد علی اور محمد علی  
 نے خزانہ میں لکھا ہے  
 صفحہ ۱۵۸/۱۶  
 ۹/۱۶

میں لاہور سے چار گھنٹے کا فرق ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر زاویہ میں آ کر  
وہیں کے ایک ملازم سے چائے منگوائی۔

تھوڑی دیر کے بعد بی بی مریم صاحبہ تشریف لے آئیں۔ پنیٹا لیس  
سال کے لگ بھگ عمر۔ بڑی ہوشمند اور نیک خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ انہوں  
نے ہمیں بتایا کہ بیس برس ہوئے ہیں۔ صوبہ سرحد کے اپنے بھائیوں اور ایک  
بھادج سمیت حج کے ارادے سے پہلے بیت المقدس آئی۔ یہاں پہنچ کر  
میرانا کتھڈا نوجوان بھائی جس کی عمر بیس برس کے قریب تھی اچانک بیمار  
ہو کر وفات پا گیا۔ کچھ اس حد سے اور کچھ میری بھادج کے ہاں بچہ ہونے  
کے خیال سے یہاں کا قیام طویل ہو گیا۔ ہم لوگ اسی زاویہ میں تھے۔ جس  
روز میں یہاں پہنچی، ایسے معلوم ہوا کہ جیسے میرے سر پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ  
پڑا ہے۔ پانچ چھ ماہ گزرے تھے کہ شیخ ناظر الحسن صاحب انصاری کی بیوی  
جن کی اپنے خاوند سے اکثر ناچاقی رہتی تھی، بچوں کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں  
کے ہاں جا چکی تھی۔ شیخ صاحب نے میرے بھائی سے میری نسبت بات  
پچیت کی۔ اور سے

آسماں بارِ امانت نتوانت کشید

قرۃِ نالِ بنام من دیوانہ زوند

ان کی زوجیت میں مجھے بھی وہی مزوری اختیار کرنی پڑی۔ ہم دونوں

نے جو کما پایا، اس زاویہ کی تعمیر میں لگا دیا۔ یہ جگہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ  
اللہ علیہ کی چٹ گاہ ہے۔ اب ان کمروں وغیرہ کی آمدنی میرے سوتیلے لڑکے

شیخ نمینر کے پاس ہی رہتا ہے۔ میرے حقیقی دو لڑکے بچتر چودہ اور پانچ برس اور دو لڑکیاں بچتر دس اور بارہ سال موجود ہیں۔ مصیبت میں کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ آٹے دن بنت نئے لوگوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ بس دن کاٹ رہی ہوں۔

پنجاب سے کچھ بوڑھی عورتیں دو ماہ سفر کر کے کوئٹہ اور بلوچستان سے ریل کے ذریعے اور وہاں سے بول اور لاریوں کے راستے بیت المقدس آئی ہوئی ہیں۔ یہ گھر سے حج کے ارادے سے نکلی ہوئی ہیں۔ ایک تو گوجرانوالہ کی بیوہ ہیں، جن کے ساتھ ان کی ایک خادمہ اور نابینا حافظہ قرآن خاتون ہیں۔ چھٹیں تمام عمر زیارات اور حج بیت اللہ کا اشتیاق رہا۔ باقی چھ اور بڑی عسرت کی حالت میں مانگتی کھاتی اور پاکستان کا نام بدنام کر رہی ہیں خدا جانے انھیں پاپورٹ کس طرح سے مل جاتے ہیں۔ غرض یہ تافذ بھی ہمارے ساتھ ہی تاریخی مقامات کی سیر کے لیے چل دیا۔

## مزار حضرت مریم علیہا السلام :

بیت المقدس میں باب الالباط کے باہر تھوڑی دور ایک کلبہ میں حضرت مریم، والدہ محترمہ حضرت عیسیٰ کا مزار ہے۔ اِلهی کے مُتَعَلِقِ قُرْآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَرْيَمَ ابْنَتِ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَيْنَا فَرْجَهَا فَنفَخْنَا فِيهَا مِنْ مَّا وَجَدْنَا وَصَدَقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ۝ اور اہل ایمان کی دوسری

مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم بنت عمران کی بیان کی گئی ہے بچھنوں نے اپنی عصمت کو فواحش سے محفوظ رکھا۔ اور ہم نے حضرت جبرائیل کے ذریعے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ اور انھوں نے اللہ کے حکموں اور اس کی جملہ کتابوں کی تصدیق کی اور وہ بندگی کرنے والوں میں سے تھیں۔ (از تفسیر تہلیل القرآن)

یہ گر جا جس میں حضرت مریم آرام فرما ہیں۔ چوتھی صدی عیسوی میں شاہ قسطنطینہ کی والدہ ملکہ ہیلینا نے بنوایا تھا۔ بہت سی سیڑھیاں اتر کر اس تنگ و تاریک مقام پر موسم بستیوں کی روشنی سے جاتے ہیں۔ جہاں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی سونے چاندی کی بنی ہوئی نقویریں جگمگا رہی ہیں۔

حنہ والدہ حضرت مریم و عمران والدہ حضرت مریم :

سیڑھیاں اترتے ہی حضرت مریم کی والدہ حنہ اور ان کے والد عمران مدفون ہیں۔ بائیں ہاتھ یوسف بنجار کا دفن ہے بچھنوں نے حضرت عیسیٰ کو پالا تھا۔

قید خانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام :

شہر کے اندر ایک چھوٹی سی گلی میں وہ مقام ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ کو قید رکھا گیا۔ اس کی دیواروں میں ایک لمبا سا پتھر ڈھالی فٹ کی بلندی پر شیفت کی طرح لگا ہوا ہے۔ بیان

کیا جاتا ہے کہ اس قید خانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح کھڑا کیا گیا تھا کہ ان کی ٹانگیں ان سوراخوں میں تھیں۔ اور پاؤں میں بیڑی بہا کی دیوار میں ایک دریچہ کے ذریعے محافظان کی حفاظت کرتے اور اسی دریچہ سے پانی اور کھانا دیتے تھے۔

## حضرت رابعہ بصری :

جیل زیتون کے ایک گنبد کے اندر بائیں ہاتھ اس جیل القدر دلیہ کا مزار ہے۔ حضرت رابعہ بصری بہت خدا پرست اور نیک خاتون تھیں۔ تمام عمر زہد و ریاضت میں گزری۔ کبھی کوئی برا خیال بھی ذہن میں نہیں آیا۔ آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ آپ کے ہاں کچھ مہمان آگئے۔ آپ کے پاس ایک ہی روٹی تھی مہمانوں کو دیکھ کر آپ نے وہ روٹی بھی خدا کے نام پر دے دی۔ اور انتظار کرنے لگیں تھوڑی دیر کے بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔ دیکھا تو کوئی شخص نور وٹیاں لایا تھا۔ روٹیاں گننے کے بعد آپ نے لانے والے سے کہا۔ کہ یہ ہماری نہیں واپس لے جاؤ۔ وہ شخص واپس لے گیا۔ کچھ دیر کے بعد پھر دروازہ کھٹکا۔ اب کے وہ شخص دس روٹیاں لایا تھا۔ آپ نے روٹیاں رکھ لیں اور مہمانوں کی تواضع کی۔ مہمانوں نے پوچھا کہ "آپ نے پہلے روٹیاں کیوں نہ لیں؟" آپ نے فرمایا کہ میرے خدا کا وعدہ ہے کہ اس کے نام پر دینے کے عوض وہ نوک گنا دے گا۔ اس لئے مجھے دس روٹیاں ملنی چاہئیں

تھیں۔ ایک روٹی کم کیوں لیتی۔

حضرت محمد ابو قیسؒ علم بردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اسی گنبد میں سامنے کی طرف حضرت محمد ابو قیسؒ علم بردار آنحضرت

کا مدفن ہے۔

## چٹائی تالاب :

مسجد اقصیٰ سے چند میل دور موضع ورق سلیمان پہنچے۔ یہاں وہ

تین تالاب اب تک موجود ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں

سے بنوائے تھے۔ چونکہ اس سال بارش نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ان

تالابوں میں پانی نہیں تھا۔

## حضرت عذیر علیہ السلام :

قریب ہی ایک گاؤں میں حضرت عذیر علیہ السلام کا مزار ہے۔ گاؤں

بھی اُن ہی کے نام سے موسوم ہے۔ مزار پر ایک گنبد بنا ہوا ہے۔ قرآن مجید

میں سورۃ البقرہ اور سورۃ توبہ میں آپ کا ذکر آیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں تو اس

واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب انھیں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح

مردوں کو زندہ کرے گا۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۵۹۔

حضرت عذیر علیہ السلام جنھیں شاہ بخت نصر بیت المقدس ویران کرنے



کے بعد بہت سے بنی اسرائیل سمیت قید کر کے بابل لے گیا تھا۔ جب قید سے رہا ہو کر آئے تو شہر اُجڑا ہوا دیکھ کر دل میں کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اس شہر کے لئے والوں کو کیونکر زندہ کرے گا اور یہ شہر دوبارہ کیسے آباد ہوگا۔ چنانچہ حکیم الہی وہیں اُن کی روح قبض ہو گئی اور سواری لگا گدھا بھی مر گیا۔ اور سو برس تک اسی حال میں رہے۔ اسی اثنا میں بخت نصر بھی مر گیا اور وہ شہر بھی دوبارہ آباد ہو گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ زندہ کر کے فرمایا کہ "تو اس جگہ کتنی مدت رہا۔ انھوں نے کہا "ایک دن یا کچھ کم۔" فرمایا "تو یہاں سو برس رہا۔ اپنا کھانا پینا دیکھ کہ وہ بگڑا نہیں۔ اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ لے۔ اور ہم نے تجھے دوبارہ زندہ کیا۔ تاکہ تجھے لوگوں کے لیے ایک نمونہ بنائیں۔ اور دیکھ کہ اس گدھے کی بوسیدہ ہڈیوں کو کس طرح اٹھا کر ہم جوڑ دیتے ہیں۔ اور ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں۔ پھر جب اللہ کی قدرت سے یہ رب حال اُن پر واضح ہو گیا تو انھوں نے کہا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (از تفسیر تہلیل القرآن)

سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس خیال کی کہ حضرت عزیزؑ یا حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے تھے۔ اس طرح تردید فرمائی ہے۔ آیت ۲۴ اور یہودی کہتے ہیں کہ حضرت عزیزؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ صرف اُن کے منہ کی بات ہے۔ کوئی اس کی سند اور دلیل موجود نہیں۔ اُن کی بات بالکل ویسی ہی ہے۔ جیسی اُن کفار کی جو اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ انھیں خدا کی مار سیدھا رہتے

راذ تفسیر تفسیر سہیل القرآن

چھوڑ کر کہاں بھکے جا رہے ہیں۔

## خلیل الرحمان :

یہ شہر بیت المقدس سے بیس میل کے فاصلے پر ابوالانبیاء سینینا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام پر آباد ہے۔ اچھا خاصہ پروردگار شہر ہے۔ اور چاروں طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اسی لیے کسی نے اسے "کر جنة الاربعہ" کہا جاتا تھا۔ اس کا موجودہ عربی نام "الخلیل" پانچویں صدی ہجری میں رکھا گیا۔ مشہور سیاح ناصر خسرو کا بیان ہے کہ جس زمانے میں وہ یہاں آیا تو اس کو مشہد الخلیل بھی کہتے تھے۔ جس کے معنی "مزارِ دورت" کے ہیں۔ اس مقام کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں آ کر قیام فرمایا تھا۔

یہاں مدرسے بھی ہیں۔ شہر میں داخل ہوئے تو ہر طرف فوج در فوج بچے نظر آئے۔ بی بی مریم مژدہ نے بتایا کہ یہاں ایک ایک مرد تین تین چار چار شادیاں کر لیتا ہے۔ اور ایک ایک عورت سے چار چار پانچ پانچ بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے تو میں اس کو بچوں کا شہر" کہا کرتی ہوں۔

## حضرت ابراہیم خلیل اللہ :

یہاں وہ اولوالعزم بت شکن پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ آرام فرما رہے ہیں۔ انہوں نے رب کے پہلے توحید کا کلمہ پڑھا۔ چاند، سورج اور ستاروں

کی چمک دمک نے آپ کو دھوکا دینا چاہا۔ لیکن جب وہ غروب ہو گئے تو حضرت ابراہیمؑ پکار اٹھے کہ یہ خدا نہیں ہو سکتے۔ آپ کا باپ آذر بت ساز تھا لیکن اولوالعزم بیٹا بت شکن ہوا۔ آنکھوں کے سامنے وہ سماں پھر گیا، جب آپ نے مندر کے تمام بتوں کو توڑ کر کھلاڑا بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا تھا۔ اور جب ان بت پرستوں نے پوچھا کہ "ہمارے خداؤں کو کس نے توڑا ہے؟" تو آپ نے فرمایا کہ "یہ تمہارے اچھے خدا ہیں۔ جو اپنی حفاظت بھی نہ کر سکے۔ اور پھر اس بت سے کیوں نہیں پوچھتے جو تمہارے خیال میں تمہارا حاجت روا ہے۔ جس کے کندھے پر کھلاڑا ہے۔" اس پر یہ لوگ آپ کو پکڑ کر اُس وقت کے بادشاہ نمرود کے پاس لے گئے اور جب اُس نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا کہ "بتا تیرا خدا کون ہے؟" تو آپ نے کہا کہ "میرا خدا زندہ کرتا اور مارتا ہے۔" اس پر نمرود نے تمقہ لگایا اور کہا کہ "یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ کسی مجرم کو رہا کر دو یا کسی بے گناہ کو تختہ دار پر لٹکا دوں۔" آپ نے فرمایا "اچھا میرا خدا تو مشرق سے آفتاب کو طلوع کرتا ہے۔ تیری خدائی میں جب مالوں جب تو مغرب سے سورج نکال کر دکھائے۔" اس پر نمرود لاجواب ہو گیا اور بغلیں جھانکتے ہوئے حکم دیا کہ "ان کو آگ میں پھینک دیا جائے۔" ایک بہت بڑا لاد تیار کیا گیا۔ اور جب وہ دوزخ کی طرح بھڑکنے لگا تو حضرت ابراہیمؑ کو اس آتش کدہ میں پھینک دیا گیا۔ خداوند کریم نے آگ کو حکم دیا کہ "یا ناما کوئی بزدل اور سداً ما علی ابراہیمؑ"

سورۃ انبیاء آیت ۶۸ یعنی اے آگ حضرت ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو جا۔ تب حکیم خداوندی سے وہ آتش کدہ گُل و گلزار میں تبدیل ہو گیا۔ یہ وہی ابوالانبیاء ہیں جنہوں نے خدا کی راہ میں قربانی کی بے نظیر مثال پیش کی اور اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو راہِ خدا میں قربان کرنے پر تیار ہو گئے انہیں کے مقدس ہاتھوں سے کعبہ کی بنیاد رکھی گئی اور انہی کی دعائے آج اس وادی غیر ذی زرع کو وُنیسا جہان کی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے جو مسلمانوں کا قبلہ ہے اور جہاں ہر سال اقصائے عالم سے لاکھوں حاجی حج کے لیے آتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ بھی پیغمبر تھے۔ پھر ان دونوں پیغمبروں کی اولاد میں اتنے نبی پیدا ہوئے کہ جن کی صحیح تعداد اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔

## حضرت سارہؑ :

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مدفن کے سامنے ہی آپ کی حرم محترم حضرت سارہؑ کی قبر ہے، جو حضرت اسحاقؑ کی والدہ تھیں۔

## حضرت اسحاقؑ اور ان کی اہلیہ محترمہ :

اسی گنبد کے اندر حضرت اسحاقؑ اور ان کی بیوی کی قبریں ہیں تھوڑے ہی فاصلے پر حضرت یوسفؑ آرام فرما ہیں۔

## حضرت یوسف علیہ السلام :

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت اسحاق کے پوتے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے اور بھائیوں میں رب کے چھوٹے تھے۔ ایک تو آپ بے انتہا حسین اور خوبصورت تھے دوسرے چھوٹے ہونے کی وجہ سے باپ کو بے حد عزیز تھے اور وہ کسی وقت ان کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔

## حضرت یوسف کا خواب :

حضرت یوسف ابھی بچے ہی تھے کہ خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج آپ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوب نے خواب سنا تو سختی سے منع کر دیا کہ اپنے دوسرے سوتیلے بھائیوں کو یہ خواب نہ سنائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے خلاف کوئی بڑی تدبیر کریں۔

یوسف کے ساتھ باپ کے پیار کو بھائی برداشت نہ کر کے اور رب نے نعل کر صلاح کی کہ یوسف کو ٹھکانے لگا دیا جائے چنانچہ وہ باپ کو مجبور کر کے یوسف کو اپنے ہمراہ باہر لے گئے۔ حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کی حفاظت کی بہت تاکید فرمائی جس پر بیٹوں نے باپ کو یقین دلایا کہ ہم پوری طرح یوسف کی

حفاظت کریں گے۔

باہر لے جا کر بھائیوں نے یوسفؑ کو ایک کُنوئیں میں پھینک دیا اور روتے ہوتے گھر واپس آئے۔ اور باپ سے کہا کہ یوسفؑ کو بھڑیا کھا گیا ہے۔ اور ثبوت میں یوسفؑ کا خون آلود کرتا پیش کر دیا توڑھے باپ کے لیے سوائے صبر و شکر کے اور چارہ ہی کیا تھا۔ آپ کی باقی عمر فراقِ یوسفؑ میں روتے کٹی اور آخری عمر میں نابینا بھی ہو گئے۔

ایک قافلے نے حضرت یوسفؑ کو کُنوئیں سے نکالا اور مصر لے جا کر عزیزِ مصر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال نے عزیزِ مصر کی بیوی کو اس قدر مہنوت کیا کہ وہ سو جان سے آپ پر فریفتہ ہو گئی۔ اُس نے ہر چند حضرت یوسفؑ کو درغلانے کی کوشش کی مگر کوئی رسوائی نہ ہو سکی۔ حضرت یوسفؑ کو جاوہِ حق سے نہ ہٹا سکا۔ آخر ایک دن اُس نے موقع پا کر کمرے کے دروازے بند کر دیے اور حضرت یوسفؑ کو پکڑنا چاہا۔ آپ وہاں سے بھاگے تو اُس نے پیچھے سے کرتے کا دامن پکڑ لیا۔ حضرت یوسفؑ نے زور لگایا تو کرتے کا دامن پھٹ گیا۔ حضرت یوسفؑ بچوں ہی بھاگ کر دروازے پر آئے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ شاہِ مصر دروازے پر کھڑا ہے اب عورت کا مکرا ایک نئی صورت میں ظاہر ہوا۔ اُس نے چلانا اور رونا شروع کر دیا کہ اِس غلام نے اِس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش

کی ہے۔ اس پر شاہِ مصر غضبِ ناک ہو گیا۔ مگر ایک دانائے کہا کہ اگر کُرتے کا دامن آگے سے پھٹا ہے تو یوسف مجرم ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو یہ ساری کارستانی تیری بیوی کی ہے۔ اس پر عزیزِ مصر کو حضرت یوسفؑ کی بے گناہی کا یقین ہو گیا۔

قرآنِ کریم میں حضرت یوسفؑ کے حُسن و جمال کی اللہ تعالیٰ نے یوں تعریف کی ہے کہ "اس واقعہ سے عزیزِ مصر کی بیوی شہر میں بہت بدنام ہو گئی۔ اور اُس پر ہر طرف سے انگلیاں اٹھنے لگیں اُس نے سوچا کہ اُن عورتوں کو دکھاؤں تو سہی کہ وہ کون ہے کہ جس پر میں دل و جان سے خدایوں۔ پُچھا پُچھا اُس نے شہر کے بڑے بڑے لوگوں کی بیویوں کو اپنے ہاں بلایا اور اُن کے ہاتھ میں ایک ایک پھل اور ایک ایک چھری دے دی۔ اور عین اُس وقت حضرت یوسفؑ کو وہاں لے آئی۔ اُن کے حُسن و جمال کو دیکھ کر سب عورتیں ٹھٹھک کر رہ گئیں۔ اور اسی مذہوشی کے عالم میں پھل کی بجائے اُنھوں نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹ لیں۔ اس پر اُس نے عورتوں کو مخاطب کر کے کہا: "اب بتاؤ یہی تو وہ یوسف ہے۔ جس کے لیے تم مجھے ملامت کرتی ہو۔ اُن عورتوں کے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا کہ یہ انسان نہیں فرشتہ ہے۔"

حضرت یوسفؑ نے اب خدا سے دعا مانگی کہ "اے اللہ! تو ہی مجھے بچا سکتا ہے۔ اگر میں اس کے نکر کے سامنے بھک گیا۔ تو میں جاہلوں میں سے

ہو جاؤں گا۔ اس کے یہ بہتر ہے کہ میں قید میں ڈال دیا جاؤں :  
اللہ نے اُن کی دعا قبول کی اور حضرت یوسفؑ جیل چلے گئے۔

## دو قیدیوں کے خواب :

جیل میں دو ایسے قیدی بھی تھے۔ جن میں سے ایک شاہی پورچی  
اور دوسرا بادشاہ کا ساتی تھا۔ حضرت یوسفؑ کے پیغمبرانہ اخلاق نے  
تمام قیدیوں کو آپ کا گر دیدہ بنا دیا تھا۔ ایک دن یہ دونوں حضرت  
یوسفؑ کے پاس آئے۔ ساتی نے کہا کہ "میں نے خواب دیکھا ہے کہ  
میں بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں۔" باورچی نے بیان کیا کہ "میں نے  
دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیاں ہیں۔ جن کو پرندے لوزج رہے ہیں۔"  
حضرت یوسفؑ نے اُن کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ "ساتی تو  
بری ہو کر اپنی سابقہ ملازمت پر بحال ہو جائے گا اور باورچی کو پھانسی  
پر لٹکایا جائے گا۔ اور اُس کی لاش کو جانور کھائیں گے۔" حضرت  
یوسفؑ نے ساتی سے کہا کہ جب وہ رہا ہو کر جائے تو عزیز مصر  
کو اُن کی بے گناہی کا یقین دلائے۔ کچھ مدت کے بعد ساتی رہا ہو گیا  
اور باورچی قتل ہوا۔

## عزیز مصر کا خواب

ایک مدت تک حضرت یوسفؑ علیہ السلام جیل میں رہے مگر



کسی کو ان کی رہائی کا خیال نہ آیا۔ یہاں تک کہ وہ ساقی بھی اپنے وعدے کو بھول گیا۔ ایک دن عزیز مصر نے خواب دیکھا کہ سات دہلی پتلی گکائیں سات موٹی تازی گکائیں کو کھار ہی ہیں۔ اور سات سبز اور سات سُکھی ہوئی بالیں دیکھیں۔ بادشاہ نے مُعَبَّروں سے اس کی تعبیر پوچھی۔ مگر کوئی بھی صحیح جواب نہ دے سکا۔ اس موقع پر ساقی نے بادشاہ کو بتایا کہ ”حضرت یوسف علیہ السلام اس کی صحیح تعبیر بیان کریں گے۔“

عزیز مصر کے حکم سے ساقی جیل میں حضرت یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمہارے ملک میں سات سال تو خوب خوش حالی اور فارغ البالی رہے گی۔ اس کے بعد سات سال تک شدید قحط رہے گا۔ پھر ایک سال خوش حالی کا آئے گا۔ بارش بکثرت ہوگی اور پھل بکثرت ہوں گے۔

جب ساقی نے بادشاہ کو تعبیر بتائی تو وہ خوش ہو گیا اور اس نے حضرت یوسف کو زندان سے نکلانے کا حکم دیا۔ حضرت یوسف نے کہا کہ ”پہلے اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کے ہاتھ کاٹ لینے کا کیا قصہ ہے۔ بے شک میرا رب ان کے مکر و فریب سے خوب واقف ہے۔“ اس نے مصر کی عورتوں اور اپنی بیوی سے پوچھا تو انہوں نے اقرار کیا کہ ”یوسف سچا ہے۔“

حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ عزیز  
مصر کو میری بے گناہی کا یقین آجائے۔ کہ میں نے اس کی کوئی  
خیانت نہیں کی۔ کیونکہ خدا خیانت کرنے والوں کے فریب کو  
راں نہیں لاتا:

## حضرت یوسفؑ کی پریت:

پھر وہ وقت آیا کہ شاہ مصر نے حکم دیا کہ حضرت یوسفؑ کو  
ہزت کے ساتھ لایا جائے اور خزانہ شاہی کی چابیاں اُن کے حوالے  
کر دیں۔

خوش حالی کے بعد قحط کے زمانے میں اُن کے بھائی غلہ لینے  
کے لیے مصر آئے۔ صرف حضرت یوسفؑ کا بھائی بنیامین باپ کے  
پاس رہ گیا۔ حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو پہچان لیا۔ مگر وہ نہ پہچان  
سکے۔ حضرت یوسفؑ نے اُن سے کہا کہ جب پھر آؤ۔ تو اپنے بھائی  
بنیامین کو بھی ساتھ لانا:

جب حضرت یوسفؑ کے بھائی وطن واپس گئے تو یہ دیکھ کر حیران  
رہ گئے کہ غلے کی قیمت بھی غلے میں پڑی ہوئی ہے۔ جب دوسری  
بار غلہ لینے کے لیے مصر جانے لگے تو اُنھوں نے باپ سے کہا کہ  
اب غلہ اس صورت میں ہمیں مل سکے گا۔ کہ بنیامین بھی ہمارے ساتھ  
جائے۔ حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹوں پر یقین نہیں تھا۔ لیکن اُنھوں

نے اُس کی حفاظت کا پورا یقین دلایا ، تو حضرت یعقوبؑ بنیامین کو بھیجنے پر رضامند ہو گئے ۔

مصر میں گئے تو بنیامین نے بھی اپنے بھائی یوسفؑ کو پہچان لیا۔ اب بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کے لیے حضرت یوسفؑ نے یہ ترکیب کی کہ سونے کا شاہی ناپ کا پیمانہ بنیامین کے سامان میں رکھا دیا اور جب شور مچا تو وہ بنیامین کے سامان سے نکل آیا۔ اور اس طرح حضرت یوسفؑ نے ان کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اب باقی بھائی بڑے پریشان ہوئے کہ باپ کو پہلے ہی ان پر بھروسہ نہ تھا۔ اگر بنیامین نہ گیا تو وہ سمجھیں گے کہ یوسفؑ کی طرح بنیامین کو بھی ہم نے مار دیا ہے جب انہوں نے بہت مدت دزاری کی تو حضرت یوسفؑ نے اپنی قمیص بھائیوں کو دے دی کہ اس کو اپنے باپ کے چہرے پر ڈال دینا اور ہو کے تو ان کو یہیں لے آنا۔

## پیراہن یوسفی :

یہ بھائی لاچار ہو کر واپس لوٹ گئے۔ ابھی یہ راستہ میں ہی تھے کہ حضرت یعقوبؑ کہنے لگے کہ ”مجھے یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے۔“ لوگوں نے کہا کہ ”یوسفؑ کی محبت اور بڑھاپے نے آپ کو عقل سے بھی عاری کر دیا ہے۔“ جب یہ لوگ گھر پہنچے تو انہوں نے حضرت یوسفؑ کا پیراہن باپ کے چہرے پر ڈال دیا جس سے حضرت یعقوبؑ

کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

## خواب کی تعبیر :

اب یہ سب لوگ مصر میں آ گئے۔ جہاں انہیں معلوم ہوا کہ یہ تو انھیں کا بھائی یوسفؑ ہے۔ اُن کی شان اور وبد بہ کو دیکھ کر اُن کے گیارہ بھائی اور والدین ان کے سامنے جھک گئے اور اس طرح وہ خواب پورا ہوا، جس میں حضرت یوسفؑ نے دیکھا تھا کہ چاند سورج اور گیارہ ستارے اُن کے سامنے جھک رہے ہیں۔

حضرت یوسفؑ نے دعا کی (سورۃ یوسف آیت ۱۰۱) مَا بِتَكَرُّ

اَتَيْتَنِي مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَّمْتَنِي مِمَّا تَأْتِيهِ الْاَحَادِيثُ فَاصْرُ  
السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَوَلِيَّتِي فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِي  
مُنِيماً وَالْحَقِّيْنِي بِالصَّالِحِيْنَ ؕ (ترجمہ) بارِ خدایا ! تو نے مجھے  
حکمت بخش اور تعبیر خواب کا علم عطا فرمایا۔ اے آسمانوں اور زمین  
کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا دنیا اور آخرت میں کارساز ہے۔ مجھے  
حالتِ اسلام میں موت دے۔ اور نیک لوگوں میں شامل فرما۔ (تفسیر تہذیب القرآن)

اس طرح اُس وقت سے بنی اسرائیل مصر میں آباد ہو گئے اور پھر حضرت  
موسیٰؑ اُن کو لے کر مصر سے نکلے۔

حضرت یعقوبؑ اور اُن کی اولاد :

اُن کے قریب ہی آپ کے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام

اور والدہ کی قبریں ہیں۔ یہ مقام جلیل القدر انبیاء کا موقف ہونے کے باعث  
دنیا کے اسلام میں خاص عزت و شہرت رکھتا ہے۔

## پرچ آف گیتیم :

یہ ایک شاندار گرجا ہے۔ جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ  
یہاں سے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا تھا۔ گرجے  
کے باہر زیٹون کے آٹھ پڑانے درخت ہیں۔ جن کے متعلق بیان کیا  
جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں کے نیچے بیٹھ کر اپنے شاگردوں  
کو تعلیم دیا کرتے تھے۔

## بیت المقدس :

یہ ایک قصبہ ہے جہاں حضرت مریم خدائے حکم سے چلی گئی تھیں  
اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ یہ جگہ بیت المقدس سے  
پانچ میل کے فاصلے پر اور سطح سمندر سے ۲۵۵۰ فٹ بلند ہے۔ دو  
ڑھاوان پہاڑیوں پر آباد ہے۔ آبادی تقریباً دس ہزار باشندوں پر مشتمل  
ہے۔ جن میں ساتواں حصہ مسلمان ہیں اور باقی عیسائی۔ یہاں کئی مذہب  
اور خیراتی ادارے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں رب سے پہلے ان  
کا پیغام سنایا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ یوں ہے کہ جب

اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغیر اس کے کہ کوئی مرد حضرت مریم کو چھوئے وہ  
 حاملہ ہو گئیں۔ اور جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو بچے کی  
 پیدائش کی خبر سنائی تو وہ بہت حیران ہوئیں اور جبرائیل سے  
 پوچھا کہ "میرے کیسے بچہ ہو سکتا ہے۔ جب کہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک  
 نہیں رگایا۔" حضرت جبرائیل نے فرمایا کہ "میرے پروردگار کا ایسا  
 ہی حکم ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور یہ بچہ خدا کی قدرت  
 کا بدلہ کا نشان ہو گا۔"

جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو حضرت مریم بڑی پریشان  
 ہوئیں اور سوچنے لگیں کہ اگر میرے ہاں بچہ پیدا ہوا تو بنی اسرائیل  
 باتیں بنائیں گے اور بہتان باندھیں گے۔ اس لیے آپ بیت المقدس  
 سے چل کر اس جگہ تشریف لائیں جو آج بیت اللحم کے نام سے مشہور ہے  
 حضرت مریم یہاں ایک کھجور کے سہارے بیٹھ گئیں اور کہنے  
 لگیں: "کاش میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور لوگ مجھ کو بھول گئے  
 ہوتے۔" اس وقت فرشتے نے مریم کو پکارا کہ "مریم غم نہ کر۔ اس کھجور  
 کے درخت کو ہلا۔ تجھ پر پکے ہوئے پھل گریں گے اور اللہ تعالیٰ نے تیرے  
 بیٹے یہ نہر جاری کر دی ہے۔ کھجوریں کھا اور پانی پی اور اپنے فرزند سے  
 اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا۔ اگر کوئی تجھ سے پوچھے تو اشارے سے کہہ  
 دینا کہ میں نے روزہ رکھا ہے۔ کسی سے بات چیت نہیں کر سکتی۔"  
 ظہر کے قریب ہم ان مقامات سے فارغ ہو کر واپس لوٹے۔ باقی

ہمراہ بیان کو تو زاویہ ہندی پر رخصت کیا اور خود بی بی مریم مزوزہ کے ساتھ بیت المقدس کے ایک انگریزی ہوٹل میں کھانا کھانے چلے گئے۔ کھانے کے بعد قدرے آرام کیا اور پھر موٹر میں سوار ہو کر موضع شمیل کو چل دیے۔

## حضرت شمویل علیہ السلام :

شمیل بیت المقدس سے کوئی بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے جہاں ایک پہاڑ کی چوٹی پر حضرت شمویل کا مزار ہے۔ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے۔

اس پہاڑ کی دوسری جانب چونکہ یہودیوں کی بستی ہے اس لیے یہاں پولیس کی ایک چوکی مستعین ہے۔ پہاڑ پر چڑھنے کے غیر تھوڑے پچیدہ راستے اور کئی مقام پر ایک دم سیدھی بلندی آجانے کی وجہ سے اکثر مقامات پر موٹر رُک رُک کر چلتی اور یہ کیفیت تھی کہ س

ہر قدم پر ہے گماں یاں رہ گیا واں رہ گیا

خدا خدا کر کے بہزار وقت پہاڑی پر پہنچے۔ موٹر سے نکلے ہی ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار بھونکوں نے راستہ کی تمام کوفت دور کر دی۔ ساتھ پڑھی واپس لوٹنے کو تھے کہ مزوزہ گرم گرم کافی لے آیا۔ بڑی لذیذ کافی تھی۔ چلتی موٹر میں مغرب کی نماز ادا کی اور عشاء کے قریب زاویہ ہندی واپس آگئے۔

## مسجدِ ادا کی قصہ

یہ وہ مسجد ہے جو مسلمانوں کے نزدیک کعبہ کے پورے بڑی عظمت اور فضیلت والی جگہ ہے۔ یہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے اور یہاں تمام انبیائے کرام نے حضور کی اقتداء میں نماز ادا کی۔

اس مقامِ مقدس کے حصول کے لیے عیسائیوں اور مسلمانوں میں اکثر جنگیں ہوتی رہیں۔ کیونکہ مسلمانوں ہی کے لیے یہاں نہیں بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے بھی یہ متبرک مقام ہے۔

ظہورِ اسلام کے بعد سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ یہاں کے پادریوں نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو کہلا بھیجا کہ ”جو شخص اس مقام کو فتح کرے گا، اُس کا خلیفہ اور کچھ نشانیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ آپ اپنے خلیفہ کو بلا لیں۔ اگر وہ علامات اور نشانیاں اُن میں ہوں تو ہم بلا حیل و حجت شہر کی چابیاں اُن کے حوالے کر دیں گے۔ ورنہ یاد رکھو دنیا کی کوئی طاقت اس شہر کو فتح نہیں کر سکتی۔ کیونکہ خدا نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے“

حضرت ابو عبیدہ نے تمام واقعات حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی خدمت میں لکھ کر بھیجے اور تاکید کی کہ وہ ضرور تشریف لائیں۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ آپ کے آنے کے بعد ہم خون کا ایک قطرہ گرانے بغیر شہر پر قابض



ہو جائیں گے۔

حضرت عمرؓ مدینہ سے بیت المقدس کے لیے روانہ ہوئے۔ ایک غلام ساتھ لیا۔ ان دونوں کے پاس ایک ہی اونٹ تھا۔ جس پر باری باری غلام و آقا سوار ہوتے تھے۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو اس وقت غلام کے سوار ہونے اور خلیفہ کی مہار پکڑنے کی باری تھی۔ خادم نے بہت کہا کہ "آپ ہی سوار رہیں۔ تاکہ شہر والوں پر آپ کا رعب رہے۔" لیکن آپ نے فرمایا کہ "شہر والوں پر رعب ڈالنے کے برعکس مجھے خدا کی خوشنودی کی ضرورت ہے۔"

تمام پادری اور بطریق شہر کی فصیل پر کھڑے ہو کر حضرت عمرؓ کی آمد کا نظارہ دیکھ رہے تھے کہ یہی وہ بزرگ ہستی ہے جس کی قسمت میں بیت المقدس کی فتح لکھی ہوئی ہے۔ خدا کی قسم اگر دنیا جہان کی حکومتیں بھی اس کا مقابلہ کریں گی، تو بھی کامیاب نہ ہو سکیں گی۔ چنانچہ بیت المقدس بغیر لڑے بھڑے فتح ہو گیا۔

بیت المقدس میں اسلامی فوجیں اس شان سے داخل ہوئیں کہ اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ بازاروں میں دورویہ دولت کے اہبار لگے ہوئے تھے۔ عیسائی حسین عورتیں ہاتھ ہلا ہلا کر اسلامی فوج کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ لیکن ان کی دولت اور حسن کسی بھی مسلمان سپاہی کو متاثر نہ کر سکا۔ اور یہ لوگ اس طرح نظریں نیچی کیے بازاروں سے گزر گئے جیسے کسی بیابان میں سے گزر رہے ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے شہر کا معاہدہ کیا۔ جب آپ عیسائیوں کے ایک گرجا کی سیر کر رہے تھے تو نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ اگرچہ عیسائی راہبوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ یہیں نماز ادا کر لیں لیکن آپ نے فرمایا: "کہ میں ایسی مثال قائم نہیں کرنا چاہتا جو مستقبل کے لیے ایک نظیر بن جائے" چنانچہ گرجا سے باہر آ کر نماز ادا کی۔ یہ جگہ مسجد عمرؓ کے نام سے موسوم ہے۔

مسجد قصی میں نمازوں کا ثواب کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔ گزشتہ جنگ میں اسرائیلیوں کی بمباری سے اس مسجد کو کافی نقصان پہنچا ہے۔ جا بجا گھاس اُگی ہوئی ہے۔ حفاظت اور عظمت کا کوئی انتظام اور لحاظ نہیں جو توں سمیت پھرنا یہاں کی عام کیفیت ہے۔

## صخرہ شریف :

عربی زبان میں صخرہ چٹان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک بڑا پتھر ہے جس کا طول ۵ فٹ، عرض ۴ فٹ، اور موٹائی پانچ فٹ ہے۔ رنگت قدرے گلابی۔ سطح ناہموار اور کھردری۔ اس صخرہ شریف میں ایک صندوق ہے جس میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے۔ اور یہیں ایک الماری میں آنحضرتؐ کے تین ٹوٹے مبارک رکھے ہوئے بتائے جاتے ہیں۔

مسجد کے بائیں جانب ایک عمارت خانے کے طور پر بنی ہوئی ہے

جسے اصطلحاً حضرت سلیمانؑ یا معترف الجن کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب کوئی جن شرارت کیا کرتا تھا تو اسے اس کے ستونوں سے باندھ کر سزا دی جاتی تھی۔ ستونوں میں اب بھی علقے پڑے ہوئے ہیں۔

دائیں جانب محال قبلتین ہے درمیان میں محراب سلیمانی سے محراب کے قریب حضرت ایوبؑ کے صاحبزادوں کی قبریں بتائی جاتی ہیں

دیوارِ گریہ :

مسجد اقصیٰ کے باہر ایک دیوار ہے، جو دیوارِ گریہ کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں ہر وقت یہودی مرد عورتیں بچے اور بوڑھے عجیب طرح سے نسکیاں بھر بھر کر روتے اور سر ہلا کر کہتے ہیں۔ کہ خدا انھیں بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ واپس دلا دے۔ مسلمان حکمرانوں کی زمی، کمزوری اور ذاتی چپقلشوں کے باعث مجلس اقوام نے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور شہر بیت المقدس کا زیادہ بہتر حصہ اب یہودیوں کے پاس ہے۔ فاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ

یہیں مجوزہ پروگرام کے مطابق پھر دمشق واپس جانا چاہیے تھا۔ لیکن وہاں سے استنبول کے لیے ہوائی جہاز چونکہ صرف ہفتہ اور پیر کے دن چلتا ہے۔ اس لیے ہم نے یہیں سے بیروت کے لیے اپنی نشستیں مخصوص کر لیں اور ۱۴ جون کو بجے بعد دوپہر عرب ایرویز کے ہوائی جہاز میں بیروت کو روانہ ہو گئے۔

## بیروت (لبنان)

۱۴ جون کو عرب ایرویز کے ہوائی جہاز پر پٹا بجے بیت المقدس سے روانہ ہو کر پٹا ۴ بجے عصر کے قریب ہم بیروت پہنچ گئے۔ بیروت لبنان کا دار الحکومت ہے۔ یہاں کسٹم اور پولیس کے علاوہ ہوائی کمپنیوں کے دفاتر بڑی عالیشان اور جدید قسم کی عمارتوں میں قائم ہیں۔ ہر وقت گہما گہمی نظر آتی ہے۔ کارکنان میں ایک تہائی حصہ نوجوان لڑکیاں ہیں جو مردوں سے بڑھ چڑھ کر کام کرتی ہیں۔ کمپنی کی موٹر کے ذریعے میٹرو پول ہوٹل میں چلے گئے۔ اور ایک کمرے کے قدرے سستے کے بعد عبدالحی کو ساتھ لے کر بازار کا ایک چکر کاٹا۔ لیکن اپنی بے زبانی کے باعث کسی سے کوئی خاص بات نہ ہو سکی۔ آخر پھر ہوٹل میں آ کر پڑے۔ اب یہ دیکھا کہ کمرے میں ہوا کی آمدورفت کا کوئی خاص انتظام نہیں۔ ہوٹل کے مینجر سے کہا کہ اس کمرے میں ہوا کی آمدورفت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ کسی چیکھے کا انتظام کر دیجیے۔ مگر اس نے توجہ نہ کی۔ نہ کوئی دوسرا کمرہ دیا۔ جو غالباً خالی بھی نہ تھا۔ میں نے تنگ آ کر وہ بڑا دروازہ کھول دیا جس سے گزر کر لوگ اس ہوٹل کے ہال کمرے میں آتے تھے۔ اور یہ ان کے کھانے

والے کمرے کے بھی سامنے تھا۔ اس پر ہوٹل کا منیجر بہت سٹپٹایا اور اپنے ایک آدمی کے ہاتھ سکرین پر دوہرا بھجوا دیا۔ اس سے ہمارا مقصد پورا نہ ہوتا تھا۔ اور ہوا رکتی تھی۔ میں نے ناراضگی کے لہجے میں کہا۔ کہ ہم ایسے بند کمرے میں سو کر بیمار نہیں ہونا چاہتے۔ اور سکرین کو وہاں سے ہٹوا دیا۔

بیروت بہت قدیم شہر اور ایک بہت اہم بندرگاہ ہے۔ اور اپنے کاروبار کی نوعیت سے ایشیا کا دروازہ کہلاتی ہے۔ یہ شہر خشکی مندراور ہوائی راستوں کے ذریعے تمام دنیا سے ملا ہوا ہے۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں اس شہر پر قبضہ کیا۔ اور جب مسلمان حکومتیں کمزور ہوئیں تو اس پر دوبارہ عیسائیوں نے قبضہ کر لیا۔ لیکن پھر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ترکوں کے عہد حکومت میں اس شہر نے بہت ترقی کی۔ اور آج کل بھی یہ لبنان کا دار الحکومت ہے۔ یہاں ہر ملک اور قوم کے لوگ چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔

بیروت کو مشرق وسطیٰ کا دماغ بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ یہاں اعلیٰ تعلیم کے لئے دو یونیورسٹیاں ہیں۔ جہاں اردگرد کی ریاستوں کے طلبہ تعلیم کے لئے آتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے کئی ابتدائی اور ثانوی سکول بھی ہیں۔ ایک فائن آرٹ کی اکیڈمی ہے اور موسیقی کا ایک سکول بھی ہے۔

یہاں ایک بہت بڑا عجائب گھر بھی ہے۔ جس میں باز نطین عہد حکومت کے نوادرات ہر سیاح کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ یہ عجائب گھر کئی حصوں میں منقسم ہے۔

۱۵ جون کو ہم نمازِ صبح سے فارغ ہو کر چہل قدمی کو نکلے۔ بازار میں ابھی دوکانیں بند تھیں۔ اس لیے واپس ہو ٹل آ گئے۔ باہری ایک ٹیکسی ڈرائیور مل گیا جو انگریزی زبان جانتا تھا۔ اس سے کہدیا کہ ایک گھنٹہ کے بعد آئے۔ ہم نے ناشتہ کیا۔ اتنے میں ٹیکسی بھی آ گئی۔ سوار ہو کر شہر کے تمام بازاروں میں گھومے۔ ساحل سمندر کی سیر کی۔ یہاں کے لوگوں کی طرزِ بود و ماند دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان پر مغربیت کا گہرا اثر ہے تقریباً تمام مردوزن انگریزی لباس میں ملبوس نظر آتے۔ موٹروں کی وہ افراط کہ ایک طرف سے دوسری طرف جانا دشوار ہو جاتا ہے۔ دوکانیں عروسوں کی طرح سجی ہوئی۔ میوے، پھل اور سبزیاں بکثرت۔ حقیقت میں اس شہر کی خوبی لکھنے سے نہیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمارے دو پاسپورٹ مصر کے لیے ویزا ہونے باقی تھے۔ لہذا مصری سفارت خانے گئے جنہوں نے اگلے دن آنے کو کہا۔

بیروت ایک بہت ترقی یافتہ شہر ہے۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے علاوہ یہاں کئی چھاپے خانے بھی موجود ہیں۔ سمندر سے قربت کی بنا پر یہاں اکثر ایک جیسا ہی موسم رہتا ہے۔ لیکن گرمیوں میں موسم کسی قدر گرم ہوتا ہے اور امراء بعد ایک چلے جاتے ہیں جو بیروت کے تقریباً

۸۵ کلومیٹر دور ہے۔ یہ ایک بڑا پُر نضا سرسبز پہاڑی مقام ہے۔

## بعلبک:

ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ سوچا کہ اس پُر نضا مقام کو بھی دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ اسی ٹیکسی میں بعلبک روانہ ہو گئے۔ تمام پہاڑی راستہ، سڑک کو لتار کی نہایت صاف سُٹھری۔ اردگرد خوشنما اور ہرے بھرے پہلواتے ہوئے کھیت اور باغات۔ چابجا مغربی طرز کے بنے ہوئے عالی شان مکانات اور بنگلے۔ راستے کے مختلف پڑاؤ پر انگریزی انداز کی دکانیں۔ قہوہ خانے اور ہر قسم کے پھل موجود۔ ایک جگہ گاڑی کھڑی کر کے کچھ کیلے، خوبانیاں، سیب اور آلو بخارے اور تھوڑا سا پنیر بھی لیا۔ پھل تو ہم تینوں اور ٹیکسی ڈرائیور نے آپس میں مساوی تقسیم کر لیے لیکن پنیر جو کچھ زیادہ نہ تھا۔ وہ سب سے زیادہ میری اہلیہ اور اس کے بعد میں نے اور عبدالحی نے کھایا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو اس میں سے کچھ حصہ نہ دیا۔ راستے کے وائیں بائیں خوشنما مناظر دیکھتے، پھلوں اور پنیر کی تعریف اور خداداد کریم کا شکر یہ ادا کرتے، دو گھنٹے کے بعد ہم بعلبک پہنچ گئے۔ پہلے کھنڈرات دیکھے۔ یہ کھنڈرات قدیم رومن تہذیب کے آثار ہیں۔ یہاں کئی مندر ہیں جن میں "جو پیٹر کا مندر" بہت مشہور ہے۔

بعلبک کا شہر بھی اتنا ہی قدیم ہے۔ جتنی تاریخ انسانی۔ یہاں کے

کھنڈرات تاریخ انسانی کی تدریجی ترقی کے شاہد ہیں۔ ان میں سے اکثر امتدادِ زمانہ سے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ لیکن ان کے اندازِ تعمیر اور وسعت کو دیکھ کر زمانہ قدیم کے لوگوں کی تہذیب و تمدن کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اور خصوصیت سے فنِ تعمیر میں ان کی فنی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان کھنڈرات کو دیکھنے کے بعد ٹیکسی والا ہمیں ایک بہت بڑے ہوٹل میں لے گیا جو ایک پہاڑی کے پُر فضا دامن میں تھا اور جسے اونچے اونچے درخت گھیرے ہوئے تھے۔

یہاں سے تنگے کباب اور روٹی کھا کر چند میل دور دریا کے کنارے آرام کرنے کی غرض سے موٹر میں چل دیئے۔ جو کچھ ہم نے کھایا وہی ٹیکسی ڈرائیور نے کھایا۔ مگر پندرہ بیس منٹ کے بعد یکایک میری اہلیہ کی طبیعت بگڑنے لگی اور اس نے گاڑی کھڑی کر کے قے کی۔ قریب ہی کھیتوں میں کام کرنے والی ایک لڑکی نے پانی کی ٹپالے کر کھلی کرانی کچھ دور اور بڑھے کہ پھر زبردست قے ہوئی۔ جس سے ان کی طبیعت نڈھال ہو گئی۔ اور ساتھ ہی پیٹ میں شدید درد شروع ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آنتیں کٹ رہی ہیں۔ کچھ اور آگے بڑھے کہ رنجِ حاجت کے لینے گاڑی کھڑی کرنی پڑی۔ اور کھیتوں میں کچھ دور جا کر انھیں چھوڑ دیا گیا۔ جب وہ واپس لوٹیں تو نقاہت اور کمزوری سے لڑکھڑا رہی تھیں۔ اگر ہم انھیں دوڑ کر تھام نہ لیتے تو ضرور گر پڑتیں۔ آخر بمشکل



اُنھیں سہارا دے کر گاڑی تک لائے، اور گاڑی چل دی۔ لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ میری اپنی طبیعت بگڑنے لگی اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر قے ہونے لگی۔ اس کے بعد فوراً ہی عیدالضحیٰ کو بھی متلی ہونے لگی۔ تینوں کے جسم بے جان ہو رہے تھے۔ پیٹے کے ٹھنڈے ٹھنڈے قطرے اور بھی سوہانِ روح کا باعث تھے۔ موٹر چل جا رہی تھی۔ ڈرائیور نے بتایا کہ دریا اب قریب ہی ہے۔ وہاں پہنچ کر دم لیں گے۔ لیکن میری اہلیہ نے شدتِ درد کے باعث کراہنا شروع کر دیا۔ آخر ایک ہوٹل کے پاس گاڑی کھڑی کی گئی اور ہمیں بمشکل اندر لے جایا گیا۔

بیت الخلاء اوپر کی منزل میں تھا۔ اور ہم تینوں بے ہوش ہوئے تھے۔ ہوٹل والوں نے میری اہلیہ کو ایک کرسی پر ڈال کر اوپر پہنچایا۔ جہاں ہم بھی رُٹھکتے رُٹھکتے پہنچ گئے۔ ٹیکسی ڈرائیور اور کارکنانِ ہوٹل نے سکنجبین بنائی اور چچوں کے ذریعے ہمارے مُنہ میں پٹکانے لگے۔ لیکن سنے اور سہال کا یہ عالم تھا کہ بھٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔ میری اہلیہ کی حالت نہایت ہی ناگفتہ بہ ہو رہی تھی۔ اُن کے لیے چارپائی پر ہلنا جھلنا دو بھر ہو رہا تھا۔ اور تمام کپڑے لت پت ہو چکے تھے۔ ہوٹل والوں نے کہا۔ کہ اگر آپ پسند کریں۔ تو پولیس کو اطلاع دینے دی جائے۔ مگر میں نے منع کر دیا۔ کہ سفر میں یہ نئی ٹھہریت کیوں لگنے لگیں۔ ہماری تشویشناک حالت دیکھ کر اُنھوں نے آدھی رات کے

وقت ڈاکٹر کو بلوایا جس نے ہم سب کو ٹیکے لگا دیے اور تھوڑی  
تھوڑی دیر کے بعد دوائی کے قطرے پانی میں ڈال کر پینے کی ہدایت  
کی۔ ڈاکٹر کی تشخیص سے معلوم ہوا کہ وہ پنیر زہریلا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور اور کارکنان ہوٹل تمام رات ہمیں ہلا ہلا کر دوائی  
اور سکنجبین دیتے رہے۔ سحری کے وقت مجھے کچھ ہوش آیا تو میں نے  
ٹیکسی ڈرائیور کو بتایا کہ صبح لونبے ہسپتال جانے والے ہوائی جہاز میں  
ہماری نشستیں مخصوص ہو چکی ہیں۔ اُس نے فوراً ٹیلیفون کر کے انہیں  
کینسل کرایا۔ گیارہ بجے دن کے ہماری طبیعتیں کچھ سنبھلیں۔ ہوٹل کے  
عملہ نے ہمارے تمام کپڑے ڈرائی کلین کر دیے تھے۔ انہیں پہن کر  
ہم اٹمان و خیراں موٹر میں بیروت روانہ ہو گئے۔

ہوٹل والوں نے جس محبت، ہمدردی اور خلوص سے ہماری  
تیمارداری کی۔ شاید گھر میں بھی اس سے بہتر نہ ہو سکتی۔ اس لیے ہم  
نے بصیرت قلب ان کا شکر یہ ادا کیا۔ خداوند تعالیٰ ان رب کو جزائے  
خیر دے۔

اس موقع پر ہمیں بیگم اور اسماعیل خلیل حرب کا شکر یہ ادا کرنا بھی  
ضروری ہے۔ جو اتفاق سے اسی وقت تقریباً شب پیری کے لیے اس  
ہوٹل میں آئے تھے۔ ہماری یہ حالت دیکھ کر ان کی بیگم صاحبہ نے میری  
اہلیہ کے تمام آلودہ کپڑے خود اتارے۔ کئی گھنٹے پاس بیٹھی رہیں اور  
ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ان کو دوائی دیتی رہیں۔ صبح روانگی کے

وقت نہ صرف طے آئیں بلکہ اپنے شوہر سے اپنے بھائی مُقیم جدہ کے نام  
ایک تعارفی خط بھی لکھوا کر دیا۔ اُن کی اس بے لوث خدمت اور تیار داری  
نے مجھ پر بہت ہی اثر کیا۔ اللہ پاک انھیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آمین۔  
بیروت کے میٹروپول ہوسٹل کے بے ہوا کمرے میں جانے کو طبیعت  
نہ مانتی تھی، لہذا ساحل سمندر پر نیو ہوسٹل میں کمرے کر دیا ہو گئے اور  
ٹیکسی ڈرائیور کے ذریعے میٹروپول ہوسٹل سے اپنا سامان منگوا لیا۔

سپہر کو موٹر میں مصری سفارت خانے جا کر پاسپورٹ حاصل کیے  
اس کے بعد شہر کی مشہور مسجد جامع الاموی میں گئے۔ یہاں رہنبر کے  
قریب حضرت یحییٰ علیہ السلام کا دست مبارک مدفون بتایا جاتا ہے۔ اس کی  
تعمیر سلطان عبدالحمید خان دہلی نے کرائی تھی۔ چنانچہ اُن کے نام کا  
کتبہ اب بھی وہاں لگا ہوا ہے۔ مدفن کے در پر یا یحییٰ حنّ الکتاب  
بصوّۃ و اقتیاد انھکم صبیّاۃ لکھا ہوا ہے۔

یہاں تھوڑے پڑھی اور ہوائی کمپنی کے دفتر میں اگلے دن ڈیڑھ  
بچے اسپتال جانے کے لیے اپنی نشستیں مختصر میں کرائیں۔ ہوسٹل واپس آئے تو بھی  
کافی کمزوری محسوس کر رہے تھے۔ چند گھنٹوں کی پیاری سے ذرا ذرا سے منہ نکل آئے تھے۔  
تمام رات اور اگلے دن دوپہر تک آرام کیا۔ صبح ہے

قدرِ صحت مرین سے پوچھو تندرستی ہزار نعمت ہے

خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ اس نے پرہیز میں اس ناگہانی مصیبت نجات بخشی و زہم  
تو میں بول چکے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور ایم جید کی مخلصانہ خدمت کا شکر یہ اور کتنے ہے انہیں نصرت کیا

## استانبول یا قسطنطنیہ

۶ مارچ ۱۹۵۵ء کو پیرت سے ہوائی جہاز پر سوار ہو کر شام کے بعد استنبول پہنچ گئے۔ شہر ہوائی اڈے سے بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ پیس ہوٹل میں قیام کیا۔ کمرے صاف تھکے اور نیچے آنے جانے کے لیے لفٹ پر کمرے میں ٹیلیفون۔ استقبالی دروازہ، لفٹ اور کمرے کے باہر کام کرنے کے لیے پندرہ پندرہ سولہ سولہ سال کے خوبڑوں اور لڑکے چست اور مستعد، لیکن مشکل یہ آپڑی کہ وہ صرف ترکی زبان جانتے تھے ان سے حرف مدعا کیسے بیان کیا جائے۔

زبان یارمن ترکی و من ترکی و انم

صرف ہوٹل کا منیجر اور ایک استقبالیہ لیڈی انگریزی زبان سے واقف تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنے جانے اور کھانے پینے میں کافی وقت ہوئی۔

ترکی سیکہ :

ہوائی اڈے پر اترتے ہی سرکاری طور پر ترکی سیکہ تبدیل کرنے کے لیے انگریزی سٹرنگ پونڈ کے سات ترکی پونڈ دیرا، ملے تھے۔ مگر ہوٹل

والوں نے کہا کہ ہم پرائیویٹ طور پر آپ کو پندرہ پونڈ دلیرا، دلیرا کے  
 اس کے بعد معلوم ہوا کہ مارکیٹ میں سترہ پونڈ بھی مل جاتے ہیں۔ ہم نے  
 بیروت سے چلتے وقت احتیاطاً ایک سٹرلنگ پونڈ ترکی بسکٹ میں تبدیل  
 کرایا تو اس کے بیس پونڈ دلیرا مل گئے تھے۔ اس سے سٹرلنگ پونڈ  
 کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو گیا۔ یہاں بعینہ وہی صورت نظر آئی جو  
 ہندوستان اور پاکستان کے سرکاری اور غیر سرکاری ذریعہ تبادلہ کے سلسلے  
 میں عمل پذیر ہے۔

چونکہ ریلوے اسٹیشن اور ساحل سمندر ہماری تیام گاہ کے قریب ہی  
 تھے اس لیے عشاء کی نماز کے بعد وہاں کی سیر کی اور واپس آکر سو رہے  
 استانبول اور یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں تقاسم کلک  
 کمپنی اور اس کے علاوہ کئی اور کمپنیوں نے سیاحوں کی مہولت اور آرام  
 کے لیے بڑے بڑے موٹر کوچ بنوائے ہوئے ہیں۔ جن میں بیس بچپس  
 آدمی باسانی بیٹھ سکتے ہیں۔ ان گاڑیوں میں مختلف زبانیں جاننے والے  
 گائیڈ (رہبر) مسافروں کو ساتھ لے کر مختلف مناظر اور تاریخی مقامات  
 کی سیر کراتے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی مختصر حقیقت بھی بیان کرتے جاتے ہیں  
 ۱۸ جون کو صبح نو بجے انگریزی جاننے والے گائیڈ کی معیت میں تقاسم  
 کلک کی وین ہمیں ہوٹل سے لینے آگئی۔ لیکن یہاں امریکن سیاح کافی تعداد  
 میں آئے ہوئے تھے۔ جن میں اکثریت عورتوں کی تھی۔ بڑی گاڑی میں  
 جگہ نہ رہی تو انھوں نے ہم تینوں کے لیے ایک علیحدہ ٹیکسی کا انتظام کر دیا

## مسجد ابا صوفیہ :

ہماری کار مختلف بازاروں کا چکر کاٹتی پہلے مسجد ابا صوفیہ پہنچی  
جواب ایک عجائب گھر میں تبدیل کر دی گئی ہے۔

جب سلطان محمد دوم نے استنبول کو فتح کیا تو ابا صوفیہ عیسائی  
حکومت کا سب سے بڑا گرجا تھا۔ یہ گرجا شہنشاہ کا نشاۃ الثانیہ نے  
۱۴۶۰ء میں تعمیر کروایا۔ لیکن دو دفعہ یہ گرجا آگ لگنے سے برباد ہوا۔  
اور دوبارہ اس کی تعمیر ہوئی۔ دوسری دفعہ اس کی تعمیر باز نطنی شہنشاہ  
چہینین نے کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر کا کام چھ سال تک جاری رہا  
اور اس ہزار کارگر اور نگران اس کام پر لگے رہے۔ ۱۵۶۲ء میں یہ عمارت  
دوبارہ مکمل ہوئی اور اس وقت سے لے کر ۱۷۵۳ء تک عیسائیوں کی  
سب سے بڑی عبادت گاہ سمجھی جاتی تھی۔ ۱۷۵۳ء میں سلطان محمد فاتح  
نے جب قطنینہ کو فتح کیا تو ابا صوفیہ کے گرجا کو مسجد میں اس طرح تبدیل  
کر دیا کہ مؤذن کے لیے ایک کونے میں مینار تعمیر کروایا۔ چھت اور دیواروں  
پر جو تصاویر بنی تھیں ان پر پستر کروا دیا۔ اب یہ عمارت ابا صوفیہ کی مسجد  
کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے بعد آنے والے سلاطین نے اس میں  
کئی مینار اور گنبد تعمیر کرائے۔ خلفائے ترکی کے عہد میں اس جامع مسجد میں  
سلاطین نماز ادا کرتے تھے۔ اس مسجد کا سب سے بڑا گنبد ایک سو سات  
ستونوں پر کھڑا ہے۔ ہر ایک ستون ۱۵۰ فٹ بلند ہے۔ گنبد کا قطر بھی

۱۰۰ فٹ ہے جس میں روشنی کے لیے بڑے بڑے پتیل کے فانوس لہجڑوں سے لٹک رہے ہیں۔

جب جمہوریہ ترکیہ کی بنیاد پڑی تو اٹا ترک نے جہاں اور اصلاحات رائج کیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اس وسیع و عریض تار تاریخی مسجد کو عجائب گھر میں تبدیل کر دیا۔

## دیگر تاریخی مقامات :

اس کے بعد ہم سلطان احمد کی مسجد میں گئے۔ وہاں سے باہر چوک جو پرنے شہر میں واقع ہے اس کی طرف آئے۔ یہاں سے گزر کر سیمان مسجد اور ایڈریا نوپل گیٹ تک گئے۔ ایڈریا نوپل ترکی کا مشہور تاریخی مقام ہے۔ جہاں کسی زمانے میں ترکوں نے روسیوں کا بہت بہادری اور جوانمردی سے مقابلہ کیا تھا۔

اب ایک بجے کا وقت تھا۔ ہم واپس ہوٹل کی طرف ہو لیے۔ اگرچہ پنجاب کی کسی گرمی نہیں ہوتی۔ لیکن کافی جلس ہوتا ہے اور ہوٹل کے آرام دہ کمرے ایک نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوتے ہیں۔ کھانا کھایا، نماز پڑھی اور کچھ دیر کے لیے سستانے لیٹ گئے۔

ڈھالی بجے ہم سیراگولیا کی طرف موٹر میں روانہ ہوئے۔ یہاں سلاطین ترکی کے محللات ہیں۔ یہ باسفورس کے کنارے پر واقع ہیں۔ کبھی بڑے بڑے بادشاہ ان محللات میں جانا اپنے لیے باعثِ غر بسمتے تھے۔

یہ قلعہ تمام عمارات سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں۔ چن کے در و دیوار زبانِ حال سے صدیوں کی تاریخ سنار ہے ہیں۔

یہ عمارات نہایت خوبصورت اور دل فریب ہیں۔ ایک طرف گولڈن ہارن پہاڑی ہے اور دوسری طرف بحیرہ اسود کا ٹھاٹھا ٹھیں مارتا ہوا سمندر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ محلات سمندروں۔ بسزہ زاروں اور پہاڑوں پر حکمران ہیں۔

## دُنیا کا سب سے بڑا مُسقف بازار :

اس کے بعد ہم بڑے مُسقف بازار (دی گریٹ کوورڈ بازار) کی طرف چلے۔ استنبول کا یہ بازار نہ صرف ایشیا بلکہ تمام دُنیا میں بڑا گنا جاتا ہے۔ کوئی ایک میل کے دور میں ہے۔ اور اس میں غالباً ساڑھے چار ہزار دکانیں ہیں۔ یہ دکانیں اگرچہ چھوٹی چھوٹی ہیں۔ لیکن ان میں دُنیا کے ہر گوشہ کی چیز مل سکتی ہے۔ یہاں کے دکاندار اپنے ہاں نوادرات کے مجموعے رکھتے ہیں جس میں زار روس۔ شہنشاہ آسٹریا اور قبصران جرمنی کے محلات کا سامان موجود ہے۔ ہزار ہا انواع و اقسام کے شیشے مٹی اور چینی کے بنے ہوئے برتن۔ فرانسسی شیشے۔ ایرانی نوادر۔ مذہبی تبرکات قاین۔ جھاڑ۔ فانوس غرضیکہ ہر شے جس کا تصور بھی آپ کر سکیں اس بازار میں موجود ہے۔

ہر ملک کا انسان امریکن۔ فرانسسی۔ انگریز۔ روسی۔ چینی۔ جاپانی



پاکستانی۔ ہندی۔ مصری۔ حبشی۔ اطالوی۔ عربی۔ شامی آپ کو یہاں نظر آئے گا۔ لاکھوں نہیں کروڑوں روپے کا کاروبار ہو رہا ہے۔ قیمتیں مقرر نہیں۔ جیسا گاہک دیکھتے ہیں۔ ویسے ہی پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں سے کوئی چیز خریدنا کافی ہوشیاری اور عقلمندی چاہتا ہے میری اہلیہ نے اتفاقاً ایک اونی سویٹر دیکھا تو لیڈی وگنڈا نے جھٹ اُسے پہنوا کر ماشاء اللہ کہہ کر مبارکباد پیش کر دی۔ شرم حضور کی کے باعث اس کے پینتیس روپے ادا کر دیے۔ سویٹر درحقیقت پندرہ بیس روپے سے زیادہ کا نہ تھا۔

بازار میں قہوہ خانے اور ہوٹل کثرت سے ہیں اور گاہکوں کا بھوم اس قدر کہ یہ پتا ہی نہیں چلتا کہ آپ اپنی پلیٹ سے کھانا کھا ہے ہیں یا کسی دوسرے کی پلیٹ سے۔ کیونکہ وگنڈا میں یا گاہک ہیں یا پلیٹیں، پھیڑ بھاڑ کی وجہ سے پچھلا فرش نظر ہی نہیں آتا۔

## گولڈن ہارن اور سمندر کی سیر:

نماز عصر کے بعد گولڈن ہارن اور سمندر کی مقامات کی سیر کی یہاں رات کے وقت نہایت ہی دل فریب منظر ہوتا ہے۔ بڑی بڑی عالیشان عمارتوں۔ ہوٹلوں اور رہائش گاہوں کی روشنی اور بجلی کے نموتے سمندر میں بہت ہی جاذب نظر سماں پیدا کرتے ہیں۔ انسان پہروں دیکھتا رہتا ہے۔ لیکن طبیعت سیر نہیں ہوتی۔

جس موٹر لائن روضہ خانی کشتی، میں ہم سوار ہوئے اس پر ترکی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ترکی جھنڈے کا رنگ سُرخ ہے اور اس پر ہلال اور ستارے کا نشان بنا ہوا ہے۔ اس لیے ہمارے علاوہ اور مسافر بھی سوار تھے۔ یہ کشتی کبھی ساحل ایشیا پر آتی اور کبھی ساحل یورپ پر کیونکہ آبنائے باسفورس کے مشرق میں ایشیائی ترکی ہے اور مغرب میں یورپین ترکی کشتی سے مختلف ٹیشنوں پر مسافر اترتے اور چڑھتے تھے۔ ہم سیراگو لیو کے پاس سے گزرے جہاں سلاطین ترکی کے محلات سلطنت عثمانیہ کے عروج کا زمانہ یاد دلاتے ہیں۔ ہر دو ساحلوں پر انگور کی بیلیں اور ان کے درمیان رنگارنگ کے پھول نہایت ہی دلفریب منظر پیش کر رہے تھے۔

آہستہ آہستہ باسفورس کی آبنائے تنگ ہوتی گئی اور جہاں ایشیا اور یورپ کے ساحلوں میں صرف نو سو گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے وہاں یورپین ساحل پر روسی حصار یا سلطان محمد فاتح کا بلند اور مضبوط قلعہ بنا ہوا ہے۔ اس کے بالمقابل دائیں طرف ایشیا کے ساحل پر بھی ایک قلعہ ہے۔ لیکن چھوٹا۔ یہاں بحیرہ اسود سے آنے والے پانی کی زوبہت تیزی سے بہتی ہے اور چھوٹی کشتی کا سنبھلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

## حضرت ابوالیوب انصاریؓ

حضرت ابوالیوب انصاریؓ کے مزار پر گئے۔ فاتحہ پڑھی۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان کا ذکر پہلے آچو کا ہے۔ مدینہ

مُنورہ میں انھی کو حضور کی مہربانی کا نثر ف حاصل ہوا۔ مدینہ کے سرفران کی ولی خواہش تھی کہ حضور آپ کے ہمان ہوں۔ آپ کو کسی کی دل شکنی منظور نہ تھی۔ اس لیے فرمایا کہ جہاں اور جس گھر کے سامنے میری اونٹنی بیٹھ جائے گی اسی کے ہمان ہوں گے۔ عینا پختہ اونٹنی آپ کو حضرت ابوالیٰوب انصاریؓ کے مکان کے سامنے لے جا کر بیٹھ گئی۔ اللہ اللہ کس مرتبے کے صحابی تھے اور کس مقدس مشن میں جان دی۔ یہیں مغرب کی نماز باجماعت ادا کی اور عشاء کے قریب ہوٹل واپس آ گئے۔

## سلطان کا خزانہ :

۱۹ جون کو کک کے پروگرام کے مطابق ہم باقی مقامات وقت منقرہ پر نہ دیکھ سکتے تھے۔ اس لیے علیحدہ ایک انگریزی دان گائیڈ کی معیت میں ایک ٹیکسی لے کر پہلے تو سلطان کے خزانے کو دیکھا جو دنیا کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔ آل عثمان کے نوادرات جن میں سلیمان اعظم اور سلطان محمد کی جواہرات سے مرصع تلواریں۔ قیمتی ہیروں سے مزین زیورات، لباس، پگڑیاں، حریر کے چوغے کچھ اس انداز سے سجائے گئے ہیں کہ دیکھنے والے کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ شہر کے اندر اور باہر سڑکوں کی سیر کی اور دوپہر کا کھانا کھا کر آبنائے بانفورس کی سیر کو چلے گئے۔ جو سمندر کے راستے یورپ کو بحیرہ اسود سے ملاتی ہے پھر عشاء کی نماز پڑھی اور کھانا کھا کر سو گئے۔

## سقوٹری ایشیائے کوچک :

۱۲ جون کو پھر ایک علیحدہ گائیڈ لے کر سقوٹری جمالیہ پہاڑی اور ایشیائے کوچک کی سیر کی کئی بازار جو ابھی دیکھنے باقی تھے ان کا چکر لگانا۔

## سلطان محمد فاتح :

استانبول وہ شہر ہے جس کے فاتح کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے بہادرانِ اسلام نے اس شہر کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں ایک مہم بھی گئی جس میں حضرت ابوالایوب انصاریؓ بھی شریک تھے۔ حضرت ابوالایوب انصاریؓ نے اسی مہم کے دوران میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔

اس کے بعد کسی مہم میں گئیں مگر اس شہر کی فتح کا سہرا ترک سلطان محمد فاتح کی قسمت میں لکھا تھا۔ قسطنطنیہ نہایت محفوظ شہر ہے جس کے تین طرف تو سمندر ہے۔ اور شمال کی طرف پہاڑیاں اس کی حفاظت کرتی ہیں چونکہ یورپی فوجیں چہاڑ رانی سے خوب واقف تھیں اس لیے سمندر میں ان کا مقابلہ آسان نہ تھا۔

سلطان محمد فاتح نے اس شہر کو فتح کرنے کے لیے بہت پہلے سے منصوبہ بندی کر کے اس کے گرد و نواح سے بخوبی واقفیت حاصل کر لی تھی

اس بہادر سلطان نے شہر میں داخل ہونے کے لیے دلدلی راستہ پسند کیا۔ اس نے ایسی کشتیاں بنوائیں جن کے پینڈوں پر چربی مل وی گئی تھی ان کشتیوں میں مسلمان بہادر سوار ہو گئے اور کشتیوں کو دلدل میں بہایا گیا۔ اس طرح اسلامی فوج بحیریت دوسرے کنارے پہنچ گئی اور شہر پر حملہ کر دیا۔ شاہ قسطنطین لڑتا ہوا مارا گیا اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس وقت سے سلطان عبدالحمید کے عہد تک یہ شہر اسلامی حکومت کا صدر مقام رہا ہے۔ جب مصطفیٰ کمال نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اتحادیوں سے ترکی کو آزاد کرایا۔ تو استنبول کو غیر محفوظ بھکر اس کی بجائے انقرہ کو سلطنت ترکی کا دار الحکومت قرار دیا۔

ایک زمانہ تھا کہ قسطنطینیہ عالم اسلام کا مرکز خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ سلاطین عثمانیہ مسلمانوں کے خلفاء سمجھے جاتے تھے۔ اور مسلمانان عالم ان کو اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ لیکن دوسری جنگ عظیم میں ترکی وزیر جنگ انور پاشا نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ یہ جنگ ترکوں کے لیے تباہی کا باعث ثابت ہوئی۔ اتحادیوں کی کامیابی کے ساتھ ہی سلطان ان کے قبضے میں آ گیا۔ اتحادی حکومتوں نے عربوں کو آزاد کر کے عراق، شام، نجد، حجاز اور فلسطین میں علیحدہ حکومتیں قائم کر دیں۔

## مصطفیٰ کمال :

اس وقت مصطفیٰ کمال نے نوجوانان ترکی کو اکٹھا کیا اور بحسن ترقی

وطن کی مدد سے یونانیوں کو شکست دے کر موجودہ ترکی کی بنیاد ڈالی۔ سلطان  
عبدالحمید خان کو معزول کر دیا گیا۔ اور جمہوریہ ترکی کا پہلا صدر خود مصطفیٰ  
کمال ہوا۔ جسے قوم نے آتارک (ترکوں کا باپ) کا خطاب دیا۔ آتارک  
اپنے ملک میں اتنا ہرول عزیز تھا کہ قوم کا ہر فرد اس کے اشارہ پر جان  
دینا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں مغربیت کو رواج  
دیا۔ اور تمام پرانی رسومات اور روایات یک قلم ختم کر کے حسبِ ذیل  
اصلاحات نافذ کر دیں۔

وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ !

## چند ترکی اصلاحات :

- ۱۔ مذہب اور حکومت کو علیحدہ کر دیا گیا۔ یعنی ترکوں نے سرکاری طور پر  
اعلان کر دیا کہ اسلام سرکاری مذہب نہیں ہے۔
- ۲۔ فیض کیپ جو ترکوں کا قومی نشان تھا، ممنوع قرار دی گئی اور اس  
کا پہننے والا مجرم۔
- ۳۔ عورتوں کو بڑے پہننے سے قانوناً روک دیا گیا۔
- ۴۔ مغربی لباس ہر ترک کے لیے لازمی ہو گیا۔
- ۵۔ عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط ملک میں جاری کیا گیا اور ہر ترکی  
باشندے کو لاطینی سیکھنا ضروری ہو گیا۔
- ۶۔ قرآن مجید کو بھی لاطینی رسم الخط میں تبدیل کیا گیا۔

۷۔ تمام سیاسی جماعتیں غیر قانونی قرار دی گئیں، صرف سرکاری جماعت ہی انتخاب میں حصہ لے سکتی تھی۔ نیشنل اسمبلی میں کوئی حزب مخالف نہ تھی اور ۲۵ سال تک کوئی دوسری پارٹی قائم نہ ہو سکتی تھی اور نہ ہی وہ انتخابات میں حصہ لے سکتی تھی۔

۸۔ کئی ایک کاروبار قومیاے گئے اور تجارت تقریباً سرکاری ہو گئی۔

آج کا ترکی کسی عیسائی حکومت سے کم نہیں۔ ترکی میں جائیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی مغربی ملک سے گزر رہے ہیں۔ ترک مردوٹ میں بیوس ہیں تو عورتیں یورپین لباس میں۔ شراب عام ہے۔ خود حکومت نے شراب کی کشید کا کارخانہ تجارتی نقطہ نگاہ سے جاری کر رکھا ہے۔

بین تفاوتِ راہ از گجارت تبار گجا

تاہم لوگ بڑے چاق و چوبند اور ہوشیار ہیں۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی تمام معاملات میں برابر کی حصہ دار ہیں۔ آج کل ترکی کے صدر جلال بایار ہیں جو کچھ مدت ہوئی اپنی میڈم کے ساتھ پاکستان بھی تشریف لائے تھے۔

## ایتھنز دیونان،

### نماز پر تعجب :

۲۲ جون کو استانبول سے پونے سات بجے شام روانہ ہوئے اور  
 نو بجے شب کے قریب ایتھنز پہنچ گئے۔ ہوائی جہازوں میں عام طور  
 پر بوجوان عورتیں ہی مسافروں کی چائے، پانی اور کھانے وغیرہ سے  
 نواضع کرتی ہیں۔ اس جہاز پر جو لیڈی اس کام پر مامور تھی اس نے مجھے  
 سر پر رومال باندھے نماز پڑھتے دیکھا۔ تو بڑی متعجب ہوئی۔ جب میں نماز  
 سے فارغ ہوا۔ تو مجھ سے دریافت کیا کہ میں یہ کیا کر رہا تھا۔ اور سر پر رومال  
 کیوں باندھ لیا تھا۔ میں نے بتایا کہ ہم مسلمان ہیں۔ اس طرح ہم خدائے بزرگ  
 و بزرگی عبادت کرتے۔ اور اس کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ سر پر رومال اس  
 لیے باندھ لیا گیا تھا۔ کہ جس طرح ہم لوگ کسی بڑے آدمی، بزرگ یا بادشاہ  
 کے سامنے تعظیم و تقدیس کے خیال سے تنگے سر نہیں جاتے، ایسے ہی اس  
 شہنشاہ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور بندگی کرتے وقت سر کو کسی چیز  
 سے ڈھانپ لیتے ہیں۔



## اسلام سے ناواقفیت :

پھر اُس نے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدما مانتے ہیں۔ میں نے اُسے بتایا کہ خدا تو وہ ہے کہ جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا۔ اور اُس کا انتظام کرتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کو اُس نے اپنا پیامبر بنا کر دُنیا میں بھیجا تھا۔ تاکہ دُنیا کے راہ گم کردہ لوگوں کو نیکی، امن، شرافت اور اِثنا بیزت کی راہِ ہدایت دکھائے۔ خدا اپنی جگہ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ہیں۔

## پاکستان سے اجنبیت :

اُس نے پوچھا کہ آپ کس ملک کے رہنے والے ہیں۔ تو میں اُسے بتایا کہ پاکستان کا رہنے والا ہوں۔ پاکستان کا نام سن کر وہ متعجب ہوئی۔ پھر میں نے اُسے وضاحت سے بتایا کہ پہلے یہ سارا ملک جو ایک بہت بڑا ملک تھا، انڈیا (ہندوستان) کہلاتا تھا۔ اب اس کو دو قوموں ہندو اور مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ جو علاقہ ہم مسلمانوں کے حصے میں آیا، اُس کا نام پاکستان ہے۔ اس مقدس سرزمین کو حاصل کینے میں آٹھ سال گزر چکے ہیں۔ اس پر اُس نے کہا ہاں ہاں یاد آ گیا۔

مجھے اس سفر کے دوران میں اس بات سے بہت دکھ ہوا کہ ہماری نئی مملکت کو وجود میں آنے آٹھ برس گزر چکے ہیں، اس پر بھی غیر ملکی لوگ پاکستان کے نام تک سے واقف نہیں۔ البتہ انڈیا سے سب واقف

ہیں۔ ہماری حکومت کا فرض ہے کہ اپنے سفارت خانوں کے ذریعے ہر ملک کی زبان میں پاکستان کے قیام کی مختصر تاریخ، نئی حکومت کی بنیاد، اس کے مذہب اور لوگوں کی بُو و ماند کے متعلق پمفلٹ چھاپ کر مناسب مقامات پر تقسیم کرے۔ اور ہوائی جہازوں کے کمرہ ہائے انتظار میں پاکستان کے قابل دید مقامات کے مناظر پوسٹروں اور چارٹوں کی شکل میں طبع کر کے لگائے تاکہ دوسرے ممالک کے لوگ کم از کم پاکستان کے نام سے تو واقف ہو جائیں۔ محض سفارت خانے قائم کر کے عہدے تفویض کر دینا ہی کافی نہیں۔ بلکہ زندگی کا ثبوت دینے کے لیے کچھ جدوجہد اور عملی کام کی بھی ضرورت ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے اپنے ایک شعر میں قرآن حکیم کی آیت **اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡیۡرُ**..... الخ کا ترجمہ پیش کیا ہے کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی  
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

## حلال حرام کی تمیز نادرہ :

آٹھ بجے شب کے قریب ہوائی جہاز ہی میں کھانا آ گیا۔ اس میں دو قسم کا گوشت دیکھ کر میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بھیر، بکری دُنبے یا گائے کا گوشت ہے یا سور کا بھی۔ تو لیڈی نے مسکراتے ہوئے کہا کہ سب ٹھیک ہے اور بہت اچھا ہے۔ آپ ضرور کھائیے۔ مجھے

اس جو اب سے اطمینان نہ ہوا اور خیال کیا کہ اب اسلامی ملک تو ختم ہو گئے۔ گوشت کو خیر باد ہی کہہ دینا مناسب ہے۔ لہذا روٹی مکھن اور پھل وغیرہ پر ہی اکتفا کی گئی۔ ان ملکوں میں ذبیحہ تو کجا سور کا گوشت اعلیٰ کھانوں کی زینت سمجھا جاتا ہے۔

ایتھنز پہنچ کر پاسپورٹ دکھائے تو معلوم ہوا کہ اس ملک کے لیے ہمارا ویزا ہی نہیں بنا۔ آخر محکمہ پولیس سے گھنٹہ بھر کی کانٹا پھوسی کے بعد پاسپورٹ اپنے پاس رکھ بیٹے اور ہمیں ایک چٹا سے دی کہ ہم دو دن تک ایتھنز میں ٹھہر سکتے ہیں۔

اسٹانبول میں واقع ٹی۔ اے۔ ای ہوائی کمپنی کے دفتر نے ہمیں بتایا تھا کہ اگر ہم ان کی کمپنی کے ہوائی جہاز میں اسٹانبول سے ایتھنز جائیں اور وہاں سے پھر اسی کے ذریعے روم جائیں تو ایتھنز میں دو روز قیام و طعام کے جملہ مصارف کمپنی کے ذمے ہوں گے۔ اس معاہدے کے مطابق کمپنی کی بس ہمیں اپنے دفتر میں لے گئی اور اپنے آدمی کے ساتھ ایک ہوٹل میں بھجوا دیا۔ یہ کوئی اچھا ہوٹل نہ تھا۔ ہم نے خود ہی اپنا سامان لفٹ میں رکھا، ادریچے واپس آ کر ٹی۔ اے۔ ای کے دفتر میں فون کیا۔ کہ ہم ایسے عافیت کے ہوٹل سے باز آئے۔ براہ کرم ہمارے اپنے خرچ پر کسی بہتر ہوٹل میں انتظام کر دیجیے۔ آخر ساڑھے گیارہ بجے شب کے قریب ایک وپول ہوٹل میں جو یہاں کا ایک بہترین ہوٹل ہے، ہمارے قیام کا بندوبست ہو گیا۔

۲۱۔ رتوں کو صبح ناشتے سے فارغ ہو کر ساڑھے آٹھ بجے موٹر لے کر ایک بجے تک اور پھر تین بجے سے گہری شام تک یہاں کے تمام تاریخی مقامات، مناظر اندرون اور بیرون شہر دیکھ لیے۔ ونڈٹ چہل سکوٹر اور روز ویلٹ سکوٹر یہاں کے دو مشہور اور پر رونق چوک ہیں ایتھنز یونان کا دار الحکومت اور پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے جس کے درمیان میں دو دریا بہ رہے ہیں۔

ایتھنز بہت پرانا شہر ہے۔ اور قدیم یونانی تہذیب و تمدن کا مرکز، اس شہر میں سقراط، ارسطو اور افلاطون ایسے حکماء پیدا ہوئے جن کا فلسفہ آج بھی دنیا کے لیے مشعل راہ ہے۔ ہومر اپنا شاعر پیدا ہوا جس نے اپنی رزمیہ نظموں سے یونانی بہادروں کے سر پر شہرت دوام کا تاج رکھا۔ ان کے علاوہ کئی ایک قابل قانون دان مقرر اور کھلاڑی دنیا کو دیئے۔ آج دنیا میں اولمپک کھیلیں قدیم یونان کے کھلاڑیوں کی یادگار ہیں۔ مسیح سے قبل کی عمارات اس امر کی شاہد ہیں کہ زمانہ قدیم میں یونان علم و فن میں تمام دنیا کا استاد تھا۔ مسیح کی پیدائش سے سات سو سال قبل یہ شہر اپنے عروج پر تھا۔ پارتھین اور ایرانی جو بھی یہاں آئے ان کے تعمیر کردہ آثار قدیمہ سے اس شہر کی عظمت و شوکت کا پتا چلتا ہے۔ اسی سرزمین سے سکندر اعظم ۳۲۳ قبل مسیح اٹھا، اور ساری دنیا کو فتح کرنے کے ارادے سے اپنے ملک سے چل کر ایران کو پامال کرتا ہوا سرزمین پاکستان میں پہنچا۔ راجہ امبھی والسی ٹیکسلانے اس کی اطاعت

قبول کر لی۔ مگر جہلم کے راجہ پورس نے مقابلہ کیا۔ سکندر اعظم نے نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے راتوں رات جہلم کو عبور کر کے عقب سے پورس کی فوج پر حملہ کر کے اس کو شکست دی۔ سکندر فتوحات کرتا ہوا ستلج تک گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وسط ہند پر حملہ کرے مگر اس کی فوج نے ساتھ نہ دیا۔ چنانچہ اُسے مجبوراً واپس لوٹنا پڑا۔ راستہ میں سانگلہ ہل کے قریب ایک لڑائی میں زخمی ہوا۔ اور اسی زخم سے بابل پہنچ کر دنیا کو رنج کرنے کی حسرت دل میں لیے ہوئے راہی ملک بقا ہو گیا۔

۴۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

## ایک سے زیادہ خدا :

من بُت تراشی میں یونانیوں کو کمال حاصل تھا۔ ہندوستان والوں نے بھی بُت تراشی کا فن یونانیوں سے سیکھا۔ آج ایتھنز میں جا بجا مختلف مجسمے اُن کے اس فن کے گواہ ہیں۔ چونکہ یہ لوگ بُت پرست تھے اور ہندوؤں کی طرح ان کے بھی کئی خدا تھے۔ پانی کا دیوتا آگ کا دیوتا۔ بہار کا دیوتا۔ خزاں کا دیوتا۔ غرض تمام مظاہر قدرت کا ایک ایک دیوتا مقرر تھا۔ جس کے حضور میں قربانیاں چڑھاتے ملتے جلتے اور اُسے خوش رکھنے کے لیے بھجن گاتے تھے۔ اس لیے ہر خدا کے لیے الگ مجسمہ بنایا۔ اور ہر ایک خدا کا علیحدہ معبد۔ مگر یہ معمولی بات اُن کی سمجھ میں نہ آ سکی کہ دو درویش تو ایک گڈری میں

سر کر سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک ولایت میں نہیں سما سکتے۔ اسی طرح ایک سے زیادہ خداؤں کا عقیدہ کس قدر بعید از قیاس ہے۔ ایک خدا کچھ کرنا چاہتا ہے تو دوسرا کچھ اور۔ اس لیے یہ بات بڑی آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ایک سے زیادہ خدا نہیں ہو سکتے۔

## ایکریڈیٹس :

یہ قدیم ایتھنز کا مذہبی مرکز تھا۔ جو برباد ہو جانے کے بعد آج بھی سیٹیا جان عالم کے لیے اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے۔ اس مقام پر مختلف دیوی دیوتاؤں کے کئی بت ہیں۔ جو مسیح کی پیدائش سے چار پانچ سو سال پہلے کے بنے ہوئے ہیں۔ ایکریڈیٹس پہاڑی پر ایک بہت بڑا عجائب گھر ہے۔ جس میں نوادرات کا بہت بڑا ذخیرہ اور زیادہ تر دیوی دیوتاؤں کے بت جمع ہیں۔

یہ کھنڈرات دراصل یونانی دیوی ڈیٹری کے معبد کے ہیں۔ جس نے ان کے خیال کے مطابق دنیا کو امن اور راحت دی۔ اس کے علاوہ یونانیوں کے سینکڑوں دیوتا اور دیویاں تھیں۔ جیوپیٹر تمام کائنات کا خالق۔ اپالوسورج کا دیوتا۔ ڈائناشکار کی دیوی۔ لیکن امن و راحت کی دیوی ڈیٹری تھی۔ کیونکہ اُس نے انسان کو کھیتی باڑی اور اناج پیدا کرنے کا کام سکھا کر جوڑ و تشد سے روکا۔ ورنہ پہلے انسان اپنی خوراک صرف شکار سے حاصل کرتا اور ایک دوسرے پر جوڑ و تشد روار کھتا تھا

ایوکسس کے معبدوں میں لوگ تعلیم کے لیے آتے تھے۔ وہ نہ صرف زندگی بسر کرنے کا درس لیتے، بلکہ انھیں روحانی تعلیم بھی دی جاتی اور جب وہ علم میں پورے ماہر ہو جاتے تو وہاں سے رخصت کر دیے جاتے۔ تعلیم کے دوران میں انھیں نہ صرف ظاہری علوم و فنون سکھانے جاتے بلکہ رُوح کی تسکین اور موت سے بے خوفی کا درس بھی دیا جاتا ہر طالب علم کو پاکیزگی نفس کی تعلیم دی جاتی۔ وہ گوشہ تنہائی میں غور و فکر کی عادت ڈالتا۔ روزے رکھتا اور دیوتاؤں کی مدح میں بھجن گاتا۔ جس سے اُس میں ضبط اور جفاکشی پیدا ہو جاتی اور اس قابل ہو جاتا کہ دنیاوی صعوبتوں اور مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کر سکے۔

اسلام نے انسان کو صراطِ مستقیم کی تعلیم دی ہے اور اس پر ایسی قیود عاید نہیں کیں جو اس کی طاقت سے باہر ہوں۔ بلکہ اگر کوئی نسیم الطبع انسان اسلامی تعلیمات پر غور کرے تو انھیں عین فطرت کے مطابق پائے گا۔

چوتھی صدی عیسوی میں شہنشاہ تھیوڈولیس نے شاہی فرمان کے ذریعے یہاں درس و تدریس کا خاتمہ کر دیا۔ کیونکہ یہ عیسائی بادشاہ عیسائیت کو پھیلانے کا بڑا حامی تھا۔ اور جب تک اس مہبد کی رونق کو کم نہ کیا جاتا عیسائیت کا پھیلنا ناممکن نظر آتا تھا۔

ان کھنڈروں کی شکستہ دیواروں پر کئی دیوتاؤں کی کہانیاں تصویریں کے ذریعے ظاہر کی گئی ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور اور دلچسپ

ڈیٹری ویوی کی بیٹی پروسپین کی کہانی ہے جسے بطور نمونہ مشن سے ازخودار  
ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

## پروسپین کی کہانی :-

پروسپین کی والدہ ڈیٹری جو اس دوران راحت کی ویوی تھی جب  
باہر جاتی تو اپنی خوب صورت لڑکی کو گھر چھوڑ جاتی۔ یہ لڑکی محل پر یوں  
کے ساتھ ساحل سمندر پر کھیلتی رہتی۔ پھول چنتی، منستی اور گاتی ایک  
دن یہ لڑکی پر یوں سے کھیلتی کھیلتی ایسے مقام پر جا پہنچی جہاں ایک  
نیا اور نہایت خوب صورت پھول کھلا تھا، زگس کا پھول خوبصورت  
پروسپین اُسے دیکھ کر بہت متعجب ہوئی۔ دوسری پریاں تو ادھر  
ادھر چلی گئیں، لیکن وہ اُسے دیکھنے میں محور ہی۔ اچانک زمین  
پھٹی اور اُس میں سے ایک رتھ پر اندرون زمین کا دیوتا پلوٹو نمودار  
ہوا۔ پروسپین اُسے دیکھ کر ڈر گئی اور اُس کے رتھ میں گر پڑی۔ پلوٹو  
پروسپین کو لے کر اپنے زمین دوز محل میں واپس چلا گیا۔ لیکن یہ لڑکی  
اُس کے تاریک محل میں گھبرا کر رونے لگی۔ پلوٹو نے زرد جو اہر۔ قیمتی  
باس غنچیکہ زمین اور سمندر کے تمام تحفے اُسے بہلانے کے لیے دیے  
لیکن وہ روتی رہی اور سورج کی روشنی اور اپنی ماں کے گھر جانے کے  
لینے چلتی رہی۔

ادھر جب اُس کی والدہ واپس آئی تو لڑکی کو نہ پا کر بہت گھبرائی



اور دو مشعلیں راس سے مُرادِ ون اور رات سے لے کر اُس کی تلاش میں روانہ ہو گئی۔ آٹھ ون اور رات اُس نے دُنیا کا کونہ کونہ چھان مارا، لیکن بیٹی کا کہیں نشان نہ ملا۔ آواز میں دیتی، ہر شخص سے پوچھتی درختوں، جانوروں، ہوا، روشنی سب سے پوچھا۔ لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ پروسپین کہاں ہے۔ آخر تنگ آ کر اُس نے دُنیا کو بددعا دی۔ بارش بند ہو گئی۔ پھول جل گئے۔ درخت خشک ہو گئے دُنیا پر بادی چھا گئی۔ دیوتاؤں کا پہاڑ اولپس اُبڑ گیا۔ جیو پٹرنے جس کی مرضی سے پلوٹو نے پروسپین کو اغوا کیا تھا سورج کے دیوتا اپالو کو اجازت دی کہ ڈیٹری کو بتائے کہ پروسپین کہاں ہے۔ کیونکہ سورج ہر شے کو دیکھتا ہے۔

ڈیٹری کو جب معلوم ہوا تو اُس نے کہا کہ جب تک اُس کی بیٹی واپس نہ آئے گی وہ دُنیا میں کوئی چیز پیدا نہ ہونے دے گی۔ آخر پلوٹو کو جیو پٹر کا حکم پہنچا اور اُس نے پروسپین کو رتھ پر سوار کر کے زمین کے اندر سے اوپر بھیج دیا۔ لیکن بھینے سے پہلے اُسے انار کھلا دیا۔

ڈیٹری بیٹی سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ پروسپین نے پلوٹو کے زمین دوز عمل میں انار کھایا ہے تو وہ بہت سٹھائی لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس انار کھانے کی وجہ سے پروسپین کو چھ ماہ زمین کے نیچے رہنا پڑتا اور چھ ماہ زمین کے اوپر۔

یہ ہے وہ کہانی جو معبد کے کھنڈرات میں تصویروں کے ذریعے

دکھائی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے۔ کہ جب پروسپین زمین کے نیچے چلی جاتی ہے تو ان ایام میں یونان میں برف باری اور خزاں رہتی ہے۔ اور جب پروسپین زمین سے باہر آتی ہے تو پھر وہاں فصلیں اگتی ہیں، پھول کھلتے ہیں۔ اور بہار کا موسم آجاتا ہے۔

ایسی ہی اور بھی کئی کہانیاں ان معبدوں کے کھنڈروں پر تصویروں کی صورت میں محفوظ ہیں۔ لیکن ان کا بیان ہمارے سفر نامے سے غیر متعلق ہوگا۔ یہ کہانیاں دراصل یونانیوں کے علما اور حکمانے اس لیے وضع کیں کہ وہ ایک خدائے بزرگ و برتر سے واقف نہ تھے۔ ہر مظهر قدرت کی تشریح کے لیے انھیں ایک دیوتا تخلیق کرنا پڑتا۔ جو اس کا منتظم قرار دیا جاتا۔ اور اس طرح دیوتاؤں کی تعداد بڑھتے بڑھتے قیاس سے باہر ہو گئی۔ لیکن رموز قدرت ان گنت ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ اگر تمام دنیا کے درخت قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی تب بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہیں ہو سکتیں۔ عذرا کا مقام ہے کہ اسلام نے دنیا اور انسان کی تخلیق کو کتنی آسانی سے حل کر دیا۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَهُ کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں۔ ہماری بارگاہ میں سر نیاز جھکائیں اور ہماری مقرر کردہ حدود میں رہیں۔ اس طرح دنیا میں ان اوصاف خود بخود قائم ہو جائے گا۔

ہیروڈوٹس ایگیس کا تھیٹر ایک رومن کا بنایا ہوا ہے۔ جو اگلے

۱۶۰ سال بعد مسیح بنوایا تھا۔ جہاں اس زمانے میں ڈرامہ نویسوں کے ڈرامے کھیلے جاتے تھے۔ اب بھی یہ اسی مقصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ڈائینس کا تھیٹر ایکر وپوس کی جنوبی ڈھلوان پر واقع ہے۔ اس میں تقریباً پندرہ ہزار تماثالی بیٹھ سکتے ہیں۔ ایروپس ایک چٹان ہے جو ایٹھنر کی اعلیٰ عدالت کی جگہ تھی۔ جہاں سینٹ پول نے ۵۲ء میں ایٹھنر والوں کے سامنے ان دیکھے خدا پر سیکر دیا تھا۔ پتالیگس میں ایٹھنر والوں کے ملکی اور ملی معاملات کے متعلق اجلاس ہوا کرتے تھے ہوا محل بہت خوبصورت عمارت ہے۔ جو مسیح سے ایک سو سال پہلے تعمیر ہوا۔ یہ ہوا کے دیوتا کو خوش کرنے کے لیے تعمیر ہوا تھا۔ چھوٹا میٹر وپول دسویں صدی میں تعمیر ہوا۔ کپتی کار یا ایک بازنطینی گرجا گھر ہے۔ جو بارہویں صدی میں تعمیر ہوا۔

قدیم قابل دید عمارتوں کے علاوہ یہاں بہت سی جدید قابل دید عمارت بھی ہیں۔ جن میں سب سے بڑی عمارت سٹیڈیم ہے جس میں ستر ہزار تماثالی بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ قدیم زمانے کے تھیٹر تھے۔ جن میں ڈرامے بھی ہوتے اور بہادر یونانی اپنی جو انفرادی کے کرتب بھی دکھاتے تماثالی اپنی جگہوں پر بیٹھے نعرہ ہائے تحسین و آفرین سے ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔

اولمپک کھیلوں میں اول آنے والے کوزیٹون کے پتوں کا تاج پہنایا جاتا، جو یونان میں عزت افزائی کا سب سے بڑا نشان تھا۔ شاہی

محل، پُرانا محل، نامعلوم الایم سپاہی کا مزار، اکادمی، یونیورسٹی اور  
نیشنل لائبریری قابل دید عمارتیں ہیں۔

ان کے علاوہ یہاں بے شمار گرجے اور عجائب گھر ہیں۔ ہر چیز  
دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور ان کو دیکھنے کے بعد بے اختیار یہ  
شعر زبان پر آجاتا ہے

از نقش و نگار درود یوار شکستہ

آثار پدید است صنادید عجم را

گائیڈ نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے یہاں ایک  
آٹکھ والی قوم آباد تھی مگر تاریخ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

## روم (اٹلی)

۲۲ جون کو ایتھنز سے صبح ساڑھے آٹھ بجے ٹی۔ اے۔ اے۔ اے کے ہوائی جہاز میں سوار ہو کر گیارہ بجے کے قریب روم پہنچ گئے۔ اس جہاز میں ساڑھے کے قریب مسافروں کی نشستیں تھیں جو بہت آرام دہ اور گنناوہ تھیں۔ چینی کی بس نے ہوائی اڈہ سے اپنے دفتر تک پہنچانے کے لیے ہر سوار کی سے پانچ سو لیرا وصول کیے۔ ان کے دفتر سے ایک علیحدہ ٹیکسی لے کر ریوالی ہوٹل پہنچے۔ کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ سامان رکھتے ہی کھانا کھا کر نماز پڑھی۔ اور تین بجے بعد دوپہر سفری سٹریس کی موٹر کوچ میں انگریزی دان گائیڈ کی معیت میں بیٹھ گئے۔ اس میں کوئی پچیس سو سواریاں تھیں۔ پندرہ سو لیرا فی کس کرایہ لیتے ہیں۔ جس میں بس کا کرایہ گائیڈ کی خدمات اور اگر کسی جگہ داخلے کا ٹکٹ ہو تو وہ بھی شامل ہوتا ہے

## روم کی تاریخ

روم اٹلی کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ اس کی بابت مشہور ہے کہ اس کی بنیاد رومولس نے ۷۵۳ قبل مسیح رکھی۔ رومولس رومن

دیوتا مزین کا بیٹا تھا۔ اور اُسے ایک مادہ بھڑیلے نے پالا تھا۔ رومیوں نے روم کا شہر دریائے ٹائبر کے بائیں کنارے پر آباد کیا۔ تقریباً ۲۴۳ سال تک یہاں سات بادشاہوں کی حکومت رہی۔ اس کہانی سے مجھے لاہور کی کہانی یاد آگئی۔ جس میں کہا جاتا ہے کہ لاہور اور قصور کی بنیاد راجندر جی کے دو بیٹوں لاہو اور کسوں نے رکھی۔ لاہو نے لاہور آباد کیا اور کسوں نے قصور۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن کہانی سے اتنا ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ روم کو بنے آج ۲۶ سو برس ہو گئے ہیں۔ اسی شہر سے سلطنت روما کا عروج اور زوال وابستہ ہے۔ جس کی وسعت بحیرہ روم سے لے کر بحیرہ اوقیانوس اور بحیرہ بانگ تک تھی۔ انگلستان کا جزیرہ بھی ان کے زیر نگیں تھا۔ اور آج بھی ان کی بنائی ہوئی عمارتوں کے کھنڈرات انگلستان میں موجود ہیں جو لیس سیزر اور اس کے بھتیجے اگسٹس سیزر کے زمانے میں یہ سلطنت اپنے انتہائی عروج پر تھی اور اُس وقت کی مہذب دنیا کا مرکز ہی شہر روم تھا۔ تمام ملکوں کے لوگ آتے۔ کوئی سفیر یا زائر کی حیثیت سے کوئی غلام بن کر، اور کوئی قیدی ہو کر۔ اُس وقت کی عمارت کے کھنڈرات آج بھی اُس زمانے کی عظمت کے شاہد ہیں۔

روم کی مذہبی حیثیت :-

مذہبی حیثیت سے بھی روما کو مرکزیت حاصل ہے۔ شہر ویکین ہیں

واقعہ ہے۔ جس پر عیسائیوں کے مذہبی پیشوا پوپ کی حکومت ہے۔ یہ دنیا کی سب سے چھوٹی، لیکن سب سے مضبوط حکومت ہے۔ اس کا رقبہ صرف ایک مربع میل ہے۔ لیکن اس کا شمار دنیا کے آزاد و خود مختار ملکوں میں ہوتا ہے۔ پوپ رومن کیتھولک عیسائیوں کا سب سے بڑا مذہبی راہنما ہے اور تمام دنیا کے رومن کیتھولک امیر ہوں یا عزیز شاہ ہوں یا گدا پوپ کے احکام ماننے کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق پوپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جانشین ہے اور ان کے تمام گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔ کوئی زمانہ تھا کہ بڑے بڑے بادشاہ پوپ کے احکام کی بجا آوری باعث فخر سمجھتے تھے اور پوپ جسے چاہتا تخت سے اتار یا بٹھا سکتا تھا۔ کسی کو یہ مجال نہ تھی کہ اس کے احکام سے سرتابی کرے۔ لیکن پوپ کا یہ ظلم ایک جرمن پادری لوٹھرنے توڑ دیا۔ اس نے پروٹسٹنٹ فرقہ کی بنیاد رکھی۔ پادریوں نے لوٹھرنے کے حامیوں پر بے حد ظلم و ستم کیے۔ انھیں زندہ جلا دیا گیا۔ قید و بند کی اذیتیں دی گئیں۔ لیکن ان کی تعداد بڑھتی ہی گئی۔ اور آج جرمنی، انگلستان، امریکہ، سوئٹزرلینڈ، آسٹریا اور کئی دوسرے بڑے ممالکوں میں پروٹسٹنٹ کیتھولک عیسائیوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ روم گرجاؤں کا شہر ہے۔ اور یہاں اتنے گرجے ہیں کہ اگر کوئی شخص مہینوں قیام پذیر رہے اور گرجے ہی دیکھتا رہے، تو بھی ختم نہ ہوں۔

## مسیو لینی کا خواب :-

قدیم رومن اپنی بہادری اور تگڑن و معاشرت کے لیے بہت مشہور تھے۔ دوسری جنگِ عظیم سے پہلے جب مسو لینی اٹلی میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوا تو وہ رومۃ الکبریٰ کے خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ روم کو دوبارہ وہی عظمت حاصل ہو جائے جو کبھی سلطنتِ روم کو تھی۔ لیکن اس کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا اور وہ رومۃ الکبریٰ کی حسرتِ دل ہی میں لے کر موت کی نیند سو گیا۔

## اطالوی لوگ :-

فنونِ لطیفہ میں اطالوی لوگ تمام یورپین قوموں سے زیادہ ماہر ہیں۔ گانے اور بجانے میں ان کا مد مقابل ملنا مشکل ہے۔ اطالوی کھانا پکانے اور مہمان نوازی میں بھی اپنی مثل آپ ہیں۔ اسی لیے یورپ کے تمام ہوٹلوں میں اطالوی گویے، سازندے اور منجر پائے جاتے ہیں۔ صنعت و حرفت میں اطالوی لوگ فرانسسیسی، جرمن، انگریز اور دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں۔ تاہم یہاں ریشم کی صنعت اور بجلی کے آلات موٹریں، پنکھے وغیرہ بنانے کا کام اور شراب کی کشید بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ اطالوی زیادہ تر زراعت پیشہ ہیں اور دریائے لمبارڈی کے طاس میں مٹینوں سے کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں۔



## موجودہ روم

اگرچہ روم بہت قدیمی شہر ہے، مگر تین سو سال قبل اس کو وہ اہمیت حاصل نہ تھی جو آج ہے۔ اُس وقت یہ عالم تھا کہ کسی نو وار کو رہنے کے لیے سرائے تک میسر نہ تھی۔ لیکن آج کل ہر سال لاکھوں سیاح اس شہر کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ جن کے قیام و طعام کے لیے کئی شاندار ہوٹل موجود ہیں۔ یہ اپنے تہذیب و تمدن کے اعتبار سے تہذیب یورپ کا گہوارہ اور بحیرہ روم کا قابلِ فخر شہر شمار ہوتا ہے۔ یہاں کی قدیم و جدید عمارات ہر آنے والے سیاح کے لیے ح

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است

کا منظر پیش کرتی ہیں۔ رومن دور کی بڑی بڑی عمارتیں اور دیو پیکر مجسمے موجود ہیں۔ گرجاؤں اور عجائب گھروں میں مشہور ترین بت تراشوں اور مصوروں کی کاریگری کے اعلیٰ ترین نمونے دیکھنے میں آتے ہیں جن سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اٹلی بھر میں پتھر اور کانسی کے ہزاروں بت اور بڑی بڑی خیالی تصویریں موجود ہیں۔ ان میں مشہور ترین سنگتراش بزمینی گزرا ہے۔ اُس کے ہزاروں شاگرد تھے۔ چھنوں نے اُس کی زیر ہدایت و نگرانی لاتعداد شاہکار تیار کیے کہ انسان دیکھتے دیکھتے تھک جاتا ہے۔ مکان عام طور سے چار سے آٹھ دس منزل اونچے ہیں جن پر جانے کے لیے لفٹ ہر جگہ موجود ہے۔ پیازا، بار برینی جو ۱۶۳۳ء میں بنا اور اس قسم کی کئی دوسری عمارتیں فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں۔

سینٹ پیٹرز کا گر جادو دنیا کا رب سے بڑا گر جاتا یا جاتا ہے۔

## بعض قابل دید مقامات :-

ہماری ٹیکسی پیازا بربرینی سے گزر کر بربرینی کے محل کے نیچے پہنچی۔ یہاں سے آگے تھوڑی دور اسی سٹرک پر صدر مملکت کی رہائش گاہ ہے۔ ملیشیا کے برج اور نارجن مارکیٹ سے گزر کر پیازا ونیرا پہنچ گئے۔ یہاں ویٹار نیوٹا معلوم پہاڑوں کی یادگار ہے۔ جسے ہر وہ شخص دیکھنے آتا ہے جو روم میں آئے۔ ایسی ہی یادگاریں یورپ کے ہر بڑے شہر میں بنائی گئی ہیں۔ یہاں سے سٹرک بلند ہو کر کیٹولائن پہاڑی پر چڑھتی ہے۔ جہاں روم کا مشہور عالم چوک (کیپٹل سکوٹر) واقع ہے۔ یہ روم کا تاریخی مرکز ہے۔ یہاں روم کی شاندار اور بینیظیر عمارتیں ہیں چوک میں مارکس اوریلیس کا مجسمہ گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے۔ یہ اطالوی حکمران بہت زیادہ ہر دلعزیز تھا۔ نہ صرف یہ بادشاہ ہی تھا، بلکہ بہت بڑا عالم اور فلاسفر بھی۔ اس کا عہد حکومت رومن حکومت کا پرامن زمانہ تھا۔ اس بادشاہ نے فلسفہ پر کتابیں لکھی ہیں۔ یہ اس بات کا قائل تھا کہ انسان کو ہر آنے والی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیے۔ اور کبھی بھی دنیا کی راحتوں سے خوش نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ دنیا میں دراصل کوئی راحت نہیں۔ اس کا یہ خیال ہمارے اسلامی عقائد کے مطابق ہے کیونکہ اسلام یہی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی ہمیں دنیا کی

آلائشوں سے کنارہ کشی ہی اختیار کرنی چاہیے۔

روم کے پرانے کھنڈرات :-

بادشاہ کے مجسمہ سے آگے تھوڑی دُور پرانے رومن روم کے کھنڈرات شروع ہو جاتے ہیں۔ جو پہاڑی کی ڈھلوان پر دُور تک چلے جاتے ہیں۔ سڑک کے دو رویہ شکستہ ستونوں کی قطاریں کھڑی ہیں۔ کہیں کہیں چبوترے اور اُن پر ٹوٹی پھوٹی محرابیں نظر آتی ہیں۔ جو پرانے زمانے کے مندروں۔ امراء کی قیام گاہوں اور مسافروں کی سراؤں کی یادگاریں ہیں۔

خدا جانے یہ عمارات آج سے دو ہزار سال پہلے کتنی پر عظمت اور عظیم اُشان ہوں گی۔ کیونکہ اُن کے مکین اپنے آپ کو اِس دُنیا کا مالک سمجھ کر طاقت کے نشہ میں خدا کو بھی بھول گئے تھے۔ اور اُن کے لیے رومن دیوتاؤں کو قربانی سے خوش کر لینا ہی نجات کا باعث تھا۔ لیکن آج چند شکستہ دیواریں۔ کچھ پتھر اور ملبہ کے ڈھیر تباہ ہے ہیں کہ بقاصرت اِس ذاتِ بے ہمتا کے لیے ہے اور دُنیا کی ہر شے فانی ہے۔ ایسی لیے اسلام نے اپنے پیروکاروں کو تاکید کی کہ وہ دُنیا سے لونہ لگائیں اور ہر وقت خدا کا خوف دل میں قائم رکھیں، تاکہ اُن میں غرور پیدا ہی نہ ہو۔

خونی اکھاڑا :-

کھنڈرات کی اِس دُنیا سے گزر کر سڑک دوبارہ بلند ہوتی شروع ہو گئی۔

اور ہم کلوزیم کے عجائب روزگار کھنڈرات میں جا پہنچے۔ یہی وہ عالی شان عمارت تھی جو کبھی اہل روما کی سب سے بڑی تفریح گاہ تھی۔ لیکن آج چند بوسیدہ ستون۔ کچھ شکستہ محرابیں اور سیڑھیوں کے سوا کچھ بھی باقی نہیں یہ باقیات حکومت کے محکمہ آثارِ قدیمہ کی تحویل میں ہیں۔ کلوزیم بُت پرست روم کا سب سے بڑا اوپن ایر تھیٹر رکھتی فضا میں بغیر چھت کے تھا۔ جس میں پچاس ہزار تماشائیوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ ایک طرف پتھر کے تھے، جن میں بھوکے شیر اور خو خوار بیل بندرہتے تھے۔ اور دوسری طرف قید خانہ جس میں غلام اور دوسرے ملکوں کے اسیر رکھے جاتے تھے۔ گاہے گاہے اہل روما کی تفریح کے لیے یہاں خونی تماشہ منعقد ہوتا تھا۔

ان کھنڈرات کو دیکھ کر مجھے سکول کا ایک سبق یاد آ گیا۔ روم میں ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ کہ کل تھیٹر میں اجتماع ہو گا۔ اور بہادر اپنی بہادری کے کرتب دکھائیں گے۔ دوسرے دن رومن مرد اور عورتیں رنگ برنگ کے لباس میں بلوس سیڑھیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ انتظامیہ کونسل کے صدر اور ممبران حکام اور اُمراء کے لیے علیحدہ جگہ ہے۔ جب تھیٹر ناظرین سے کچھ کچھ بھر جاتا ہے۔ تو دونوں جوان قیدی اکھاڑے میں اتر کر شمشیر زنی کے کرتب دکھاتے ہیں۔ یہ مقابلہ موت اور زندگی کا سوال ہے۔ دونوں میں سے جو زندہ رہے گا۔ اُسے آزادی مل جائے گی۔ اس لیے اُن کی تلواریں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہیں۔ وہ زخموں سے

چور چور ہو چکے ہیں۔ اکھاڑے کی زمین خون سے لالہ زار بن چکی ہے۔ لیکن وہ لڑ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑتا ہے اور دوسرا اس کے سینے پر بیٹھ کر اس کا گلہ کاٹ دیتا ہے۔ رومن اس خوفناک نظارے سے ذرا بھی نہ پسینے۔ بلکہ تڑپتے اور سسکتے ہوئے جسم ان کی تفریح کا باعث ہوتے۔

شمیر زنی کے بعد ایسے غلاموں کی باری آتی۔ جنہوں نے اپنے آٹا سے یونانی کی تھی۔ انہیں بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جاتا جو ان کی چیخیں بلند ہوتیں۔ رومن نعرہ ہائے مسرت بلند کرتے:

ان کھنڈروں میں ہزاروں بے گناہوں کا خون۔ مرنے والوں کی دردناک چیخیں، اور اہل روم کے نعرہ ہائے مسرت پوشیدہ ہیں۔ اور دیکھنے والے آج اس کا کیا اندازہ کر سکتے ہیں۔

فَاغْتَبِدُوا يَا اُولِي  
الْاَبْصَارِ !

اس کے بعد ہماری ٹیکسی سینٹ پیٹرز کے گرجا۔ ویس کے مندر اور مشہور انگریزی شعرا کیٹس اور شیلے کی قبروں کے قریب سے گزری۔ زراں بعد سینٹ پال کا مشہور عالم گرجا دیکھا۔ جس کا شمار دنیا کے عجائبات میں ہوتا ہے۔ شام کے چھ بجے ہوٹل واپس پہنچے۔ نماز پڑھی۔ کھانا کھایا اور رات کی سیر کے لیے تیار ہو گئے۔

روم کی رات :-

یورپ کے اکثر مشہور شہروں میں وہاں کے پُر رونق بازاروں، قابل

دید مکانات اور میرگاہوں پر بڑے اہتمام سے روشنی کی جاتی ہے۔ اسی طرح روم کی رات بہت مشہور ہے۔ سنا تھا کہ ان عمارتوں میں رات کے وقت روشنی کے دھارے بہتے اور نور کے فوارے اچھلتے ہیں۔ جب آفتاب دن بھر کے سفر کا تھکا ماندہ خانہ مغرب میں آرام لیتا ہے۔ تو روم کا شہر اپنے اصلی حسن سے نقاب اٹھاتا ہے۔ دیوتاؤں کے اس شہر کی پرانی یادگاریں۔ باغات اور حوض نئی زندگی کا جہنم لیتے ہیں جن کے طلسمی جلووں میں تماشائی مسحور ہو جاتا ہے۔ اور دو ہزار سال پرانے واقعات اس کی نظروں کے سامنے جلوہ پیرا ہو جاتے ہیں۔ باغوں، حوضوں، فواروں اور سڑکوں پر بجلی کی روشنی اس طرح چمکتی ہے کہ گویا ہر شے سفید نور میں ملبوس ہے۔ لیکن عملی طور پر دیکھنے سے اس منظر کو دیکھنا پایا۔ کئی بڑی بڑی عمارتوں پر روشنی بالکل ندارد تھی۔ اور کئی سڑکوں پر ضرورت سے کم چراغاں۔ معلوم نہیں یہ عمدتاً تھا یا کسی اور وجہ سے۔ ہم نے بڈرین کا مقبرہ اور سینٹ انجلو کا قلعہ دیکھا۔ دریا ئے ٹاہر کے اوپر سے گزرے۔ بورلیس کے باغات کی سیر کی اور ایمیلیپن ڈے سے ہوتے ہوئے گیارہ بجے شب ہوٹل واپس آکر سو رہے۔

## چاپائے روم -

۳۴ جون کو ناشتر سے فارغ ہو ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک چکر لگا۔ موٹر میں سوار ہو کر وینٹیو سے ہوتے امریکن سفیر کے دفتر کے پاس سے گزرے

یہ نہایت ہی سرسبز اور پُر فضا جگہ ہے۔ سڑک کے دونوں طرف باغات ہیں۔ اس سڑک پر رات کے وقت بھی گزرے تھے لیکن دن کا عالم کچھ اور ہی تھا۔ بورگس باغات میں ایک نگار خانہ ہے، جس میں نہایت ہی قیمتی تصاویر جمع کی گئی ہیں۔ یہاں کی بلندی پر کھڑے ہو کر ہمیں تمام روم نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد ہم پاپائے روم یا اسقفِ اعظم کے وٹیکن محل گئے۔ آج پاپائے اعظم کے محل کی کھڑکی کے باہر ہزاروں عقیدت مند اپنے راہنما کے دیدار کے لیے جمع تھے۔ ہم بھی وہاں ٹھہر گئے تاکہ یہ تماشا بھی دیکھیں۔ جب کھڑکی کھلی اور پاپائے اعظم کی صورت نظر آئی، تمام عقیدت مند جھک کر آداب بجالانے لگے۔ اللہ! اللہ! کس قدر عقیدت تھی ان لوگوں کو اپنے مذہبی راہنما سے!

اسقفِ اعظم کے محل کی تمام فوج سوئٹزر لینڈ کے لوجوانوں پر مشتمل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اطالوی یا رومی افراد پر پوپ کو اعتماد نہ تھا۔ اس لیے اب تک وہی پرانی روایت یونہی چلی آتی ہے۔ اس محل کے تمام پہرہ داروں کا عجیب قسم کی زرق برق درویاں پہن کر وہاں پہرہ دینا بھی اپنے اندر ایک عجیب کیفیت رکھتا ہے۔ غرض دوپہر تک اس حصہ شہر کی سیر کی اور بجے واپس ہوٹل میں آ کر کھانا کھایا۔

## روم کی تفصیل

تین بجے بعد دوپہر ہوٹل سے ہم روم کے اُس حصے میں گئے جو

تجارت کامرکز ہے۔ یہاں زیادہ تر اطالوی تاجروں کی دکانیں ہیں یہ تاجر سب کے سب تھوک فروش ہیں۔ روم کے اس کاروباری حصہ میں بھی بے شمار گرجے ہیں۔ جن میں سینٹ میری کا گرجا جو حضرت مریم کے نام پر بنا ہے، غالباً اپنی قسم کا سب سے بڑا گرجا ہے۔ اس کے علاوہ روم کا گرجا گھر جو تمام دنیا کے رومن کیتھولک عیسائیوں کا مرکزی گرجا ہے یہیں واقع ہے۔ لیکن ان کی عمارتیں سینٹ پال یا سینٹ پیٹرز کے کلیساؤں کی طرح شاندار نہیں۔

ان گرجاؤں سے گزر کر سٹریٹ جون کے دروازے سے شہر کے باہر کو جاتی ہے۔ یہاں پر پرانے روم کی فصیل ہے۔ فصیل پر کہیں کہیں اب بھی برج شکستہ حالت میں موجود ہیں۔ ان میں پہرہ دار اور محافظ رہتے تھے اور آنے والے دشمن اور دوست کی خبر شہر کے حکام کو دیتے تھے جسے اس زمانے میں کونسل کہتے تھے۔ اس سٹریٹ پر موٹر کی سیر نہایت ہی پُر لطف ہوتی ہے۔ کیونکہ سیاح کو یہاں شہر کی گھاگھی نظر نہیں آتی۔ کوئی ایک دو تھاپیل یا موٹر سوار ادھر آگڑرتا ہے۔ جو ان عبرت ناک مناظر کو دیکھنے یہاں آتا ہے۔

## زمین دوز غار :-

دیوار سے کچھ فاصلے پر سٹریٹ اس مقام پر لے جاتی ہے۔ جہاں سینکڑوں سال پہلے کے غار ہیں۔ جو کٹیا کو مبن آف سینٹ کیلکس کے



نام سے مشہور ہیں۔ یہ اُن عیسائیوں کا قبرستان ہے جنہوں نے روم میں سب سے پہلے عیسائیت کو قبول کیا۔ جن پر رومن بادشاہوں، امراء اور ارکان سلطنت نے بے حد ظلم ڈھائے۔ انہیں زندہ جلا دیا گیا۔ بھوکے شیروں کے آگے ڈالا گیا۔ طرح طرح کی سختیاں روا رکھی گئیں۔ لیکن وہ حضرت عیسیٰؑ کے مذہب پر ثابت قدم رہے۔

یہ زمین دوزخاں اس ڈھب کے ہیں کہ یہاں اگر اجنبی مسافر داخل ہو جائے تو اُس کا زندہ واپس آنا تقریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ زمین دوزخاں اتنے پیچیدہ ہیں کہ داخلہ کا دروازہ دوبارہ ملتا ہی نہیں کہا جاتا ہے کہ جب رومن بت پرستوں کے مظالم ان عیسائیوں پر بہت زیادہ ہو جاتے تو وہ ان غاروں میں آکر پناہ گزین ہوتے۔ ان غاروں کو دیکھ کر ہمیں اصحابِ کہف کا وہ غار یاد آ گیا جو ہم نے دمشق میں دیکھا تھا۔

## حق و باطل کی جنگ :-

دینِ حق پر چلنے والوں کو ہمیشہ مصائب کا سامنا رہا ہے اور باطل کی طاقتیں حق سے ٹکرانی رہی ہیں۔ حق و باطل کی یہ جنگ قیامت تک جاری رہے گی۔

ساتویں صدی عیسوی میں جب اسلام کا ظہور ہوا، اور مکے میں چند لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اسلام قبول کیا تو کیا اُس زمانے کے بت پرستوں نے دینِ حق سے روکنے کے لیے اُن پر طرح

طرح کی سختیاں روانہ رکھیں۔ کیا حق کے مُتلاشیوں کو دوپہر کی گرمی میں پتی ہوئی ریت پر لٹا کر اسلام سے باز رکھنے کی کوشش نہ کی گئی؟ عزیز مسلمان مار کی تاب نہ لا کر یہ ہوش ہو جاتے تھے۔ لیکن جب ہوش آتا تو پھر وہی کلمہ حق اُن کی زبان پر جاری و ساری ہوتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سچائی جب ایک دفعہ دل میں گھر کر جائے تو قید و بند کی سختیاں انسان خوشی سے برداشت کر لیتا ہے۔

ان زمین دوز غاروں سے ہو کر ہم روم کی سب سے عظیم شہر کے مناظر سے لطف اندوز ہوئے۔ جو آپسین وے کے نام سے مشہور ہے۔ اسی شہر پر روم کے بانی روموس کا مقبرہ ہے۔ پھر سینٹ بلیچین کے دروازے سے شہر میں داخل ہوئے اور شام کے وقت ہوٹل واپس آ گئے۔

آج ۲۴ جون ہے۔ اور روم میں ہمارا آخری دن۔ صبح ناشتہ سے فارغ ہو کر بورگس کے باغات کی طرف گئے۔ یہاں سے آگے ڈیکین میوزیم (عجائب گھر) کے سامنے سے گزرے۔ یہ زمانہ بھر میں نادرات کا بے مثل ذخیرہ ہے۔ جہاں مُصوّر کی شاہکار، مذہبی تبرکات اور تاریخی عجائبات جمع کیے گئے ہیں۔ اُن میں مشہور روزگار مُصوّر رافیل کے نام پر ایک نگار خانہ ہے۔ جس میں اس مُصوّر کی کاریگری کے نمونے رکھے ہیں۔ کبھی پوپ کے محل کا حصہ تھا۔ لیکن اب اُسے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ ایک حصہ میں پہلے عیسائیوں کے تبرکات، کپڑے، عصا، صلیبیں اور کئی ایک

دوسری اشیاء رکھی ہیں۔ ایک حصے میں عیسائیوں کے پیشواؤں کی  
 تصویریں ہیں، جو بڑے بڑے مُصوّروں نے بنائی ہیں۔ کہیں خوب  
 صورت پر دے ٹنک رہے ہیں، کہیں سنگ تراشی کے نادر  
 شاہکار ہیں۔ کسی کمرے میں جُغرافیے کے نقشے ہیں کہیں جالوز اور پرند  
 ہیں۔ اپالو کا مجسمہ۔ وینس کا بت عزیزیکہ اس عجائب گھر میں زمانہ بھر  
 کی چیزیں جمع ہیں۔ جن کو دیکھ کر ان کی یاد بھلانا ناممکن ہے۔ ۱۲ بجے  
 ہوٹل واپس پہنچے۔ کھانا کھایا۔ کچھ دیر آرام کیا۔ روم کی سیر کے لیے ۳  
 دن بہت ہی کم ہیں۔ لیکن ہمارے پاس اس سے زیادہ وقت نہ تھا۔

## میلان وینس (اٹلی)

۲۴ جون کو تین بجے سے پہلے ایٹیلین کمپنی کے ہوائی جہاز میں سو اہو کر عصر کے قریب میلان پہنچ گئے اور ٹورنگ ہوٹل میں قیام کیا۔ نماز مغرب سے فارغ ہو کر ریلوے اسٹیشن پر گئے۔ بہت ہی بڑا اور عالی شان اسٹیشن ہے۔ خود بخود نیچے اُپر جانے والی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جن پر بیک وقت سیکڑوں انسان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور بغیر قدم ہلانے اُپر سے نیچے اور نیچے سے اُپر چلے جاتے ہیں۔ یہ سب سائنس کے کوششے ہیں اور انسان عقل خدا داد سے کام لے کر نت نئی اور حیرت انگیز ایجادیں کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس اسٹیشن کو مسولینی نے خود بنوایا تھا۔ کہنے کو تو میلان، روم سے دوسرے درجے پر ہے۔ لیکن تعمیر جدید میں یہ اس سے بھی بازی لے گیا ہے۔ ایک عمارت جو اپ تکمیل کے قریب ہے اتنی بلند ہے کہ سر کے پیچھے ہاتھ رکھ کر اس کی بلندی کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اس کی تقریباً تیس منزلیں ہیں۔ بازار اور سڑکیں بڑی فراخ ہر چیز میں ایک باقاعدگی اور سلیقہ۔ دکانداروں میں چیزیں سجاسنے کا قرینہ اور گاہک سے گفتگو کرنے کا ایک خاص ملکہ ہے۔ جس میں مغرب کے لوگ خوب ماہر

ہیں۔ اس کی ہمارے ملک میں خاصی کمی ہے۔

امریکن سیاحوں کی پارٹیاں ہر جگہ دیکھنے میں آئیں۔ بغداد، دمشق، بیت المقدس، بیروت، استنبول، ایتھنز، روم اور میلان۔ جہاں بھی گئے سیکڑوں کی تعداد میں تاریخی مقامات اور مناظر دیکھنے اور ان کے فوٹو لینے میں مصروف پائے۔ برطانیہ اور کینیڈا کے لوگ بھی دیکھے۔ مگر امریکنوں سے بہت کم۔ معلوم ہوتا ہے کہ سینڈووائی الاکرسن کے فرمان کو امریکنوں نے اپنا لیا ہے۔ اگر یہ چند ایک اور اسلامی اصولوں پر عامل ہو گئے تو حقیقت میں دنیا ان کے ہاتھ میں ہو گی۔

سٹیشن کے قریب ہی ایک ٹریول کمپنی سے میلان کی سیر کے ٹکٹ خریدے اور بذریعہ ریل وینس جانے کے لیے سیکنڈ کلاس کی تین نشستیں مخصوص کرائیں۔

۲۵ جون کو صبح لوبجے یہاں کے تاریخی اور قابل دید مقامات دیکھنے کے لیے ایک انگریزی دان گائیڈ کے ہمراہ موٹر کوچ میں وارن ہونے پیازا ڈوموشہر کے عین وسط میں ہے اور یہاں کی تجارتی اور صنعتی زندگی کا سب سے سرگرم مرکز ہے۔ اس کا موجودہ نقشہ ۱۸۶۱ء میں تیار کیا گیا تھا۔ جسے ایک ماہر فن تعمیر جی منگوتی نے تیار کیا تھا۔ یہ گو تھک فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ پیازا ڈیلا سکا اور کار تھیٹر پڑانے اور نئے فن تعمیر کا بہترین آمیزہ ہیں۔ اس کے ساتھ ہی تھیٹر کا عجائب گھر ہے۔ اس کے بالمقابل پیازو مرینو کی شاندار عمارت ہے۔ جو ۱۵۵۳-۵۵ء میں تعمیر ہوئی۔

۱۸۶۶ء سے یہ عمارت ٹاؤن ہال کا کام دے رہی ہے۔ لینارڈ ڈوروس جو مشہور ترین اطالوی مجسمہ ساز اور مصور گذرا ہے، کا مجسمہ چوک کے مرکز میں ہے۔ ساں با بیللا کا گر جاملان کی سب سے پرانی عمارت ہے اور دریا دورینی سب سے پرانی سڑک۔ کرو سوڈمی پور ٹاؤن اور یا بہت بڑی شاہراہ ہے۔ جو شہر کے مرکز سے تھوک فروش منڈی تک جاتی ہے اور وہاں سے ہوائی اڈے تک۔ پیازو سورمانی آج کل شہر کی لائبریری کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔ بائیں ہاتھ سان پیرو کا گر چلے اور اس کے مقابل ایوان انصاف ہے۔ چوک میں ایس فرانسس کا مجسمہ نصب ہے جو ۱۳۸۷ء میں بنا۔ سٹیا دگلی سنڈی یونیورسٹی کا مرکز ہے اس علاقے میں اعلیٰ تعلیم کے مراکز ہیں۔ پیازا ڈو کا ڈواسٹا مرکزی اسٹیشن ہے جہاں سے نئے کاروباری مرکز کو راستہ جاتا ہے۔ جو جدید طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ اس سے آگے بڑھیں تو میلان کی فلک بوس عمارتیں اور بڑے بڑے ہوٹل ہیں۔ ریاستیں سرسبز و شاداب سڑک ہے۔ جس کے ایک طرف باغات ہیں۔ محکمہ مایات کا دفتر یہیں پر ہے۔ اسی بازار میں کئی دفاتر کی جدید عمارتیں ہیں۔

ان سے ذرا آگے بڑھیں تو قبرستان کی وسیع چار دیواری آجاتی ہے۔ جس کے ساتھ ہی باغات کا ایک سلسلہ ہے جو پارک کے نام سے مشہور ہے۔ یہ باغات ۱۸۹۳ء میں فن تعمیر کے ایک مشہور ماہر نے بنائے تھے۔ ان باغات میں درخت کچھ زیادہ نہیں لیکن مزین گیاریاں اور پھول

کچھ اسی ترتیب سے آراستہ کیئے گئے ہیں۔ کہ دیکھنے والے مجوسیرت  
 رہ جاتے ہیں۔ ان کے درمیان روم کے ایٹمی تھیٹر کی طرح کا ایک  
 اکھاڑہ بنا ہوا ہے، جس میں کھیل اور تماشے منعقد ہوتے ہیں۔ اور ناظرین  
 ایٹمی تھیٹر کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر دیکھتے اور مخطوطا ہوتے ہیں۔ پارک کے  
 بالکل ساتھ ایک عالی شان گنبد لوہے اور سیمینٹ کا بنا ہوا ہے۔ جس کی  
 بلندی تقریباً ساڑھے تین سو فٹ ہے۔ اس گنبد کے قریب بہت اونچی  
 محراب تعمیر کی گئی ہے جو دوسری جنگ عظیم کے خاتمے اور امن کی یادگار ہے

## میلان رات میں :

بارہ بجے آکر کھانا کھایا، اور قدرے آرام کیا۔ بعد شام ٹسکی لے  
 کر ہم شہر کی سیر کو نکلے۔ یورپ کے شہروں میں دن بھر ان لوگوں کی  
 گھاگھی رہتی ہے۔ جو زیادہ تر صنایع، کاریگر یا تجارت پیشہ ہیں۔ یہ  
 اپنے کام کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں اور ایسا معلوم  
 ہوتا ہے کہ ہر شخص پر ایک دھن سوار ہے اور اسے کسی اور کا خیال  
 نہیں۔ لیکن رات کا منظر بالکل مختلف ہوتا ہے۔ کاروبار ختم ہو چکے ہیں  
 مرد اور عورتیں اب تفریح کے لیے نکلتے اور ہوٹلوں، تھیٹروں، سینما  
 گاہوں کا رخ کرتے ہیں۔ دکانیں خواہ وہ جنرل مرچنٹس کی ہوں  
 یا کیفے یا قہوہ خانہ یا ہوٹل سب دلہن کی طرح آراستہ ہیں۔ اور بجلی کے  
 تقفے کچھ ایسے جاذب نظر کہ گزرنے والے اباے اختیار ان کی طرف دیکھتا ہے

اور اپنے آس پاس سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ ہوٹلوں، قہوہ خانوں اور سینما گھروں میں موسیقی کے شائقین جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اکل و شرب کے ساتھ رقص و نعمات سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بازاروں اور قہوہ خانوں کی یہ چہل پہل آدھی رات گئے تک قائم رہتی ہے۔ پھر لوگ اپنی قیام گاہوں کو واپس لوٹ جاتے ہیں۔ ہم کافی دیر تک شہر کے چراغاں کا نظارہ کرتے رہے اور پھر واپس ہوٹل میں آگئے۔

۲۶ رجون کو وینس جانے کے لیے پابجے بعد دوپہر کی گاڑی میں ہماری سیٹیں مخصوص تھیں۔ احتیاطاً ہم لوگ ایک گھنٹہ پہلے اسٹیشن پر جا دھکے۔ پلیٹ فارم پر گاڑی تو کھڑی تھی لیکن کوئی آدمی موجود نہ تھا کئی ایک سے اپنی جگہ کے لیے دریافت کیا۔ لیکن ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ ابھی بہت وقت ہے۔ مقررہ وقت پر ڈیوٹی والے لوگ آئیں گے۔ تو آپ کو جگہ بتا دیں گے۔ گاڑی کے روانہ ہونے سے پندرہ منٹ پیشتر مسافر آنے شروع ہوئے۔ ہم بھی اپنی سیٹوں پر جا بیٹھے اور گاڑی وینس کو روانہ ہو گئی۔

## وینس کی سیر:

ڈریٹھ بکے گاڑی میلان سے روانہ ہوئی۔ تمام گاڑیاں آرام دہ اور کاؤچ نما کرسیوں سے آراستہ تھیں۔ پہلے دوسرے اور تیسرے درجے میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا۔ لوگ آتے اور اطمینان سے گاڑی میں



سوار ہو جاتے۔ وہ دھککا پیل اور نفا نفسا نفسی جو ہمارے ہاں اکثر دیکھنے میں آتی ہے، یہاں پر نظر نہ آتی۔ دس پندرہ منٹ تک گاڑی میلان کے مضافات اور ٹیکسٹیوں سے گزرتی رہی۔ بعد ازاں ہری ہری فصلیں، قطار در قطار پھلوں اور پھولوں سے لدے ہوئے باغات نہریں، بڑی اور چھوٹی پختہ سڑکیں نظر نواز ہوئیں۔ کسان اور ان کی گھر والیاں اُجلے اور صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس جدید طریق کاشت میں مصروف کار تھیں۔ زمین کا ایک چپہ بھی تو ایسا نظر نہیں آیا جو ان کی نظر چرا کر سونا اُگلنے سے رہ گیا ہو۔ تمام فصلیں پودے اور درخت سرسبز و شاداب تھے۔ متعدد مقامات پر خود بخود دائیں بائیں فوارے آبپاشی کر رہے تھے۔ دامن کوہ میں جھیلیں تھیں۔ یہ تمام سماں مجھے کافی عرصہ تک عجوبت بنانے کے لیے کافی تھا۔ اس پر ہلکے ہلکے بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا اٹھلا کر زمین سے سرگوشیاں کرنا۔ بادلوں کی اوٹ میں سورج کا آنکھ چھولی کھینا۔ اور کبھی کبھی بوند باندی اور پھولار کا پڑنا عجیب و غریب منظر پیش کر رہا تھا۔ جن سے متاثر ہو کر میں نے میرا نیس کے حسب ذیل شعر گنگنانے شروع کر دیے

سبزہ سے پاک فریش زمرد نگار ہے  
شاخیں جھکی ہوئی ہیں یہ پھولوں کا ہار ہے  
زگس کو جامِ وحدت حق کا خسار ہے  
دل خود بخود بہار کا باغ و بہار ہے

کس شوق سے گلؤں کے دہن چوم چوم کے  
 سبزے کو روندتی ہے صبا جھوم جھوم کے  
 وہ سرخی شفق کی ادھر چرخ پر بہار  
 وہ بار و درخت، وہ صحرا، وہ سبزہ زار  
 وہ رونق اور سرو ہوا، وہ فضا، وہ نور  
 خشکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور  
 انساں زمیں پہ محو، ملک آسمان پر  
 جاری ہے ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

یہ منظر آخر سفر تک اسی طرح چلتا رہا۔ یہاں تک کہ سمندر کا ایک  
 بڑا پاٹ آگیا۔ جس کے لمبے چوڑے ٹیل کو گاڑی فراتے بھرتی ہوئی عبور  
 کر کے وینس جا پہنچی۔ اسٹیشن پر اترے۔ قلی سے سامان اٹھوایا۔ کئی ہوٹلوں  
 کے نمائندے موجود تھے۔ ہم نے یورپا ہوٹل جانے کا منشا ظاہر کرتے  
 ہوئے نمائندہ ہوٹل سے کہا کہ سامان کسی گاڑی میں رکھو ادے۔ اس  
 نے بتایا کہ یہاں کسی قسم کی کوئی گاڑی چھوڑ سائیکل تک نہیں ہوتی کشتیاں  
 پھوسے اور موٹر لائچ ہی چلتے ہیں۔ اسٹیشن سے باہر نکلے تو موٹر لائچ  
 موجود پائی۔ سامان رکھوا کر بیٹھ گئے۔ جس نے دس منٹ میں ہوٹل کے  
 دروازے پر لاکھڑا کیا۔ سامان اتروانے کے بعد یہاں کی سیر کے متعلق  
 معلومات حاصل کیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں سے تھامس گلک کے دفتر  
 میں کشتی آپ کو چھوڑ آئے گی۔ جہاں سے انگریزی دان گائیڈ مشہور اور

قابل دید مقامات دکھائے گا۔ وقت سے پانچ منٹ پیشتر دفتر میں پہنچے۔ مگر ابھی وہ بند تھا۔ اتنے میں بارہ یورپین اپنی لیدیز کے ہمراہ وہاں آکر جمع ہو گئے۔ پورے دو بجے دروازہ کھلا، اور ساتھ ہی ونسٹن چرچل سابق وزیر اعظم برطانیہ کے خلیے اور جاسمیت کا ایک خواہ مخواہ مرد معتبر نمودار ہوا۔ اور کہنے لگا کہ "انگریزی جاننے والے حضرات میرے ساتھ چلے آئیں۔"

دیس نہروں اور پولوں کا شہر ہے۔ اس میں ۱۵۰ نہریں اس طرح رواں ہیں جس طرح ہمارے ہاں سڑکیں۔ تانگوں اور موٹروں کی بجائے کشتیاں چلتی ہیں۔ کناروں پر پیدل چلنے کے راستے ہیں۔ اور تقریباً ساڑھے چار سو میل آریار جانے کے لیے بنے ہوئے ہیں۔

دیس بہت پرانا اور مشہور شہر ہے۔ ایک وقت تھا کہ یہ شہر عالمی منڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب سمندری راستے دریافت نہ ہوئے تھے۔ عرب کے تاجر مشرق کے گرم مسالے اور دوسری چیزیں دیس میں لاتے اور یہاں کی چیزیں یورپ کے دوسرے ملکوں میں لے جاتے۔ لیکن یورپ نے اس کاروبار میں عربوں کی مداخلت کو پسند نہ کیا۔ اور مشرق کی اس تجارت پر قبضہ کرنے کے لیے انہوں نے سمندری راستے دریافت کرنے شروع کر دیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بحری تجارت بلکہ پورے مشرق پر ان کا قبضہ و اقتدار قائم ہو گیا۔

دو گلاس فیکسٹریاں دیکھیں۔ جہاں شیشے کو بھٹی میں گھلا کر گلاس جگ، ٹی سیدٹ اور کافی سیدٹ اور دیگر ہر قسم کے نہایت خوبصورت اور مختلف رنگوں میں برتن بنائے جا رہے تھے۔ شوروم قرینے سے بچے ہوئے اور مال سے بھرے ہوئے حریص نظروں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ دونوں کارخانوں میں ہم نے "علم شے بہ از جہل شے" پر عمل کرتے ہوئے دو ایک چیزوں کی قیمت دریافت کی۔ جب واپس لوٹنے لگے۔ تو سیل گرل نے کہا کہ اگر قیمت زیادہ معلوم ہوتی ہو تو میں مالک سے کہہ کر کم کرائے دیتی ہوں۔ یہ سودا بازی سرزمین اٹلی کے ماحول کے مطابق تھی۔

### رات میں وینس :

چھ بجے کے قریب ہوٹل واپس آئے۔ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا اور "رات میں وینس" کا منظر دیکھنے چلے گئے۔ اس سیر کا نام "گنڈولہ" کہلاتا ہے۔ ایک کشتی بجلی کے مختلف رنگوں کے قمقموں سے بقیعہ نور بنی ساز بجاتی ہوئی آگے آگے چلتی ہے۔ جس کے دیس اور بائیں دوسری بڑی خوب صورت کشتیاں الگ الگ ٹولیلوں کو لے کر ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ ہم تینوں ایک علیحدہ کشتی میں سوار ہوئے۔ غرضیکہ جو دیکھنا تھا وہ بھی دیکھا اور جو نہ دیکھنا تھا اُسے بھی دیکھنا پڑا۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب یہ مجلس ختم ہوئی اور ہم ہوٹل میں آ کر سو رہے۔ ۲۴ جون کو صبح ۱۰ بجے ناشتہ کر کے موٹر لائچ کے ذریعے اسٹیشن پر گئے اور گاڑی پر سوار ہو کر ۱۱ بجے میلان پہنچے۔ اور ٹورنگ

ہوٹل میں قیام کیا، جہاں پہلی بار ٹھہرے تھے۔ کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھی اور ہالینڈ اور بنجیم کونسل کے دفاتر یا سپورٹ ویزا کرانے چلے گئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر جینوا جانے کے لیے ٹی۔ ڈبلیو۔ اے ہوائی چینی کے دفتر گئے۔ معلوم ہوا کہ صرف انھی کے ہوائی جہاز جینوا جاتے ہیں اور وہ بھی ہفتہ میں چار بار۔ اب ہماری روانگی ۲۹ کی دوپہر سے پہلے نہیں ہو سکتی تھی۔ بہر حال اس میں نشستیں محفوظ کرالیں۔ اس جبری قیام سے طبیعت بہت مُنغض رہی۔ دوپہر کو ٹیکسی لے کر شہر کے اندر اور باہر ایک اور چکر لگایا۔ سینٹ پیٹرز کی چھٹی کے باٹ آج تمام دفاتر بند تھے۔ ریلوے اسٹیشن پر گئے۔ جہاں انفارمیشن آفس سے بات چیت کر کے ڈوبجے دوپہر ہوائی جہاز کے ذریعے جینوا کی نشستیں کنسل کرادیں۔ اور اس کی بجائے ۲۹ جون صبح ساڑھے چھ بجے ریل گاڑی کے ذریعے مونٹرس روانہ ہو گئے۔ یہ سرزمین سوئٹزر لینڈ میں واقع ہے۔

انٹلی میں جب تک رہے، ہر وقت اپنی جیبوں کی خبر گیری رکھنی پڑی۔ اگر کوئی قدرے اتنیفات سے پیش آیا، تو اُسے مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ کیونکہ اس ملک کی شہرت بہت ہی خراب ہے۔ کہتے ہیں کہ دُنیا بھر میں سب سے زیادہ مشاق اور چالاک جیب تراش یہیں کے ہیں۔ جو بڑی صفائی سے جیب کاٹ کر فرار ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز پیشہ ور جیب تراشوں پر ہی منحصر نہیں۔ بلکہ یہاں کے دکاندار بھی ایسے ہیں کہ کبھی ایک مول نہیں کریں گے کسی شاعر کا یہ شعر ان پر خوب صادق آتا ہے۔ ہوشیار یار جانی یہ دشت ہو ٹھکوں کا بے یال تک نگاہ چوک اور مال عاشقوں کا الحمد للہ! ہمیں ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔

## سوئٹزرلینڈ

۲۹ جون کو میلان سے صبح ۱۰ بجے گاڑی پر سوار ہو کر ۱۰ بجے مونٹرکس پہنچ گئے۔ وینس کو جاتے ہوئے کچھ اور مناظر سڑور قلب و نظر کا باعث بنے تھے اور ادھر کچھ اور ہی منظر ہیں۔ وینس کو جانوالا راستہ اکثر ہوائی ہے۔ مگر یہ علاقہ بیشتر پہاڑی ہے۔ اچھا خاصہ سرسبز پانی کی افراط، آبشاریں جاری۔ مضافات کے چھوٹے چھوٹے گاؤں اگرچہ عزیانہ کھیریل کی چھتیں، مگر صاف ستھرے۔

آج صبح تنگی وقت کے باعث ناشتہ نہ کر کے تھے۔ اس لیے چلتی ٹرین میں ہی ایک لڑکی ریڑھی لیے ہوئے آئی۔ جس میں چلنے وغیرہ موجود تھی ایک ایک گلاس چائے اور کچھ بسکٹ کھا کر الحمد پرھی۔ مونٹرکس میں نیشنل ہوٹل میں قیام کیا۔ ہوٹل اچھا ہے۔ مگر کافی گراں۔ اترتے ہی کھانا کھایا۔ ٹھہر کی نماز پرھی اور دو بجے کے قریب ٹیکسی لیکر سارے شہر میں گھوم آئے۔

## مونٹرکس کی سیر:

یہ شہر سمندر کے کنارے دامن کوہ میں واقع ہے۔ اور گھڑیوں کی ساخت

کے لیے مشہور ہے۔ شہر بڑا ہی خوش منظر ہے۔ ہر طرف پھول سی پھول  
 اگرچہ تمام علاقہ پہاڑی ہے۔ لیکن بیسیوں سڑکیں موجود ہیں۔ کہیں ٹریک  
 جاری ہیں اور کہیں موٹریں اور بسیں گھوم رہی ہیں۔ ایک طرف دس دس  
 پندرہ پندرہ منٹ کے بعد ریل گاڑیاں گزر رہی ہیں، تو دوسری طرف  
 دُخانی جہاز دُھواں اُڑاتے جا رہے ہیں۔ غرضیکہ یہاں کی ہر چیز دلکش  
 اور حسین ہے۔ یہ شہر تو چند روز تک رہ کر ہی دیکھنے کے قابل ہے۔

## قدیم بند کی خانے :

ایک چٹان کی چوٹی پر ایک پرانا قلعہ بنا ہوا ہے۔ جسے سائے میں  
 وسیع کیا گیا تھا۔ اس میں اُس وقت کے حکمرانوں کے فرنیچر اور چند ایک  
 جنگی آلات بھی موجود ہیں۔ قیدیوں کو اذیت دینے کی جگہ اور بند کی خانے  
 بھی دیکھے۔ جہاں زندہ انسانوں کو کاٹھ مار کر باندھ دیتے تھے۔ اور وہ  
 بیچارے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دیا کرتے تھے۔ اُن کی ایڑیوں کی  
 رگڑ سے کسی جگہوں پر گڑھے سے پڑ گئے ہیں۔ جو اُس دور کی وحشت  
 و بربریت کی یاد دلاتے ہیں۔

راچر ڈی نامی پہاڑی پر بھی گئے جو مونٹرکس سے چند میل کے  
 فاصلے پر واقع ہے۔ بڑا خوشنما اور دل فریب منظر ہے۔ چونکہ یہ سب سے  
 زیادہ بلند مقام ہے۔ اس لیے یہاں سے مونٹرکس اور اس کے مضافات  
 کا نظارہ قابل دید ہے۔ آب و ہوا بڑی خوش گوار اور صحت بخش ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں صحیح معنوں میں خوشبو میں بسی ہوئی ہوا میں چلتی  
 ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک ریسٹورنٹ میں چائے پی۔ اب شام ہو گئی تھی  
 اور کوئی چیز دیکھنے والی بھی باقی نہ تھی۔ اس لیے واپس آگئے۔ پسر  
 عبدالحی کے لیے ایک گھڑی درکار تھی۔ چند ایک کی قیمت پوچھی۔ محکمانہ  
 نے کہا کہ یہ اٹلی نہیں ہے کہ مقررہ قیمت میں کمی ہو سکے۔ لیکن اس کے  
 باوجود دس فیصدی کم پر سودا ہو گیا۔ رات سیر کرنے کے بعد اگلے دن  
 صبح بحری جہاز میں جینوا کو روانہ ہو گئے۔

## جینوا کی سیر:

ہمارا جہاز ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ اور سرسبز پہاڑ  
 ایک عجیب و غریب منظر پیش کر رہے تھے۔ جہاز مختلف پندہ اسٹیشنوں  
 پر ٹھہرا۔ جن میں ایک لوسرن بھی تھا۔ یہ اچھا خاصا پُر رونق اور قابل دید  
 مقام ہے۔ ۱۲ بجے کے قریب ہم جینوا پہنچ گئے۔ کھانا جہاز میں ہی کھایا  
 تھا۔ جہاز سے اترتے ہی سامنے کھڑی ٹریول کمپنی کی موٹر کوچ میں سوار ہو کر  
 شہر اور دیگر تاریخی مقامات دیکھنے کے بعد ۲ بجے واپس آ کر سوس ہوٹل  
 میں قیام کیا۔ یہ ہوٹل ریلوے اسٹیشن کے قریب ہی ایک پُر رونق ٹرک  
 پر واقع ہے۔ سامان کھولا۔ ہاتھ منہ دھو کر ٹھہر کی نماز پڑھی اور سیر کے  
 لیے نکل گئے۔



## تار چلنے والی ریل :

چھ سات میل دور فرانس کی سرحد آپہنچی۔ جہاں پاپپورٹ دکھا کر کیبل ریلوے پر سوار ہو گئے۔ یہ فولاد کی تاروں پر ریل کے ڈبے کی طرح بنی ہوئی ہے۔ یہ جگہ فرانسیسی حدود میں واقع ہے۔ ریل کے ڈبے ان فولاد کی تاروں پر بجلی سے چلتے ہیں۔ اور دو ہزار فٹ بلند پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہاں ہم نے پوسٹ کارڈ خریدے اور فرانس کے ٹکٹ لگا کر انھیں سپروڈاک کیا۔

اس ڈبے میں سوار ہو کر دو ہزار فٹ اوپر چڑھنے کا نظارہ بھی عجیب کیفیت رکھتا ہے۔ سواریوں میں مرد کم، لیڈیز اور بچے زیادہ تھے۔ جب یہ ڈبہ بلندی کے وسط میں پہنچا تو کئی لیڈیز اور بچے نیچے دیکھنے سے ہول سا محسوس کرنے لگے۔ پہاڑی کی چوٹی پر قضا اور بڑی خوشگوار تھی چند قدم پر سوئٹزر لینڈ کی حکومت تھی۔ اور ادھر فرانس کی۔ ساڑھے پانچ بجے ریل گاڑی کی سپر کر کے واپس ہوئے اور راستے میں ڈکانوں کی سیر کرتے ہوئے ہوٹل پہنچ گئے۔

## جینیوات میں :

مغرب کی نماز پڑھ کر ایک ٹیکسی لے کر جینیوا کا منظر شہینہ دیکھنے نکل کھڑے ہوئے۔ عام ڈکانیں اگرچہ بند تھیں۔ لیکن باہر شوکیوں میں بڑے

قرینے سے سامان آراستہ کر کے سلیقہ سے عجائب خانے کا منظر بنا رکھا تھا۔ رنگ برنگ سائن بورڈوں کی جگہ گاہٹ بڑی پر لطف تھی۔ جینوا کا ایک ایک بازار اور گلی دیکھی۔ یہاں سے ہم سمندر کی طرف چلے گئے۔ بجلی کے لاکھوں بلیوں کی قطار در قطار روشنی ایک عجیب پر کیف حلقہ بنانے ہوئے تھی۔ گرمی کافی تھی۔ سیکڑوں زن و مرد جانگئے پہنے اپنی اپنی دھن میں مست چہل باز یوں میں مصروف تھے۔ چونکہ سب ایک ہی حمام میں ننگے تھے۔ اس لیے ایک دوسرے کی موجودگی کو کوئی محسوس ہی نہیں کرتا تھا۔

یہ چھوٹا سا ملک بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ سمندر سے بہت دور ہے۔ اور چاروں طرف سے یورپ کی بڑی بڑی ریاستوں میں گھرا ہوا ہے۔ لیکن سب ریاستوں سے اس کے تعلقات خوشگوار ہیں۔ یہاں کی سرکاری زبانیں چار ہیں۔ جرمنی، فرانسیسی، اطالوی اور رومنس۔ اور ان زبانوں کے بولنے والے علیحدہ علیحدہ حصوں میں قیام پذیر ہیں۔ کوئلہ اور لوہا یہاں نہیں ملتا۔ بلکہ باہر سے منگوایا جاتا ہے۔ پہاڑی ندی نالوں سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ جو کارخانے چلانے اور گھریلو ضروریات کے لیے کافی ہے۔ کھانے پینے کی اشیاء بھی باہر سے منگوانی جاتی ہیں۔

دوسری عجیب بات یہاں کے بینک ہیں۔ جن کی تعداد ۳۹۳ ہے گویا ہر تیرہ سو آدمیوں کے لیے ایک بینک ہے۔ یہ بینک یہاں کے

تاجروں اور صنّاعوں کی ہر ممکن مدد کرتے ہیں۔ جس سے یہاں صنعت و حرفت کا بازار گرم ہے۔ گھڑیاں بنانے کے کارخانے دیکھنے کا وقت نہ تھا۔ جو زیادہ تزیّن میں ہیں۔ تاہم یہ صنعت وہاں بہت ترقی پر ہے۔ جیسے سیالکوٹ میں کبھی کھیل کا سامان ہر گھر میں تیار ہوتا تھا۔ ایسے ہی یہاں گھڑیوں کے پرزے بنانے کا کام ہے۔ اور لاکھوں کارگر اس صنعت سے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ یہاں کے باشندے نہایت شائستہ اور مہذب ہیں۔ اور حسن اخلاق سے لوگوں کو اپنا گردیدہ بناتے ہیں۔ خود پر امن ہیں اور یہی باعث تھا کہ دوسری جنگ عظیم میں جب کہ جرمنوں نے سارے یورپ کو روند ڈالا۔ سوئٹزر لینڈ بالکل محفوظ رہا۔ اور یہاں کے کارخانے امن کے زمانے کی طرح کام کرتے رہے۔

یہاں ایک اور منظر دیکھنے میں آیا کہ سمندر میں ایک فوارہ بنا کر اس میں بجلی کی روشنی کی ہوئی تھی۔ جس میں چار سو فٹ کی بلندی تک پانی پھیل کر عجیب پر لطف منظر پیش کر رہا تھا۔

۲ جولائی کو ناشتہ سے فارغ ہو کر بیجے کے قریب سوس ایر کمپنی میں زیورچا جانے کے لیے نشستیں مخصوص کرائیں۔ ایک ٹیکسی لیکر گھڑیوں کی چند ایک دکھائیں اور ایک الارم والی رسٹ و ایچ خریدی تاکہ مطلوبہ وقت کی اطلاع ہو جایا کرے۔ لیکن بقول مولانا حالی مرحوم سے

گھڑیاں رہتی ہیں جن کی جیبوں میں مدام  
اکثر نہیں وہی وقتوں کے کھولنے والے

## جمعیۃ الاقوام :

جینوا بڑا خوبصورت اور بین الاقوامی شہرت کا حامل شہر ہے۔ یو  
این۔ او کے قیام سے پہلے جمعیۃ الاقوام کے دفاتر یہیں پر تھے جسے  
کفن چوروں کی انجمن کہا جاتا تھا۔ اور ع

بہر تقسیم قبور لکھنے ساختہ اند

کی مثال اس پر صادق آتی تھی۔ یہاں کا ہوائی اڈہ بڑا عظیم الشان ہے  
جس میں دنیا بھر کے ہوائی جہازوں کی آمد و رفت کا ہر وقت تاننا بندھا  
رہتا ہے۔ ایک طرف بڑی خوب صورت بھیل ہے۔ اور دوسری طرف  
ایلیس کے سرسبز پہاڑ ہیں۔ بڑے بڑے خوب صورت باغ ہیں جن میں  
خوب صورت عمارتیں لگنے کی طرح جڑی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ پھولوں  
کی وہ کثرت کہ قدرتِ خدا یاد آئے۔ اگر اسے پھولوں کا شہر کہا جائے  
تو بے جا نہ ہوگا۔ ہر منظر جنتِ نگاہ ہے۔ اہل قلم، شعراء اور آرٹ کے  
ولدادگان کے لیے یہ شہر ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اور اس کے قدرتی  
دلکش مناظر اور دلپذیر فضا سے متاثر ہو کر ہی یورپ کے اکثر مفکرین یہیں جمع  
ہو کر اہم ملکی امور پر غور و فکر کیا کرتے ہیں۔ یہی وہ شہر ہے جہاں دنیا بھر کی  
سیاسی گتھیاں سلجھانی یا ابجھانی جاتی ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ بھی برسوں سے یہیں  
رگید اجار ہا ہے۔ خواہ "تاریق از عراق آرد وہ شود مارگزیدہ مر وہ شود"  
والی مثال ہو جائے۔ چار بڑے یعنی روس، انگلستان، امریکہ اور فرانس  
کے اعلیٰ حکام یہیں مجلسِ قیل و قال گرم کرتے ہیں۔ اس عمارت کو بھی دیکھا

جہاں اُن کی اکثر مجلس مذاکرہ منعقد ہوتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تمام فیصلے بارگاہِ الہی سے ہی صادر ہوتے ہیں۔ صرف نیک و بد کی جزا و سزا کے لیے نظرِ بظاہر اس کا عمل قدرتِ کسی کے ہاتھوں ظہور پذیر کر دیتی ہے۔ جس کی سیدھی مثال یوں ہے کہ کسی درویش صفت انسان کا تکیہ کلام تھا کہ ”جو کرتا ہے خدا کرتا ہے“ ایک بداعتقاد مسخرے نے پیچھے سے اُس درویش کے ایک لٹھ رسید کر دیا درویش نے مڑا کر دیکھا تو مسخرے نے کہا ”دیکھتے کیا ہو، جو کرتا ہے خدا کرتا ہے“ درویش نے جواب دیا ”بیشک جو کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے لیکن میں نے تو صرف یہ دیکھا تھا کہ اس کرنے میں اس نے کس کا مُنہ کالا کیا ہے“ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے انسان کو عقل عطا کر کے جزا و سزا کا مستوجب ٹھہرا دیا ہے۔ صرف وہی انسان سزا و جزا کا مستحق ہو سکتا ہے جو تمیز کرنا جانتا ہے۔ ہر انسان کے اعمال سے خداوند کریم ضرور واقف ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے نفع و نقصان سے باخبر ہوتا ہے۔

۲۷ جولائی کو ہمیں ساڑھے گیارہ بجے کے ہوائی جہاز پر زیورج جانا تھا۔ لیکن یہ نیویارک سے ہی لیٹ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ساڑھے پانچ بجے جینوا سے سوار ہوئے اور چھ بجے زیورج پہنچ گئے۔

**زیورج کی سیاحت :**

سوئٹزرلینڈ میں یہ سب سے بڑا صنعتی۔ زرعی۔ تجارتی اور پیداوار

متحضر شہر ہے۔ کاروبار کی وہ ہمہ ہی کہ الامان ! مگر بغیر شور و غل کے۔  
 دورِ حاضر کی ہر قسم کی جدید ترقیات کا حامل، صنعتی علاقہ شہر سے دور واقع  
 ہے۔ ان کارخانوں میں ریشمی اور سوئی کپڑا، کاغذ، مشینری اور عینکوں  
 کا سامان تیار ہوتا ہے۔

ہوائی جہاز سے اتر کر، نیچے کے قریب NEASSBLAN ہوٹل  
 میں پہنچے۔ نماز اور کھانے سے فارغ ہو کر ٹیکسی لے کر رات میں زیورج کی  
 سیر کو نکل گئے۔ ڈکالوں پر سائن بورڈ مختلف وضع قطع کے رنگ برنگ  
 تقفوں سے جگمگا رہے تھے۔ شوکیوں میں سامان نہایت قرینے اور سلیقے  
 سے بچا ہوا تھا۔ جو بہت ہی بھلا دکھائی دیتا تھا۔ ساحل سمندر پر بھی روشنی کا  
 بڑا اچھا منظر تھا۔ دو گھنٹے کی سیر کے بعد واپس ہوٹل میں آ کر سو رہے۔

۳ جولائی۔ آج اتوار کا دن ہے۔ اس لیے سارا شہر بند ہے۔ ٹریول  
 ایجنسی کے موٹر کوچ میں دس بجے سوار ہو کر پونے دو گھنٹے میں شہر بھر کے  
 دلاؤیز اور مشہور بازار، سمندر کا نظارہ بان ہون شہر کا پُرانا حصہ، مختلف  
 تاریخی گرجے، عمارتیں اور تجارتی مرکز دیکھے۔ نہانے اور تیرنے کے لیے  
 ایک بڑا حوض دیکھا۔ جس میں تعمیر جدید کا یہ پہلو نمایاں حیثیت رکھتا ہے  
 کہ اُس میں بجلی کے ذریعے ایسی مصنوعی لہریں پیدا کی جاتی ہیں جیسے  
 سمندر میں قدرتی طور پر لہروں سے ایک تلامطم سا بپا ہو جاتا ہے۔ مرد اور  
 عورتیں جانگیے پہنے مصروف غسل تھے۔ فیڈرل انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی،  
 یونیورسٹی اور عدالت عالیہ کی عمارتیں بھی دیکھیں۔

## لوسرن کی سیر:

بادہ بچے واپس آ کر کھانا کھایا۔ اور نماز سے فارغ ہو کر موٹر کوچ کے دوسرے ٹپ میں لوسرن چلے گئے۔ سوئٹزر لینڈ میں یہ خوبصورت ترین شہر ہے اور زیورچ سے تقریباً ستر میل دور۔ جاتی دفعہ ایک اور راستے سے گئے اور واپسی دوسرے راستے سے ہوئی۔ ارگرد پہاڑ ہیں ان میں جہاں جہاں بھی قابل کاشت زمین ملی۔ اس میں وہ بکے واہ تے رُج کے کھا

والی پنجابی مثل عملی صورت میں نظر آتی۔ کسانوں نے اپنے اپنے قطعان ارٹھی میں رہنے کے لیے بڑے خوب صورت اور صاف ستھرے مکانات بنائے ہوئے ہیں۔ اور ساتھ ہی لکڑی کے گودام ہیں۔ جن میں ہر چیز کا ذخیرہ موجود ہے۔ ٹریکٹر اور آلات کٹاوری ہر ایک کے پاس موجود ہیں مرد اور عورتیں مل کر معین اوقات میں کام کرتے ہیں اور شہریوں کی طرح خوش پوش اور خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں۔ جس سڑک پر ہم جا رہے ہیں کبھی یہ جھیل کے کنارے کناڑے چلی جاتی ہے۔ اور کبھی دامن کوہ میں۔ جانے اور آنے کے وقت ہلکی ہلکی بارش اس سیر کے لطف کو اور بھی دو بالا کر رہی تھی۔

حقیقت میں فطرت نے یہاں قدرتی مناظر میں بڑی سیر چشمی سے کام لیا ہے۔ ان کو دیکھ کر خدا کے قادر مطلق ہونے کا عین الیقین اور

حق یقین ہو جاتا ہے۔ لیکن تعجب ہے یہاں کے رہنے والے ان مناظر کی دلچسپیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی خدا کی ہستی سے انکار ہی نہیں ہم نے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہمیں ان مناظر سے تمتع اندوز ہونے کا موقع مرحمت فرمایا۔ آٹھ بجے شام واپس ہوئے۔ نماز اور کتاب بیٹی سے فارغ ہو کر سو گئے۔

رات بھر ہلکی ہلکی بارش ہوتی رہی۔ جس سے موسم اور بھی خوش گوار ہو گیا۔ ۴ جولائی کو صبح اٹھے، نماز پڑھی، اور ناشتہ سے فارغ ہو کر یورپ کے سب سے بڑے پرنسپل بازار بان ہون میں گئے۔ اور وہیں سوس ایریز سے اسی دن چار بجے شام فرنگفورت (جرمنی) جانے کے لیے نشستیں مخصوص کرائیں۔ ہوٹل واپس پہنچ کر کھانا کھایا۔ ظہر کی نماز پڑھی اور چار بجے ہوائی جہاز پر سوار ہو کر فرنگفورت کو روانہ ہو گئے۔

آج کئی دفعہ بڑے زور کی بارش ہوئی۔ مگر واہ رے صفائی، کچھڑکا کہیں نام تک نہیں بلکہ بارش سے بازار اور سڑکیں دھل گئی ہیں۔



## فرنگفرٹ (جرمنی)

۴ جولائی ۱۹۵۵ء زیورچ سے ساڑھے چار بجے ہوائی جہاز نے پرواز کی۔ تمام راستہ مطلع ابرا کو اور رہا۔ ہم لوگ سات ہزار فرٹ کی بلندی پر پرواز کر رہے تھے۔ ایک گھنٹہ کی پرواز کے بعد فرنگفرٹ پہنچ گئے۔ اور زٹرم ہوٹل میں قیام کیا۔ یہ ہوٹل فرنگفرٹ کے عین قلب میں واقع ہے۔

### شہر کی سیر:

ٹراموے اور موٹروں کی سڑکیں، چوک اور بڑی بڑی عالیشان عمارتیں اور خرید و فروخت کے مناظر ہمارے کمرے کے عین سامنے تھے۔ آتے ہی نماز پڑھ کر اور ٹیکسی لے کر گھومنے چلے گئے۔ رات کے وقت یہاں کا منظر عجیب و غریب تھا۔ بازاروں اور دکانوں کی روشنیاں دم بدم تبدیل ہو کر نئے نئے ڈیزائن بناتیں۔ یہ ڈیزائن جرمن زبان میں دراصل دکانوں اور بازاروں کے نام تھے۔ آنے جانے والوں کی آنکھیں بے اختیار ان کی طرف اٹھتیں۔ اور ان کے نقوش و ماسخ پر اپنا اثر چھوڑ جاتے۔ جس

طرف ٹیکسی جاتی نئے سے نیا منظر دعوتِ نظارہ دیتا نظر آتا۔  
 گزشتہ جنگِ عظیم میں اس شہر پر شدید بمباری ہوئی۔ جس سے  
 شہر کا تین چوتھائی حصہ کھنڈر ہو گیا۔ مگر دس بارہ سال کے عرصے میں  
 جرمنوں نے پہلے سے زیادہ عالیشان عمارتیں کھڑی کر دی ہیں۔ اگرچہ  
 اب بھی بول سے گرے اور جلے ہوئے مرکانات کافی تعداد میں موجود ہیں۔  
 لیکن جس سرعت سے اس کی تعمیر ہوئی ہے۔ اس کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے ع  
 آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو  
 یہ حقیقت ہے کہ کسی چیز کے بگاڑنے میں تو کوئی زیادہ وقت نہیں  
 لگتا مگر اس کا بنانا کارِ وارد ہے۔

## اپل موٹر سازی کا کارخانہ :

۵ جولائی کو صبح سویرے ناشتہ سے فارغ ہو کر تیس میل کے فاصلے  
 پر اپل موٹر سازی کا کارخانہ دیکھنے چلے گئے۔ یہاں ایک استقبالیہ دفتر  
 محض اس لیے بنا ہوا ہے کہ جو لوگ کارخانہ دیکھنے کے لیے آئیں، ان  
 کی رہنمائی کرے۔ یہاں سیکڑوں زن و مرد سیٹوں کے علاوہ مختلف  
 کالجوں کے طلباء اور طالبات بھی کارخانہ دیکھنے کے لیے موجود تھے۔ ایک  
 کارڈ پر ہر ایک کا نام درج کر کے مختلف زبانیں جاننے والے گائیڈوں  
 نے الگ الگ ٹولیاں بنا کر کارخانہ دکھانا شروع کیا۔ ہمارے لیے تو ایک  
 انگریزی دان گائیڈ تھا۔ سب سے پہلے شوروم میں وہ گاڑی دکھائی گئی

جو انھوں نے ۱۹۰۵ء میں بنائی تھی۔ اس کے بعد مختلف زمانوں میں تدریج ترقی کرتے ہوئے جو ماڈل بنائے گئے تھے۔ ان میں سے اکثر وہاں موجود تھے۔ کارخانہ دیکھ کر عقل و رطہ حیرت میں پڑ جاتی ہے۔ کہ کس قدر و ماخ سوزی سے انھوں نے اس کا منصوبہ مرتب کیا ہو گا۔ ہر کام کے لیے ایک خاص مشینری بنا کر اس سے کام لیا جا رہا ہے۔ پندرہ میل لمبی لائن میں انجن کے مختلف پوزے اپنی اپنی جگہ تیار ہو کر خود بخود فرٹ ہوتے چلے جاتے ہیں، اور آخر میں پورا انجن مکمل ہو کر خود بخود ایک باڈی کے اندر اپنی جگہ پر آ بیٹھتا ہے۔ ہمارے ہاں تو بعض سر پھرے کیمیا اور جادو گری کے پیچھے ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔ اصل کیمیا اور جادو گری یہ ہے۔ کہ لوہے کو مختلف مشینوں سے نکال کر سونے اور چاندی کے بھاؤ بیچا جائے۔

گزشتہ جنگ عظیم میں اس فیکٹری کو بے حد نقصان پہنچا، ۷۴ فیصدی عمارت برباد ہو گئی۔ اور پندرہ فیصدی مشینری ضائع ہوئی۔ لیکن ۱۹۵۰ء تک جو منوں نے اس کارخانے کو پھر سے تیار کر لیا۔

اس کارخانے کی ترقی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۸۶۲ء میں انھوں نے پہلے سلائی کی مشین تیار کی۔ ۱۸۸۶ء میں سائیکل بنانے شروع کیے۔ ۱۸۹۸ء میں موٹر سازی کا کام شروع کیا۔ ۱۹۱۱ء میں دس لاکھ مشینیں تیار کر کے اس کام کو چھوڑ دیا۔ ۱۹۳۶ء میں پچیس لاکھ سائیکل بنا کر اس کام کو بھی ترک کر دیا۔ ۱۹۴۸ء میں انھیں موٹریں بناتے ہوئے پچاس برس گزر چکے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ہر سال موٹریں بنانے میں ممبر جبہ ذیل تیار کی

## ترقی کی۔

	۸۳۹	۱۹۴۶
برآمد	۳۲۳۹	۱۹۴۶
۱۵۰۴	۱۳۰۹۱	۱۹۴۸
۶۵۹۲	۳۹۵۶۴	۱۹۴۹
۲۹۴۶۹	۷۲۷۲۶	۱۹۵۰
۳۸۷۷۵	۷۶۹۵۵	۱۹۵۱
۴۱۵۱۹	۸۷۹۳۴	۱۹۵۲
۵۱۹۲۴	۱۰۵۷۹۲	۱۹۵۳
۹۱۷۵۴	۱۶۷۶۵۰	۱۹۵۴

یہاں آج کل مختلف قسم کی موٹریں اور ٹرک روزانہ سات سو کی تعداد میں بنتے ہیں۔ ایک ایک منٹ میں ایک ایک موٹر کار مکمل ہوتی ہے۔ باہر سڑک پر نکلنے کا منظر بھی بڑا عجیب ہوتا ہے اور ان کاریگروں کو داد دینے کے بغیر نہیں رہا جاسکتا سچ ہے۔

ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

وہ کونسا عقدہ ہے جو واہو نہیں سکتا

۱۹۵۴ء میں یہاں کے ملازمین کی تعداد ۵۵۹۴ تھی۔ اور آج کل

پچیس ہزار ملازم ہیں۔ اب کچھ عرصہ سے اٹھوں نے ریفریجریٹر دپانی ٹھنڈا کرنے کی مشینیں بھی بنانے شروع کر دیے ہیں۔ جن کی کافی کھپت

ہے۔ یہ کارخانہ ایک بڑے وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ ۱۰۴ ایکڑ زمین پر مشینوں کی بارکیں ہیں۔ ریل کی پٹریاں ۱۳ میل لمبی ہیں۔ جن پر مشینوں پر تیار ہونے کے لیے دھاتیں اور لوہا آتا ہے۔ اور پُرزہ جات مکمل ہو کر جاتے ہیں۔ اور انھیں لائسنوں پر انجن موٹریں اور دوسری مشینیں تیار ہوتی ہیں۔ دفنوں، مزدوروں کے کوارٹروں، مشینیں ٹیسٹ کرنے کے میدان نے بھی تقریباً اتنی جگہ گھیر رکھی ہے۔

دوبجے کے قریب یہ کارخانہ دیکھ کر ہوٹل واپس آئے کھانا کھایا نماز پڑھی اور بازار کی مشرگشت کو نکل گئے۔

فرنگفرٹ کی آبادی تقریباً پونے چھ لاکھ کے قریب ہے۔ یہ بہت پرانا شہر ہے۔ آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل آباد ہوا۔ شہر دریائے رائن کے طاس میں واقع ہے۔ اور جرمنی کے ترقی یافتہ شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ ادویات سازی، مشین سازی، بجلی کی اشیاء اور خوراک کی صنعت کے لیے یہ شہر آج بھی دنیا میں کافی شہرت رکھتا ہے۔ نیڈرل حکومت کے بہت سے دفاتر بھی یہیں ہیں۔ جیسے وزارت مالیات، تجارت، ریل و رسائل۔ زراعت و خوراک اور جنگلات کے دفاتر نیز یہ شہر سائنسی تعلیم، ثقافت، لائبریریوں، عجائب گھروں، آرٹ گیلریوں، تھیٹروں اور ریویوں کا مرکز ہے۔

ولیم قیصر جرمنی جس نے تمام حکومتوں کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے اس شہر کے بہت اُنس اور دلچسپی رکھتا تھا۔ اور اس کو بچانے کے لیے

کافی کوشاں رہا۔ لیکن

بیک گردشِ چرخِ نیلوفری

نہ قیصرِ بجا ماندے قیصری

میں نے چند ایک لوگوں سے اس قیصرِ مرحوم کا ذکر چھیڑا مگر بھی

بول پر مہرِ سکوت لگائے رہے۔

یہ شہر جرمن تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں کا گر جاگھر

جو پرانے شہر کے عین وسط میں ہے۔ بہت قدیم عمارت ہے۔ سچ پوچھیے

تو جرمنی کے عروج و زوال کی داستان ہے۔ تیرھویں صدی میں ایک

پرانے گر جاگھر کی شکستہ عمارت پر اس کی تعمیر ہوئی۔ چودھویں صدی سے لیکر

اٹھارویں صدی تک اس کا بڑا ہال جرمن شہنشاہوں کی تاجپوشی کی رسومات

کا مرکز بن گیا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں پھر اسے گر جاگھر میں تبدیل

کر دیا گیا۔ اس کی دیواروں پر حضرت عیسیٰ کی زندگی کے واقعات تصویروں

میں دکھائے گئے ہیں۔ سینٹ بار تھلمو کے قتل عام کا دزدوناک منظر

ایک دیوار پر نمایاں ہے۔ جس میں ہزاروں پروٹسٹنٹ عیسائی رومن

کیتھولک پادریوں کے حکم سے قتل کیے گئے۔ کیونکہ ان کے نزدیک

یہ بے دین تھے۔ گر جاگھر کے اندرونی حصہ میں شارلیمین اور سینٹ بار تھلمو

کی تصاویر لکڑی میں کھدی ہوئی ہیں۔ اس کا گنبد جس کی بلندی ۱۱۱ فٹ

ہے۔ نہایت ہی عالی شان ہے۔ اس کے اندر ۹ گھنٹے تک رہے ہیں

جن میں سب سے بڑا جو "شہنشاہ کا گھنٹہ" کہلاتا ہے، ۱۲ من وزنی ہے۔

۱۔ آہ ساف سب سے پہلے استعمال کرنا خطا ہے

اس گر جاگھر کے علاوہ عجائب گھر۔ لائبریریاں اور خاص طور پر  
 جرمن شاعر گوٹے کا مکان دیکھا جو ۲۲ مارچ ۱۹۴۳ء کی بیماری میں  
 تباہ ہو گیا تھا۔ جرمنوں نے اس شکت کھنڈر کو ۱۹۵۰-۵۶ء میں دوبارہ  
 اپنی حالت میں بدل دیا ہے۔ بیماری سے جب یہ مکان تباہ ہو گیا تو  
 جرمنوں نے اس کا تمام ملبہ محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ اور لڑائی ختم ہونے  
 کے بعد فوراً اس کی اسی ملبہ سے دوبارہ تعمیر شروع کر دی۔ اس کے جرمنوں  
 کی اپنے قومی شاعر سے عقیدت کا پتا چلتا ہے۔

## بین الاقوامی نمائش :

فرانکفرٹ کے مغربی حصہ میں نمائش گاہ ہے۔ یہ بہت ہی وسیع  
 میدان ہے۔ جس میں کتابیں، سمور، موٹریں، کیمیاوی سامان اور بیشتر  
 دوسری اشیاء اور سامان کی نمائش ہوتی ہے۔ شام قریب چھٹی اس لیے  
 واپس ہوٹل آگئے۔

## برسلز وائرلو (بلجیم)

۵ جولائی کی شام کو ہمارا ہوائی جہاز فرنگفرٹ (جرمنی) سے برسلز کے ہوائی اڈے پر پہنچا۔ میٹروپول ہسٹل میں قیام کیا۔ یہ یہاں کے بہترین ہوٹلوں میں سے چوتھی کا ہوٹل ہے۔

## برسلز:

برسلز بلجیم کا وائرل حکومت ہے۔ بلجیم یورپ میں بڑی اہمیت کا ملک ہے۔ اس کی مشرقی حدود جرمنی سے ملتی ہیں۔ شمال میں بحیرہ شمالی اور مغرب میں فرانس ہے۔ ۱۹۱۷ء اور ۱۹۳۹ء کی جنگہائے عظیم میں اس ملک پر جس قدر وبال آیا بیان کے باہر ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں قیصر ولیم کی جنگی طاقت کا خاتمہ اینٹورپ کے قلعہ پر ہوا۔ جہاں جرمنی کا بہترین سامان جنگ اور افواج کا کام آئیں۔ قلعہ اگرچہ فتح ہو گیا لیکن جرمن فوجوں کی برتری کو ایسا دھکا لگا کہ وہ فرانس میں داخل ہو کر کامیابی کا مظاہرہ نہ کر سکیں۔ اور آخر کار جرمنی کو ہار ماننا پڑی۔

دوسری جنگ عظیم میں بھی یہ ملک جنگ کی تباہ کاریوں کا نشانہ بنا۔



لیکن آج وہاں جنگ کے اثرات نظر نہیں آتے۔ یہ ملک ابتدا سے ہی یورپین حکومتوں کی باہمی کشمکش کا مرکز رہا ہے۔ اور بہت سی فیصلہ کن لڑائیاں اس کے مختلف شہروں میں لڑی گئیں۔ لیکن اس وقت یہاں کے حالات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ بلجیم کی حکومت اور یہاں کے باشندے دنیا میں امن و امان کو محفوظ رکھنے کے لیے پوری تندہی سے مصروف ہیں۔ اور جیسا کہ گزشتہ زمانے میں یہ ملک جنگ کی آماجگاہ تھا، آج امن کا مرکز بن رہا ہے۔

## طرز حکومت :

بلجیم میں بادشاہت ہے۔ اور موجودہ حکمران بوڈون اول ایک ترقی پسند قابل اور سہر و نوجوان ہے۔ قانون سازی کا کام بادشاہ اور دو ایوان نمائندگان کرتے ہیں۔ انتظامیہ بادشاہ کے ماتحت ہے جو اپنے وزیر اور خود منتخب کرتا ہے۔ جوڈیشیل اختیارات عدالتوں اور جرگوں کو حاصل ہیں۔

بادشاہ کا عمل برسر میں ہے۔ اور ایوان نمائندگان کے اجلاس بھی یہاں ہوتے ہیں۔

## صنعت و حرفت :

بلجیم صنعت و حرفت کا بڑا مرکز ہے۔ دریائے ساہرا در میوز کے

ٹاس میں کوئلہ ملتا ہے۔ اور اس کے قریب ہی لوہا۔ اس لیے بلجیم میں فولاد اور لوہے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ جہاں سے دنیا کے کسی ممالک کو جن میں پاکستان بھی ہے۔ لوہا بھیجا جاتا ہے۔ شیشہ سازی کی صنعت میں بلجیم کا مقابلہ شاید ہی کوئی ریاست کرتی ہو۔ یہاں سے آئینے عام شیشہ۔ آرائشی شیشہ اور کیمیاوی شیشہ بہت بڑی مقدار میں برآمد ہوتا ہے۔ ہیرے تراشنے کا مرکز اینٹورپ ہے۔ جہاں ساڑھے آٹھ ہزار مرد اور عورتیں کام کرتی ہیں۔

## برسلز کی سیر :

اسلامی ممالک کی سیر کے دوران میں جو قابل ذکر عمارات دیکھیں ان میں مساجد کو نمایاں خصوصیت حاصل تھی۔ ہر شہر میں جا بجا خوبصورت مساجد تھیں۔ جن پر حکومت اور عوام نے دل کھول کر روپیہ صرف کیا ہے۔ اور ان کو دیدہ زیب بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس کے برعکس یورپ کے عیسائی ممالک میں کلیساؤں کی تعمیر کو یہی اہمیت حاصل ہے۔ روم تو گر جاؤں کا شہر کہلاتا ہے۔ لیکن دوسرے شہروں میں بھی جہاں کی سیاحت کا موقع ملا ہے۔ سب سے زیادہ خوبصورت عمارتیں کلیسا ہیں جو بہترین معماروں اور انجینیروں کے فن تعمیر کا شاہکار ہیں۔ برسلز میں بھی گرجے خوبصورتی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ہر شہر پر گرجوں کے عظیم اٹلان کلس سیاحوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے موجود ہیں۔

جن کی بلند ہی دوسری عمارات کے مقابلہ پر بہت زیادہ ہے۔ ہمارے  
کارپوریشن سے روانہ ہوئی۔ فلک بوس عمارتیں سڑک کے دو رو یہ  
کھڑی ہیں۔ جن میں کوئی چھ منزلہ ہے، اور بعض دس منزل تک بلند ہیں۔  
لاہور میں شاہی محل ہے، جہاں بلجیم کا بادشاہ رہتا ہے۔ یہ محل  
دو حصوں میں منقسم ہے۔ اور ہر حصہ ایک دوسرے سے ملتا ہے۔ محل کے  
سامنے باغ ہے۔ جیسا کہ لاہور میں گلستانِ فاطمہ ہے۔ باغ کے تین  
حصے ہیں۔ محل کے پیچھے بھی ایک بہت بڑا باغ ہے۔ جس میں درخت  
لگے ہوئے ہیں۔ محل سے ذرا فاصلہ پر نیچون دسمندر کا ویوتا، کاٹھمہ  
ہے۔ اس سڑک سے ذرا آگے ایک نہر ہے۔ جو برسلز کو اینٹورپ سے  
ملاتی ہے۔ نہر سے گزر کر برسلز کا سرسبز علاقہ شروع ہوا۔ جو یورپ کی  
بہترین سیرگاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہاں مختلف قسم کے درخت ہزاروں  
کی تعداد میں کھڑے ہیں۔ اس کو سوئٹزر کے جنگل کا نام دیا گیا ہے۔ اس  
جنگل سے سڑک گزرتی ہوئی، ہمیں کشمیر کا منظر یاد دلانے لگی۔ وہاں  
ہائیں ادھر ادھر ہرے کچور درخت ہی درخت نظر آتے تھے۔ اور ایسا  
محسوس ہوتا کہ یونین اقوام نے اس جنگل میں بھی اپنی صفائی اور  
نفاست کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ سڑکیں یوں تو ہر یورپی شہر میں صاف  
ہوتی ہیں۔ لیکن برسلز کی یہ سڑک جو جنگل سے گزرتی ہے۔ نفاست،  
صفائی اور خوبصورتی میں لاجواب تھی۔ جنگل سے گزر کر انگوروں کے باغات  
شروع ہوئے دور دور تک بیلین لپٹی نظر آتی تھیں۔

## وائرلو :

انگور کے علاقے سے آگے وائرلو کا تاریخی میدان آتا ہے یہ وہ میدان ہے۔ جہاں نپولین بونا پارٹ کو شکست ہوئی۔ اور اس کی طاقت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔ یہیں ایک گیلری میں نپولین کی اس لڑائی کا تمام احوال پورے قد کی رنگین تصویروں میں اس طرح دکھایا گیا ہے کہ میدان جنگ کا اصلی نقشہ نظروں میں آجاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ واقعی ہمارے سامنے ہو رہی ہے۔

وائرلو کے میدان میں ایک طرف انگریز۔ جرمن اور پرشین فوجیں تھیں اور دوسری طرف فرانسیسی تھے۔ انگریزی فوجوں کی کمان ڈیوک آف ونگٹن کے سپرد تھی۔ اور جرمن اور پرشین فوجوں کا سالار جرمنیل بلرک تھا ڈیوک آف ونگٹن لارڈ ولزلی گورنر جنرل ہندوستان کا چھوٹا بھائی سر آر تھر ولزلی تھا۔ جس نے ۱۸۰۳ء میں سینڈھیہا اور بھونسلہ کی فوجوں کو رکنی کے مقام پر شکست فاش دی تھی۔ اور ہندوستان میں انگریزی حکومت کا دتار بلند کیا تھا۔

۱۹۱۵ء میں نپولین بونا پارٹ سینٹ ایلیا کے جزیرے سے بھاگ کر واپس آ گیا تھا۔ اور فرانس کے فوجی نظام کو دوبارہ ترتیب دے کر اپنا سکہ جمانے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن اسی میدان میں جہاں اب ہم کھڑے تھے۔ نپولین کو شکست فاش ہوئی۔ اس شکست کے بعد نپولین نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انگریزوں نے اُسے قید کر کے

سینٹ ہیلینا کے جزیرے میں بھیج دیا، جہاں وہ جلد ہی مر گیا۔

واٹر لو کے میدان میں ایک چھوٹا سا ٹیلا سے، جس پر ایک چبوترہ بنا ہے۔ چبوترہ پر شیر کا مجسمہ ہے۔ جو واٹر لو کی فتح کی یاد میں بنایا گیا تھا اس کے پاس ہی انگریزی، جرمن اور بلجیم کی حکومتوں نے ان نوجوانوں کی یادگاریں قائم کی ہیں جو اس لڑائی میں کام آئے۔

واپسی پر ہم برسز کے ٹاؤن ہال کے پاس سے گزرے۔ برسز کا ٹاؤن ہال بہت بڑی عمارت ہے جس کی چھ منزلیں ہیں۔ ٹاؤن ہال برسز کا سیاسی مرکز سمجھا جاتا ہے۔ اور یہاں کے کونسلر بلجیم کے سیاسی رُجھان کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

اس کی عمارت کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لاہور کے گورنمنٹ کالج کو دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس کی عمارت اور ٹاؤن بہت زیادہ بلند اور پُر وقار ہیں۔

اس کے بعد ہم محراب دیکھنے گئے۔ یہ محراب نیم دائرہ کی صورت میں ہے۔ جس کے تین در ہیں۔ درمیانی در کے پائے دو دو ستونوں پر کھڑے ہیں۔ دوسرے کے دونوں تین تین ستونوں پر۔ وسطی حصہ کے اوپر رکھ ہے جس کو چار گھوڑے کھینچ رہے ہیں، اور رکھ میں آزادی کی دیوی کھڑی ہے یہ محراب آزادی کی پچاسویں برس کی یادگار میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس کے دونوں طرف ہال نما کمرے بنے ہوئے ہیں۔ سامنے ایک بہت بڑا پارک ہے۔ جس میں چھول مہک رہے ہیں۔ یہ عمارت سنگ و خشت

کا و فریب خوردہ ہے۔

اس کے بعد ہم نیشنل گیلری، رائیل سکور اور مارکیٹ سکورٹر۔  
سنٹرل سٹیشن اور کئی ایک خوبصورت تاریخی جگہوں اور عمارات سے گزرتے  
ہوئے واپس ہوٹل میں آگئے۔

## رات کا منظر :

یورپین شہروں میں دن کے وقت وہ رونق نہیں ہوتی۔ جو رات  
کو ہوتی ہے۔ کیونکہ دن کو یہاں کے لوگ دیر سے اٹھنے کے عادی ہیں  
اس کے برخلاف ہم اہل اسلام صبح کی اذان اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ  
دعا زیند سے بہتر ہے، سن کر بسترِ استراحت کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ دس  
بجے سے پہلے یہاں مزدور اور نوکر پیشہ لوگ بازاروں اور سڑکوں پر چھوٹے  
نظر آتے ہیں۔ کہیں دودھ والا جارہا ہے۔ کہیں روٹی لکھن والے گھروں  
میں روٹی لکھن دے رہے ہیں اور مزدور کارخانوں میں جا رہے ہیں۔  
دفتری لوگ دس بجے کام کاج شروع کرتے ہیں اور اس وقت بازاروں  
میں افراتفری کا عالم ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان لوگوں کا ایک  
سیلاب ہے۔ جو ہر طرف اُٹا چلا جا رہا ہے۔ ایک کو دوسرے سے  
کوئی مسرور کار نہیں۔ جان پہچان والے بھی ہاتھ کے اشارے یا نیم سگراہٹ  
سے ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں کی طرح نہیں کہ پہرے  
سڑک پر کھڑے خوش گیمیاں ہانک رہے ہیں۔

شام کے وقت کام کاج سے فارغ ہو کر یہ لوگ قہوہ خانوں ،  
ہوٹلوں اور دوسری سیرگاہوں میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں چائے پیتے کھانا  
کھاتے اور شراب کے ذور چلاتے ہیں۔ رات کے وقت وکانوں کی  
زیبا کش قابل دید تھی۔ ہر طرف بجلی کی ٹیوب کی روشنی سے ون کاسکا  
نظر آتا تھا۔ وکانوں میں شوکیوں میں سجے ہوئے زیورات کے سیرے  
ہانکھوں کو خیرہ کرتے تھے۔ ہوٹلوں اور ڈانس ہالوں میں مسخور کن لٹروں  
اور قہقہوں کی دلفریب آوازیں راہ گزروں کو دعوت نظارہ دے رہی  
تھیں۔ رات کے بارہ بجے تک دوبارہ ان مختلف مقامات کی سیر کرتے  
رہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم ایک طلسمی دنیا سے گزر رہے ہیں جہاں  
صرف موسیقی، قطن اور قہقہے ہیں۔ عزبت، افلاس اور غم کا نام تک نہیں  
۶ جولائی عصر کو یہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز ایمسٹرڈم (ہالینڈ)  
کے لیے روانہ ہو گئے۔

# ہالینڈ

”ایسٹریڈم“

۶ جولائی شام کے ساڑھے چھ بجے ہمارا جہاز ایسٹریڈم کے ہوائی اڈہ پر پہنچا۔ راستے میں کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ اور سفر نہایت آرام و آسائش سے کٹ گیا۔ ہالینڈ نہایت ہی سرسبز خطہ ہے۔ اور یہاں کے باشندے بے حد محنتی اور جفاکش ہیں۔

ایسٹریڈم ہالینڈ کا دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ تیرھویں صدی عیسوی میں آباد ہوا۔ جب کہ دریائے ایسٹر پر ایک بند باندھ کر اس کی آبادی کی واضح بیل ڈالی گئی۔ ایسٹر دریا کا نام اور ڈیم (بند) سے مل کر یہ شہر ایسٹریڈم کے نام سے مشہور ہوا۔ اس وقت اس شہر میں ۵۰۰ نہریں بہتی ہیں۔ جن پر عام پبلک کی آمد و رفت کے لیے ساڑھے تین سو پل ہیں۔ اسے شمالی یورپ کا وینس بھی کہتے ہیں۔ نہروں کے ارد گرد سرنگھلک عمارتیں کھڑی ہیں جو زیادہ تر گوتھاک فن تعمیر کا نمونہ ہیں۔ جو سولہویں اور تیرھویں صدی عیسوی میں یورپ میں رائج تھا۔ لیکن شہر کے ارد گرد نئی بستیاں بڑی سرعت سے بن رہی ہیں جن کی عمارتیں موجودہ زمانے کے فن تعمیر کے بہترین نمونے ہیں۔



۱۰۔ ارنجے شب یعنی پہنچنے کے آدھ گھنٹہ بعد ہی ہم اس شہر کی سیر کے لیے بالکل تیار تھے۔ ایک نیکی سے کر ہوٹل سے روانہ ہو گئے جو شہر کی بڑی بڑی سڑکوں پر فراسٹے بھرتی جا رہی تھی۔ سڑکیں نہایت صاف و فراخ ہیں۔ جن پر آمد و رفت میں کوئی روکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

یورپ کے بڑے بڑے شہروں کی طرح یہاں بھی ہالینڈ رات کی روشنی میں دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی کسی قسم کی رنگت برنگی بتیاں، ڈکانوں، مکانوں اور نہروں کے ارد گرد ایک عجیب منظر پیش کر رہی تھیں۔ موسم نہایت خوشگوار مگر قدرے ٹھنک تھا۔

## شیقول :

سب سے پہلے ہم بین الاقوامی ایر پورٹ شیقول دیکھنے گئے ہالینڈ میں یہ شہر ہوائی جہازوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اور سطح سمندر سے ۱۳ فٹ نیچے ہے۔ اب آپ پوچھیں گے کہ اس کا کیا مطلب ہے اور اہل ہالینڈ کی سر زمین کا کافی حصہ سمندر تھا۔ یہاں کے باشندوں نے اپنی ان تھک کوششوں سے آہستہ آہستہ سمندر کے پانی کو پیچھے ہٹایا اور خشک زمین حاصل کی اور اس طرح اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے جگہ بنائی۔ سمندر کے پانی کو روکنے کے لیے اٹھوں نے بند تعمیر کیا۔ بند کے ایک طرف سمندر ٹھاٹھیاں مارتا ہے۔ اور دوسری طرف خشک زمین ہے۔ سمندر کا پانی اس خشک زمین سے ۱۳ فٹ اونچا ہے۔

مجھے اس وقت حضرت موسیٰؑ کا وہ عظیم الشان واقعہ یاد آ گیا، جبکہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے۔ راستے میں سمندر جارہا تھا اور مصری فوجیں فرعون کی سرکردگی میں ان کو مٹانے کے لیے آ رہی تھیں، پانی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے راستہ پیدا ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل صحیح سلامت دریا سے پار ہو گئے۔ بنی اسرائیل کے ارد گرد پانی کی دیواریں تھیں، جن میں ان کے گزرنے کے لیے راستہ بنا تھا۔ لیکن یہاں کے لوگوں نے چنتہ دیوار بنا کر سمندر کے اُونچے پانی کو روک لیا ہے۔ اور نیچے خشکی میں آباد ہو گئے ہیں۔ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے بلند سمندر کا نظارہ ایسا عجیب تھا کہ ایک دفعہ دیکھنے کے بعد اُسے بھولنا ناممکن ہے۔ اور انسان اس ملک کے باشندوں کی ہمت کی داد دینے بغیر نہیں لے سکتا۔

دوسری جنگ عظیم میں جب ہٹلری فوجوں نے اس ملک پر حملہ کیا تو سب سے پہلے انھوں نے بندوں پر ہوائی فوج اتار دی اور ان پر قبضہ کر لیا۔ کیونکہ اگر ان میں سُورخ کر دیا جاتا تو تمام شمالی علاقہ دوبارہ سمندر کا حصہ بن جاتا۔

**ایس میسر :** (دُنیا بھر میں پھولوں کی سب سے بڑی منڈی)

۷ جولائی کو اس ایر پورٹ سے ہم جنوب کو ایس میسر کے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ ایسٹروم کا یہ حصہ بین الاقوامی شہرت رکھتا ہے یورپ میں یہ پھولوں کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ سڑک کے دو روپہ

کھیت تھے جن میں جہاں تک نظر کام کرتی، رنگ برنگ کے پھول  
 رکھتے تھے۔ ہم سیدھے اس ہال کی طرف گئے جہاں پھولوں کی خرید و فروخت  
 کا کاروبار ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم جنت کے ایک تختہ میں داخل  
 ہو گئے ہیں۔ خریداروں کا ہجوم تھا۔ یہ لوگ یہاں سے لاکھوں روپے  
 کے پھول خرید کر بذریعہ ہوائی جہاز یورپ اور امریکہ روانہ کرتے ہیں۔  
 ہال بے حد وسیع ہے جس میں سینما ہال کی طرح بیٹھنے کا انتظام ہے۔ ہر  
 سیٹ پر نمبر ہے اور ساتھ ہی بجلی کا ایک بٹن۔ گاہک جا کر سیٹ پر بیٹھ  
 جاتے ہیں۔ سامنے بڑی سٹیج ہے، جس کے اوپر ایک گھڑی لگی ہے۔ سٹیج  
 پر پھول دکھائے جاتے ہیں۔ اور گاہک اپنی پسند کے پھولوں کی بولی  
 دیتے ہیں۔ لیکن یہ عمل نہایت خاموشی سے ہوتا ہے۔ نہ ٹیلام کرنے والا  
 اس کی قیمت بولتا ہے اور نہ ہی بولی دینے والے کو آواز نکالنا پڑتی ہے  
 بلکہ جب خریدار اپنی پسند کے پھول سٹیج پر دیکھتا ہے تو وہ اپنی سیٹ  
 کا بٹن دبا دیتا ہے۔ گھڑی پر اس کی سیٹ کا نمبر اور بولی کی رقم نمایاں  
 حروف میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور بولی ختم ہونے تک یہ عمل برابر جاری  
 رہتا ہے۔ اتنے بڑے ہال میں جہاں خریداروں کا ہجوم ہو وہاں کی  
 خاموشی اور حسن انتظام دیکھ کر میں عیش عیش کر اٹھا اور مجھے اپنے یہاں  
 کی منڈیاں یاد آ گئیں، جہاں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔  
 اس کے بعد ہم اور مقامات کی سیر کو گئے اور جب واپس لوٹے تو  
 یہی خیال رہ رہ کر دماغ میں آتا کہ یہاں کے لوگ کتنے اچھے، صفائی پسند

اور خوش اخلاق ہیں اور غیر ملکی لوگوں سے ان کا رویہ کتنا اچھا ہے۔

دوسرے دن :

دوسرے دن صبح نو بجے ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم روڈ ٹورم کو دیکھنے گئے۔ یہ ہالینڈ کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ دوسری جنگ عظیم سے جو تباہ کاری یہاں ہوئی تھی کسی کو امید نہ تھی کہ اس کا ازالہ اتنی سرعت سے ہو گا لیکن ولندیزی لوگوں کی ہمت ہے کہ انہوں نے دس سال کے قلیل عرصہ میں نہ صرف شکستہ عمارتوں کا بلکہ صاف کر لیا۔ بلکہ اس کی جگہ ایسی عمارت بنائیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ یہ سرفلک عمارتیں موجودہ فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں۔ جن پر دل کھول کر روپیہ صرف کیا گیا ہے اور سب کام یہاں کے سوداگروں نے خود کیا ہے۔ پتھر لوہا اور سمنٹ کا یہ امتزاج اپنی نظیر آپ سے اور دیکھنے والوں کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہاں کبھی جنگ ہوئی ہوگی۔ سٹریٹس فراخ اور ٹریفک کا انتظام نہایت معقول ہے۔ یہاں پر ہمیں ہول سیل ٹریڈ سنٹر دکھایا گیا جو شاید یورپ کی سب سے بڑی عمارت ہے۔ یہ نئی آبادی میں تعمیر ہوا ہے اور اس کی کئی منزلیں ہیں، لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یہاں نہ میٹرھیاں ہیں۔ اور نہ ہی بجلی کے لفٹ، بلکہ سٹریٹس بنی ہیں جن پر موٹر کاریں چلتی ہیں اور ایک منزل سے دوسری منزل پر جانے والے انہیں کاروں میں آتے جاتے ہیں۔ ہماری موٹوں نے اس ساری عمارت

کا چکر لگایا۔ یہاں بھی ایس میسر کی طرح نہایت خاموشی سے کاروبار ہو رہا تھا۔ اس بین الاقوامی مرکز تجارت میں ہر قسم کی اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ گرم مسالا، ربڑ، ہاتھی دانت، مشینری، جہاز، کپڑا گھڑیاں۔ مختصراً ہر وہ شے جو زمانہ حال میں لوگ استعمال کرتے ہیں یہاں سے مل سکتی ہے۔ یہاں کے تھوک بیوپاری دنیا کے تمام حصوں سے تجارت کرتے ہیں۔

دوسری عجیب چیز یہاں ٹیونل یا ایک سرنگ ہے جو ماس کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سرنگ ۴۴ فٹ لمبی ہے، جس میں روشنی کا انتظام اپنی نظر آپ ہے۔

## ڈیفٹ :

روڈ ٹرم کے تھوڑے ہی فاصلے پر ڈیفٹ کا قصبہ ہے۔ جہاں سے اب ہماری موٹر گزری۔ یہ قصبہ عذلات کا شہر ہے۔ ہر محل میں باغ ہے جہاں درخت اور پھول نہایت قریب سے لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں تو دیکھ کر ایسا معلوم ہوا جیسے کہ یہ شہر جنت کا ایک ٹکڑا ہے جو اٹھا کر یہاں رکھ دیا گیا ہے۔ جا بجا نہریں بہتی ہیں جن کے دور دورے برابر فاصلہ پر ایک ہی بلندی کے درخت کھڑے ہیں۔ سڑک جس پر ہماری موٹر فراسے بھرتی جا رہی تھی، نہایت عمدہ حالت میں تھی۔ اس کے باقی دونوں طرف سرسبز درخت کھڑے تھے۔

# ہیگ :

ڈیلٹ سے ہو کر ہم ہیگ پہنچے۔ یہ ایمسٹرڈم سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ اور اپنی نوعیت کا نہایت ہی اہم شہر ہے۔ یہاں انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس یعنی بین الاقوامی عدالتِ انصاف کا دفتر ہے جس میں دنیا کے بہترین قانون دان جج مقرر ہوتے ہیں۔ یہ یورپین او کے ماتحت بین الاقوامی جھگڑوں کے فیصلہ کی عدالت ہے۔ مختلف ممالک نے لاکھوں روپے دے کر اس عظیم الشان عمارت کو مکمل کیا ہے۔ اس کا ہر ایک کمرہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ شہر پرانی و منح کی عمارات پر مشتمل ہے۔ اس کے مضافات میں شیوہ سخن کا مقام قابلِ دید ہے۔ یہ حصہ بھی سمندر سے زمین حاصل کر کے آباد کیا گیا ہے۔ اور اسی لیے یہاں بھی سمندر کا پانی زمین سے اُدھنا ہے یہ پھول اور سبزیاں اگانے کا بہت بڑا مرکز ہے۔ پھولوں اور سبزیوں کے کھیت میلوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے۔ رنگ برنگ کے پھولوں کے تختے دعوتِ نظارہ دیتے ہیں۔

یہاں ڈیری فارم ہیں جن میں ہزاروں گائیں پالی جاتی ہیں۔ جب گوالے دودھ نکال لیتے ہیں۔ تو یہ گائیں پھر واپس چراگاہ کو چلی جاتی ہیں۔ کسی شخص کو انھیں ہانک کر لانے یا لے جانے کی ضرورت نہیں۔ ہر گائے تقریباً ۱۸ سیر دودھ دیتی ہے۔ نہایت فریبہ اور خوش رنگ ہیں۔ غالباً اس کی وجہ وہ آزادی ہے، جو انھیں میسر ہے، اور پابندی وقت جن کا ان کو

خوگر بنایا گیا ہے۔

ڈیرٹی فارم کے علاوہ پولٹری فارم بھی ہیں جہاں سے مرغیاں،  
انڈے اور پرندے دوسرے مالک کو بھیجے جاتے ہیں۔

## لیڈن :

ہم یہاں سے تاریخ ہو کر لیڈن گئے۔ یہ ایسٹراڈم سے تیس میل  
جنوب کی طرف ہے۔ اور "بلب فیلڈز" (پھولوں کے کھیت، کے لیے  
مشہور ہے۔ ان فیلڈز (کھیتوں) کا نظارہ انسان کو حیرت میں ڈال دیتا  
ہے۔ میلوں تک رنگین پھولوں کے کھیت پھیلے ہوئے ہیں جن پر شیشے  
کی چھتیں ہیں۔ جو پھولوں کو برف باری اور سردی سے محفوظ رکھتی ہیں۔  
اور سورج کی روشنی کو جو ان کی نشوونما کے لیے ضروری ہے آنے سے  
ہٹائیں رکھتیں۔ اس علاقے سے گزرتے ہوئے ہمیں جو راحت اور مسرت  
حاصل ہوئی۔ وہ ضبطِ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ موٹر فریٹے بھرتا ہوا سڑک  
پر جا رہا تھا اور ہمارے سامنے دائیں بائیں رنگین پھولوں کے تختے  
تھے۔ جن میں گل زگس۔ گل واوکی اور لاتعداد قسموں اور رنگوں کے  
پھول کھلے تھے۔ قریباً ۱۴ بجے ہم واپس ہوٹل میں آئے کیونکہ دوسرے  
ہی دن ہمیں پھولوں کی اس سرزمین کو خیر باد کہہ کر لندن جانا تھا۔

# لندن

۸ جولائی ۱۹۵۵ء کو ایسٹرڈم سے صبح سویرے ہوائی جہاز میں لندن کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بحیرہ شمالی سے گزرنے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں انگلستان کا مشرقی ساحل آ گیا۔ اور ہوائی جہاز لندن کی طیارہ گاہ میں اُترا۔ سفر چند گھنٹوں کا تھا۔ اُس میں کوئی ٹھکان محسوس نہ ہوئی۔ ہوائی اڈہ سے سیدھے اسی ہوٹل میں گئے۔ جہاں اپنے اپنے کمرہ ریڑرو کرنے کا خط لکھا تھا۔ لیکن وہاں پہنچ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُنھوں نے بتایا کہ ہمیں آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ اور نہ ہی اس وقت ہمارے پاس کوئی کمرہ خالی ہے۔

سامان موٹر میں ہی پڑا تھا۔ سوار ہو کر ایک ہوٹل سے دوسرے ہوٹل میں جاتے۔ اور وہاں سے نفی میں جواب پا کر تیسرے ہوٹل کا رخ کرتے جب کوئی ٹھکانہ نہ مل سکا تو پریشانی کی حالت میں ہوٹلوں کی ایوسی ایشن کے دفتر میں گئے اور اُن سے اِمداد چاہی۔ لیکن وہ کہنے لگے کہ "آپ بہت ہی سادہ قسم کے لوگ ہیں یہاں تو کمرہ لینے کے لیے کئی کئی ہفتہ پہلے اطلاع دینا ضروری ہوتا ہے۔"



ہمارے اصرار پر انہوں نے کئی ہوٹلوں کو ٹیلیفون کرنے کے بعد ایک ہوٹل کا پتہ دیا کہ ہم اس میں چلے جائیں۔ لیکن اس کے متعلق ہم کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ مجبوراً وہیں جانا پڑا۔ یہ بہت ہی گھٹیا قسم کا ہوٹل تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ تین آدمیوں کے صرف قیام کا ۱۰ پونڈ روزانہ کرایہ لیتے تھے۔ قہر درویش برجان درویش تھکے ماندے تو تھے ہی۔ اسی کو غنیمت سمجھتے ہوئے سامان رکھوایا۔ اور دروازہ ہو گئے۔

اس موقع پر ایک پرانا قصہ یاد آ گیا جو قبلہ والد بزرگوار سے سنا تھا کہ ایک دفعہ کشمیر کے سفر میں ایک پٹھان بھی ان کے ہمراہ جا رہا تھا۔ راستے میں کوئی سوادھی نہ ملی عجیب پریشانی کا عالم تھا۔ واپس لوٹ کر بھی نہ جا سکتے تھے۔ سفر لمبا تھا تھک کر پچور ہو رہے تھے پٹھان نے کہا کہ "اس وقت یہاں گھوڑا اور گدھا تو گجا توڑے گئے ہیں۔ یہاں سے آجے تو میں سوار ہو جاؤں" ہمارا حال بھی جگہ کی تلاش کے لیے بعینہ اس پٹھان جیسا تھا۔

اگلے دن ٹیلیفون پر محترمی عبدالغفور صاحب بٹ سے جو لندن میں ایجوکیشنل اٹاچی ہیں۔ اپنی اس تکلیف کا حال بیان کیا تو انہوں نے فوراً ہی ایک پاکستانی افسر کو ہمارے پاس بھیج کر ایک بہتر ہوٹل میں رہائش کا انتظام کرا دیا۔ جہاں ہم اپنا سامان لے گئے اور خدا کا شک ادا کیا۔ شام کو بٹ صاحب خود بھی اپنی بیگم صاحبہ کے ہمراہ ملنے کے لیے تشریف لائے اور اپنے ہاں بہترین پاکستانی کھانا کھلایا۔ کئی ہفتوں سے انگریزی کھانا کھا کر

طبیعت بے مزہ ہو رہی تھی۔ اس دعوت کا پورا پورا لطف اٹھایا گیا۔ اس کے بعد بھی اُن کی بیگم صاحبہ میری اہلیت سے ملتی رہیں اور اُنھیں لندن کے بڑے بڑے سٹورز میں لے جاتی رہیں اور ہماری خاطر واری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

## شہر :

لندن برطانیہ کا دارالحکومت اور دنیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔ ۱۶۷۱ء میں انگلینڈ کا تجارتی مرکز ہونے کے باعث برطانیہ کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ سترھویں صدی میں جب یہاں بینک کھولا گیا تو یہ دنیا کی مایات کا مرکز بن گیا۔ ۱۸۰۱ء میں اس کی آبادی نو لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ لیکن ایک صدی کے بعد یعنی ۱۹۰۱ء میں یہ بڑھ کر ۶۵ لاکھ ہو گئی۔ موجودہ لندن کی آبادی ۸ لاکھ سے زیادہ ہے۔ جو ۶۹۳ مربع میل کے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ روزانہ گیارہ ہزار بسیں چلتی ہیں۔ جن میں ایک کروڑ سے زیادہ مسافر سفر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ زمین دوز ریل ہے جہاں سے ۴۵۰ گاڑیاں روزانہ مسافروں کو لاتی اور لے جاتی ہیں۔

میں نے پیرم عبدالحی کو ٹیکسی منگوا کر اپنے ایک دوست مسٹر حسین کی تلاش میں روانہ کیا۔ جن کے بھائی محمد یسین صاحب ایم اے گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر ہیں۔ مسٹر حسین یہاں پیرسٹری کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اور اس قدر وسیع شہر میں یہ تلاش کو مشکل تھی۔ تاہم عزیز عبدالحی

حُصین صاحب کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انھیں اپنے ساتھ لے آئے۔ پاکستان کے رمنے والے اور خالص کرلاہور کے ایک دوست سے مل کر جو خوشی ہوئی اُس کا اندازہ دُہی لوگ کر سکتے ہیں جو دو دراز کے سفر پر اپنی ملک میں گئے ہوں۔ یہ بیچارے ہمارے واپسی لندن تک ہر روز برابر صبح سویرے آتے اور سونے کے وقت اپنے گھر چلے جاتے جو ہمارے ہوٹل سے دس بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ خدا تعالیٰ انھیں جزا خیر دے اور کامیاب فرمائے۔

اگلے دن صبح سویرے ہی حُصین صاحب تشریف لے آئے۔ لندن میں لوگ آدھی رات اور اُس کے بعد تک قہوہ خانوں، ہوٹلوں، کلبوں اور دوسری تفریح گاہوں میں جمع رہتے ہیں، جن کی جگہ گاتی ہوئی روشنیاں رات کو دن بنا دیتی ہیں۔ علی الصبح اٹھنے والے یہاں بہت کم لوگ ہیں۔ ہوٹلوں میں دو دو لے جانے والے گوشت، ڈبل روٹی اور سٹوروں میں اشیاء دینے والے یا کارخانوں کے مزدور صبح سویرے جاتے ہیں جو کہ لوگ دس بجے کے بعد ہی کاؤبار شروع کرتے ہیں۔ یہی صورت آج کل کراچی میں بھی ہو رہی ہے ٹیکسی لے کر ہم مختلف سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے ٹریفک لکڑی میں پہنچے۔ یہ ٹریفک لکڑی فتح کے یادگار میں قائم ہوا۔ اور اس میں ٹریفک لکڑی کے فاتح امیر البحر نیلسن کا بت ایک، ۱۰ فٹ اونچے ستون پر ایسا وہ ہے امارت بحریہ :

قریب ہی امارت بحریہ کا صدر دفتر اور ایڈمیرلٹی آفج یا محراب

ہے۔ ایڈمیرٹیٹی آرچ نہایت ہی عالی شان عمارت ہے، جو تین محرابوں پر کھڑی ہے۔ دلی میں نئے قلعہ کے بالمقابل بھی ایک دروازہ ہے جو صرف ایک محراب پر کھڑا ہے۔ اور اس کی دیواروں پر ان مرنے والوں کے نام لکھے ہیں۔ جو پہلی جنگ عظیم میں کام آنے والے تھے تمام شاہی جلوس ان محرابوں کے نیچے سے گزرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے درمیان سے جو شرک گزرتی ہے وہ لندن کی سب سے بڑی فراخ شاہراہ ہے۔ اس کے ایک طرف بکننگھم پبلک ہے اور دوسری طرف ویسٹ منسٹر ہال۔ ان محرابوں کے اوپر کی عمارت میں بحریہ کی لائبریری ہے۔

## بنک آف انگلینڈ :

یہ سات منزلہ عمارت تھری نیڈل سٹریٹ میں واقع ہے۔ جسے سر ہربرٹ ہیکر نے ۱۹۲۵ء میں بنایا۔ انگلستان کے قومی قرضے۔ نوٹ چھاپنے اور پینج وغیرہ کے انتظامات اسی بنک کے سپرد ہیں۔ پاکستان اور دولت مشترکہ کے ممالک کے علاوہ اور بہت سے ممالک جو سٹرلنگ ایریا میں ہیں۔ ان کا لین دین اسی بنک کی معرفت ہوتا ہے۔ جو اشیاء پاکستان میں درآمد ہوتی ہیں۔ ان کی قیمت ہم یہاں کے بنکوں کو ادا کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے ممالک کو ان کی ادائیگی اسی بنک کے ذریعے ہوتی ہے۔ اسی طرح جو اشیاء درآمد ہوتی ہیں، ان کا حساب

بھی نہیں ہوتا ہے۔

## براؤ کاسٹنگ ہاؤس :

یہ پورٹ لینڈ پیس میں ہے۔ یہاں بی بی سی کا دفتر اور دنیا کا سب سے بڑا ریڈیو اسٹیشن ہے۔ یہاں سے دنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں دن رات پروگرام براؤ کاسٹ ہوتے ہیں۔ یہ سرکاری نگرانی میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کا انتظام ایک کارپوریشن کے سپرد ہے، جس میں عوام حصہ دار ہیں۔

## بکنگھم پیلس :

لندن میں ملکہ الزبتھ کی رہائش گاہ ہے۔ جس کی طرز تعمیر پرانی وضع کی ہے۔ جب ملکہ اس میں مقیم ہو تو شاہی جھنڈا لہراتا ہے۔ بد کے روز دو بجے سے چار بجے تک یہاں عوام کے لیے داخلہ کھلا ہے جس کے لیے پہلے سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

## سینوٹوٹ :

یہ مستطیل شکل کا میٹار ان مرنے والوں کی یادگار میں بنایا گیا تھا جو ہر دو جنگوں میں نادر وطن پر شاہ ہونے۔ اور نومبر کے قریبی اتوار کو یہاں ہر سال لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور دو منٹ کی خاموشی کی رسم

ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ملکہ، حکومت کے افراد اور دوسرے لوگ یہاں پھول چڑھاتے ہیں۔

## گلڈ ہال :

گریٹیم سٹریٹ میں لندن کا ٹاؤن ہال ہے۔ جو "گلڈ ہال" کے نام سے مشہور ہے۔ پہلا ہال تو ۱۶۶۶ء کی آگ میں تباہ ہو گیا تھا اس کی جگہ موجودہ عمارت بنائی گئی ہے۔ اس کے بڑے ہال میں بڑے بڑے لوگوں کو جن میں دوسرے ممالک کے صدر۔ بادشاہ اور وزراء اعظم ہوتے ہیں۔ لارڈ میئر اور لندن، لندن کی شہریت کے حقوق کا اعزاز دیتے ہیں۔ ۹ نومبر کو اس ہال میں ہر سال لارڈ میئر کی صیانت ہوتی ہے۔ جس میں حصہ لینا ہر شہری کے لیے باعثِ فخر خیال کیا جاتا ہے۔

## ایوان پارلیمنٹ :

پارلیمنٹ سکوئر میں دارالعوام اور دارالامراء واقع ہیں۔ یہاں برطانیہ کی پارلیمنٹ کے اجلاس منعقد ہوتے ہیں جب پارلیمنٹ کا اجلاس ہوتا ہے تو وکٹوریہ ٹاور پر یونین جیک لہراتا ہے۔ اور کلاک ٹاؤ میں روشنی کی جاتی ہے۔ یہ عمارت آٹھ ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی ہے اور دریائے ٹیمز کے کنارے پر واقع ہے۔ دریا کی طرف کا برآمدہ ۹۴۰ فٹ طویل اور ۳۳ فٹ چوڑا ہے۔ ان کی محرابوں میں شاہانِ انگلستان

کے محسّے رکھے ہوئے ہیں پچھلی جنگ عظیم میں بمباری سے اس عمارت کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ لیکن اب دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس عمارت میں گیارہ سو کمرے اور سو سیڑھیاں ہیں اس کے مغربی گوشہ میں دکتوریہ ٹاور ہے جو ۲۳۳ فٹ بلند اور ۲۵ فٹ مربع پینار ہے اور چار محزوظی ڈائٹوں پر کھڑا ہے۔ دکتوریہ ٹاور کی طرح شمال مغربی گوشہ پر کلاک ٹاور ہے۔ یہ ۳۲۰ فٹ بلند ہے اور اس میں ایک چوکور کلاک دگا ہوا ہے۔ جس کا ڈائٹل ساڑھے بائیس فٹ قطر کا ہے۔ مینٹ والی سولی ۱۴ فٹ لمبی ہے۔ یہ تقریباً ۵ ٹن وزن کا ہے۔ رات کے وقت یہ برقی قوت سے روشن ہوتا ہے۔ ان دونوں ٹاوروں کے درمیان ایک اور برج بنا ہوا ہے۔ اس کے نیچے جو دروازہ ہے اس میں سے بادشاہ بابلکے انگلستان پارلیمنٹ کے ایوانوں میں داخل ہونے کے لیے گزرتے ہیں۔

وائر العوام کی نسبت دائر الامراء زیادہ سجایا گیا ہے۔ ہر لارڈ کی کرسی پر اس کا نام درج ہے۔ اور رتبہ کے لحاظ سے اس کی ترتیب ہے۔ اس کی دیواروں پر دو تصویریں ۴۵ فٹ لمبی اور ۱۲ فٹ چوڑی کینوس پر بنی ہوئی آویزاں ہیں۔ ایک پریٹریفالگر میں نیلسن کی موت اور دوسری میں واٹر لو کی جنگ کا پس منظر ہے۔ ان دونوں تصویروں کا تعلق نیولین کی شکست سے ہے۔ کیونکہ نیولین نے اتنا مقدار حاصل کر لیا تھا کہ تمام یورپ پر اس کا قبضہ ہو چکا تھا اور انگلستان کو فتح کرنے کے

خواب دیکھ رہا تھا۔ ٹریفنگلر کی لڑائی میں نیلسن نے اس کی بحری طاقت کو تباہ کیا اور واٹرلو کی جنگ میں ڈیوک آف ویلنگٹن نے اس کی بری فوج کو شکست فاش دی۔

ایوان پارلیمنٹ کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریز قوم صحیح جمہوریت کی علم بردار ہے۔ کیونکہ وہ تمام تاریخی واقعات یہاں تصدیقوں کی صورت میں محفوظ ہیں، جن میں شاہی اقتدار کو آہستہ آہستہ کم کیا جاتا رہا اور عوام کو حکومت میں حصہ ملتا رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ شاہی خاندان کی عزت اور تعظیم میں بھی فرق نہیں آنے دیا۔ اور اسکی نشست پارلیمنٹ کے ایوان میں سب سے نمایاں رکھی گئی ہے۔ اور جب بادشاہ یا ملکہ پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہیں تو وہ تمام اہم معاملات جو پارلیمنٹ میں پیش ہونے والے ہوں، ان کا ذکر ان کی تقریر میں موجود ہوتا ہے۔

## ویسٹ منسٹریے :

پارلیمنٹ کے ایوان کے پاس ہی ویسٹ منسٹریے ہے۔ یہ گرجانا عمارت دُنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ پہلے یہ شاہی محل تھا۔ جس میں ہنری ہشتم تک انگلستان کے بادشاہ سکونت پذیر رہے۔ لیکن ۱۵۱۷ء میں آگ سے تباہ ہو گیا۔ تو ہنری ہشتم نے پارک پلیس میں سکونت اختیار کی اور ۱۵۳۲ء میں سینٹ جیمز کا محل تیار کروایا۔



ویسٹ منسٹر ہال اسی تباہ شدہ محل کا ایک حصہ ہے۔ جبکی مرمت ہوتی رہی۔ یہ تقریباً ۲۴۰ فٹ لمبا اور ۶۸ فٹ چوڑا ہے۔ اور اس کی بلندی ۹۲ فٹ ہے۔ ہال میں داخل ہونے والا دروازہ پتھر اور شاہ بلوط کی لکڑی کا بنا ہوا ہے۔

ہم اس کے اندر داخل ہوئے تو فرش پر جایا کندہ کیے ہوئے پتھر لگے ہوئے نظر آئے، جن پر اہم واقعات درج ہیں۔ مثلاً گلیڈسٹون کے دفن ہونے کی تاریخ ۲۶، ۲۷، ۲۸ مئی ۱۸۹۸ء ایڈورڈ ہفتم کی موت ۱۴ مئی ۱۹۱۰ء - ۹ مئی ۱۹۳۵ء جبکہ ہر دو ایوان پارلیمنٹ نے شاہ جارج پنجم کو سلور جوہلی کے موقع پر مبارکباد کا ایڈریس پیش کیا وغیرہ وغیرہ۔

اس ہال کے ایک حصہ میں تاجپوشی کا کمرہ ہے۔ جہاں ایڈورڈ وی کیفٹر کی گرسی رکھی ہے۔ جس پر بیٹھ کر انگلستان کے بادشاہوں کی تاجپوشی کی رسم ادا ہوتی ہے۔

ویسٹ منسٹر ہال میں بادشاہوں کے علاوہ بہت ہی بڑے پایہ کے لیڈروں شاعروں اور سیاستدانوں کو دفن کرنے کا اعزاز دیا جاتا ہے اور یہاں کی لائبریری میں دنیا بھر کی نادر کتابیں کتبے اور قلمی نسخے وغیرہ موجود ہیں۔

اس کے علاوہ اہم دعوتیں جن میں ملکہ انگلستان شرکت کرتی ہیں اسی ہال میں منعقد ہوتی ہیں۔ یہ ہال اندر سے اس قدر خوب صورت ہے

کہ عقل رنگ رہ جاتی ہے۔

## میڈم ٹشو کی مومی نمائش :

۱۸۶۲ء کا ذکر ہے، جب ایک نئی قسم کا عجائب گھر پیرس میں کھولا گیا۔ اس میں تاریخی واقعات مومی تصویروں کی مدد سے مرتب کیے گئے یا دشا ہوں بیگمات اور دوسرے اہم اشخاص کی مومی تصاویر بنائی گئیں اور ان کو وہی لباس پہنایا گیا جو وہ زندگی میں پہنتے تھے۔ تصویر دیکھ کر یہی معلوم ہوتا کہ وہ شخص دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔

یہ نگار خانہ میڈم ٹشو کے چچا نے پیرس میں کھولا۔ لیکن ۱۸۹۳ء میں وہ فوت ہو گیا۔ پورے ۹ سال کے بعد میڈم ٹشو اس نگار خانہ کو اٹھا کر بیکسٹریٹ لندن میں لے آئی جو ترقی کرتے کرتے ۱۸۲۵ء میں ایک مستقل نمائش گاہ بن گیا۔ ۱۸۸۴ء میں اس نمائش گاہ کے لیے بیکسٹریٹ کا فراخ مکان تنگ معلوم ہونے لگا۔ اور اسے موجودہ جگہ پر لایا گیا۔ ۱۹۲۵ء میں یہاں آگ لگ گئی اور موم کی یہ مورتیاں جل کر راکھ ہو گئیں۔ لیکن ۱۹۲۸ء میں دوبارہ اس کا افتتاح ہوا۔

نمائش گاہ میں داخل ہونے پر پہلا واقعہ جو پیش آیا وہ عجیب تھا اتفاق کہیے یا دل کی رہنمائی۔ جب ہم دروازہ کے اندر داخل ہوئے اور ٹکٹ لینے کے لیے بڑھے تو ٹکٹ فروخت کرنے والی لیڈی سے ہم نے ٹکٹ طلب کیا جو ہمیں مل گیا۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی اسی شکل و شباہت

کی عورت کا ایک مومی بُت ٹکٹ فروخت کرنے والی کا لباس پہنے  
کھڑا تھا۔ اور ایک فوجی نوجوان جو ہماری طرح نوزاد تھا اس بُت سے  
ٹکٹ مانگ رہا تھا۔ جب اُس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بہت ہی کھیانا  
ہوا اور ہماری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔

ٹکٹ لینے کے بعد نمائش کے مناظر دیکھنے لگے۔ جگہ جگہ مومی  
بُت کھڑے تھے۔ کوئی پھول فروش لڑکی ہے، تو کہیں پولیس کا سپاہی  
کہیں کوئی راہ گیر، لیکن ہیں سب مومی۔ دُور سے تو یہی معلوم ہوتا ہے  
کہ نمائش گاہ میں بڑی چہل پہل ہے۔ اور ہر طرف آدمی ہی آدمی ہیں۔  
لیکن قریب جاؤ تو وہ موم کی تصویریں نکلتی ہیں۔ تاریخ کے تمام اہم  
واقعات موم کی تصویروں میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ وہی لباس وہی جگہ  
معمولی تفصیل کی بھی فروگزاشت نہیں کی گئی۔ کہیں شاہی دربار ہے تو  
کہیں جلاؤ کسی باغی کا سر اڑا رہا ہے۔ کہیں نلزموں کو کڑی سے کڑی سزا  
دی جا رہی ہے۔ کہیں شادی کی رسوم ادا ہو رہی ہیں۔ یہ مناظر کچھ اتنے  
دلچسپ تھے کہ پہروں دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔

مومی تصویروں کو دیکھ کر خیال آیا کہ یہ لوگ کتنے دانا ہیں اور  
عوام کو تعلیم دینے کا کیسا اچھا طریقہ انہوں نے راج کر رکھا ہے۔ بچے  
آتے ہیں۔ تصویریں دیکھ کر اُن کو ملک کی تاریخ خود بخود یاد ہو جاتی ہے  
جب وہ تاریخ میں اُن واقعات کو پڑھتے ہوں گے جن کی مومی  
تصاویر وہ دیکھ چکے ہیں تو وہ واقعات زندہ اور تازہ اندہ اُن کی آنکھوں

کے سامنے آجاتے ہوں گے۔ ہمیں ایک خاص گروپ میں حضرت قائد اعظم مرحوم اور مسٹر جواہر لال نہرو کے بت بھی نظر آئے۔ جو اپنے اپنے قومی لباس میں لبوس تھے۔ قومی نمائش گاہ میں ایک خاص حلقہ مشہور جبرائیم پیشہ اشخاص کا ہے۔ جس میں انگلستان یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے نامی ڈاکٹروں، پوروں، نوبلیوں اور بد معاشوں کے مومی بت رکھے ہوئے ہیں۔ اس ٹوٹے میں ہم نے ہٹلر جو من ڈیکٹیٹر کا بت بھی دیکھا جس کے نام سے دنیا کانپتی تھی اور جس کو جو من فیوہرر (باپ) کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ بت اس جگہ دیکھ کر انگریزوں کی ذہنیت پر بڑا افسوس ہوا کہ ایسے جاہل قومی لیڈر گوڈاکوؤں کے گروہ میں شامل کر رکھا ہے۔ لیکن قلم در کف دشمن والا معاملہ ہے۔

## چرٹیا گھر:

لندن کا چرٹیا گھر دنیا میں غالباً سب سے بڑا ہے۔ یہاں ہر ملک کے دسوش، چوڑ اور حشرات الارض جمع ہیں۔ یہاں کے عجائب و غرائب دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا نظارہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور کائنات کی تمام اشیاء حیوانات، جمادات اور نباتات اس کے قبضہ میں رکھے ہیں تاکہ وہ ان سے استفادہ کرے۔ خوفناک ہاتھی، شیر، گینڈے، دیانی گھوڑے، آہنی پنجروں میں بند ہیں۔ لیکن اس چرٹیا گھر میں ایسا ماحول ہے جیسے

وہ اپنی رہائش گاہ میں مقیم ہیں۔

ایزن کے جنگلات کے بطور، افریقہ کے پرندے، انڈونیشیا کے  
 طوطے اور آسٹریلیا کے کنگرو وغیرہ موجود ہیں۔ ہر قسم کے سانپ، سمندر  
 کی مچھلیاں اور ایسے حشرات جن کی بابت نہ پڑھانہ سنا، یہاں نظر پڑے  
 جگہ جگہ بیٹھنے کے لیے سیٹیں لگی ہیں۔ انگریز عورتیں اور بچے سینکرو  
 نہیں ہزاروں کی تعداد میں یہاں آتے ہیں اور چڑیا گھر کی سیر سے  
 لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ایسی جگہ کی سیر کر کے معلومات میں جو فوری اضافہ  
 ہو جاتا ہے، وہ محض کتابیں پڑھنے سے کبھی نہیں ہو سکتا۔

## اسکسفوڈ اور پیرجیو نیورسٹیاں :

یہ تاریخی یونیورسٹیاں تعلیم کا کام صدیوں سے کر رہی ہیں۔ اگرچہ  
 وقت کم تھا، لیکن لندن اگر یہ خیال آیا کہ ان دونوں جگہوں کی سیر بھی ضروری  
 ہے۔ چنانچہ ٹیکسی لے کر اگلے دن، ناشتہ کیے بغیر روانہ ہو گئے۔ کیونکہ  
 انگلستان میں ہر ٹرک پر دو یا تریک ریٹوران ہوتے ہیں۔ جہاں  
 مسافروں کو جب چاہیں ناشتہ، کھانا پھاسنے وغیرہ بہت جلد مل جاتی ہے

## لندن کا ٹریفک :

صبح کا وقت تھا۔ ابھی ٹریفک کا زور نہ ہوا تھا۔ اس لیے ہماری گاڑی  
 آسانی سے اٹنی چلی جا رہی تھی۔ لندن میں ٹریفک کا یہ عالم ہے کہ سیکڑوں

موٹریں، بسیں قطار در قطار آ جا رہی ہیں۔ اور ٹریفک کا کنٹرول اتنا اچھا ہے کہ جہاں روکنے کا اشارہ ہو یا یہ تمام بسیں فوراً کھڑی ہو جاتی ہیں، اور جب چلنے کا سگنل ملے پھر اپنا سفر جاری کر دیتی ہیں۔ بڑی بڑی سڑکوں سے آر پار ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ پیدل چلنے والے لوگوں کے لیے بسوں اور موٹروں کو روکنے کا کوئی انتظام نہیں۔

سیا ہی کی عزت بھی یہاں نظر آتی ہے۔ اس کا ایک اشارہ ہوا اور تمام موٹریں اس طرح رُک گئیں، جیسے انھیں یہاں ٹھہرنا تھا۔ خواہ ان موٹروں میں وزیر ہوں یا سیاست دان۔ پولیس کے افسران ہوں یا سرکاری عہدہ دار۔ ہمارے ہاں کی طرح نہیں کہ اگر وزیر کی سواری گزرتی ہے تو پہڑن پہلے ہی ٹریفک بند کر دیا جاتا ہے اور ان کے گزر جانے کے بعد عوام کو گزرنے کی اجازت ملتی ہے۔

دنیا کے مشہور سیاست دان مسٹر چرچل کو بھی ایک موٹر میں بیٹھے اور سیکار کے دھوئیں اڑاتے دیکھا اور اسی طرح کسی موجودہ وزیر کو لیکن کیا مجال کہ ان کی ہٹو بچو کے لیے ایک نفر بھی اس کارِ خاص پر تعینات کیا گیا ہو۔

چند برس ہوئے مجھے دہلی سیکرٹریٹ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ بارہ میں کھڑا تھا کہ ایک موٹر سائیکل وہاں آ کر رُک گیا جس کے فوراً ہی بعد ایک چھوٹی سی موٹر کار میں ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو دھوتی باندھے اور سر پر گاندھی ٹوپی رکھے بڑی سادگی سے اکیلے ہی اتر کر

یسی بجائے ہوئے اسی برآمدے میں سے گزرتے اپنے کمرے میں جا پہنچے۔ نہ کوئی ہٹو بچو کی آوازیں تھیں اور نہ جلو میں کوئی باڈی گارڈ صرف ایک کلرک نما شخص جو ڈرائیور کے پاس بیٹھا ہوا تھا چند فائیس لے کر اسی دفتر میں چلا گیا۔

ہاں تو جب ہم آکسفورڈ کی طرف جا رہے تھے۔ سڑک صاف تھی اور ہم بڑی تیزی سے سفر کر رہے تھے۔ سڑک کے دورویہ دوختوں کی قطاریں تھیں اور کہیں کہیں قبوہ خانوں، ریسٹورانوں اور ہوٹلوں کی عمارات نظر آتی تھیں۔ ایک جگہ ٹھہر کر ہم نے ناشتہ کیا اور پھر منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔

ان دنوں لندن میں غیر معمولی گرمی پڑ رہی تھی۔ اس لیے شہر کے اندر اور اندر دگر و دور تک دُھند نظر نہ آتی تھی۔ جو عام طور پر یہاں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ لندن کا رخاںوں کا بہت بڑا مرکز ہے۔ یہاں ہر قسم کے سامان تیار کرنے کے کارخانے ہیں۔ جن کی چیمنیوں سے صبح و شام دُھواں نکلتا رہتا ہے اور فضا میں جمع ہو کر دُھند کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس دُھواں کی وجہ سے موسم سرما میں تو سڑکیں بھی خطرناک ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ دُھند اتنی گہری ہوتی ہے کہ گاڑیوں کی سرچ لائٹیں چند قدم کے فاصلے سے بھی دکھائی نہیں دیتیں۔

لوہے کے سامان کے کارخانے، شیشہ، برتن سازی، مشینیں، ادویات، شراب، کھانڈ غرضیکہ ہر قسم کا کارخانہ یہاں موجود ہے۔ جس

میں مزدور لاکھوں کی تعداد میں کام کرتے ہیں۔

آکسفورڈ لندن سے ۶۵ میل پر ہے۔ دو گھنٹہ کے سفر کے بعد

اس کی عمارات نظر آنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ گرجاؤں کا شہر ہے

لیکن نہیں یہ مختلف کالجوں کی عمارات ہیں۔ جن میں دنیا کے ہر ملک

کے طالب علم تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ چین، جاپان، پاکستان، بھارت

افریقہ، برما، مصر، عرب، شام، امریکہ، غرضیکہ دنیا کا کوئی ایسا خطہ نہیں

یہاں کے طالب علم یہاں موجود نہ ہوں۔ کالجوں کی عمارات پتھر سے

بنائی گئی ہیں اور ان میں بعض تو صدیوں پرانی ہیں۔ یہاں تقریباً تیس

مختلف کالج ہیں۔ جن میں ہر علم و فن کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے۔ ہر سات

طالب علموں کے لیے ایک ٹیوٹر ہوتا ہے۔ جس کا کام ان طلبہ کی

نگرانی ہے۔ وہ ہفتہ میں ایک بار ہر شاگرد کے مضمون کو اس کی

موجودگی میں دُورست کرتا ہے۔ اعتراض ہوں گے، ان کے جواب

ہوں گے اور اُستاد شاگرد کے درمیان ایک دلچپ مباحثہ ہوتا رہے گا

اس طرح اُستاد اور شاگرد میں ایک ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے جو اس

ٹیوٹوریٹ سے ہی مخصوص ہے۔ طالب علم کو اس ڈور سے کہ اُستاد کی نظر

میں اس کی وقعت کم ہو جائے گی، اپنا مضمون محنت اور تحقیق سے تیار

کرنا پڑتا ہے۔ جس سے اس میں تحقیق اور تجسس کی عادت پیدا ہو جاتی

ہے اور اس کا علم پایہ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔

اُستادوں اور طالب علموں کے لیے رہائش کا اعلیٰ انتظام ہے



ہر کالج کے ارد گرد وسیع باغات اور سیرگاہیں موجود ہیں۔ جہاں طالب علم پڑھتے پھرتے اور سیر و تفریح کرتے ہیں۔

آکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری اپنی قسم کی واحد لائبریری ہے۔ اس میں ہر علم اور سائنس کی کتابیں موجود ہیں۔ جن کی تعداد ۲۰ لاکھ سے زیادہ ہے۔ اس لائبریری میں مطالعہ کرنے والوں کے لیے جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ جہاں وہ اپنے مطالب کی کتابیں لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے مطالعہ میں کوئی باہرج نہیں ہوتا۔

آکسفورڈ سے واپس لندن آئے اور کھانا کھانے کے بعد کیمبرج کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ شہر لندن سے ۵۵ میل کے فاصلے پر ہے۔ کوئی ڈیرہ گھنٹہ میں سفر ختم ہوا۔

کیمبرج کی یونیورسٹی انگلستان کے مشرقی ساحل کے قریب واقع ہے۔ یہ یونیورسٹی آکسفورڈ کے بعد قائم ہوئی۔ لیکن جو تعلیمی خدمت اس نے سرانجام دی ہے۔ وہ آکسفورڈ سے کسی طرح کم نہیں خاص کر شعبہ سائنس میں یہاں کے طالب علموں نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ آکسفورڈ کی طرح یہاں بھی مختلف کالج ہیں۔ جن میں ہزاروں طالب علم اساتذہ کی نگرانی میں حصول علم میں مشغول ہیں۔ اس یونیورسٹی میں بیکن نیوٹن، ڈرائڈن اور ہارن نے تعلیم حاصل کی جو دنیائے فرنگ میں قابل ترین ہستیاں تسلیم کی گئی ہیں۔ آکسفورڈ کی طرح یہاں بھی یونیورسٹی کا اپنا عجائب گھر ہے۔ لائبریری اور کالجوں میں پیٹر ہاؤس، کنگ کالج، ٹرنٹی کالج

بہت مشہور درس گاہیں ہیں۔

## پاکستان میں یونیورسٹی ٹاؤن کی ضرورت :

ان ہر دو یونیورسٹیوں کی سیر سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ پاکستان میں بھی یونیورسٹی ٹاؤن علیحدہ ہونا چاہیے۔ تمام کالج وہاں منتقل ہوں اور طلباء کی رہائش کا انتظام بھی وہیں ہو۔ یونیورسٹی کا ہسپتال کلب، کھیل کے میدان، ڈاک خانہ، تازہ گھر ٹیٹی وغیرہ سب علیحدہ ہو۔ بلکہ پولیس اور مجسٹریٹ بھی علیحدہ ہوں اور طالب علم جب بھی وہاں سے شہروں میں آئیں تو ان کا مخصوص لباس ہو، جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ طالب علم ہیں۔ اس طرح جو بد اخلاقیوں کے مظاہرے یہاں میلوں اور نمائشوں پر ہوتے ہیں۔ طالب علم ان میں حصہ لینے سے محترز رہیں گے کیونکہ وہ اپنے لباس میں نمایاں ہوں گے۔

## ٹیلیفون بنانے کا کارخانہ :

کیمبرج میں جانے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ جب میں سوئٹزر لینڈ کے شہر جنیوا سے گزرا تو وہاں ایسی کاریں دیکھنے میں آئیں جنہیں ٹیلیفون لگے ہوئے تھے۔ ان سے تحقیق کرنے کا وقت نہ مل سکا۔ اس لیے لندن میں آتے ہی اس جستجو میں ٹیکسیوں کے کرایہ کی شکل میں کافی رقم صرف کی۔ آخر میں پتا چلا کہ دنیا میں ایسے ٹیلیفونوں کا ایک مشہور کارخانہ

موسومہ "پانی ٹیلی کمیونیکیشن" کیمبرج میں موجود ہے۔ اس لیے یونیورسٹی کی سیر کے بعد اس کارخانہ میں جا پہنچے۔ جہاں ہمارا استقبال ایک نوجوان لڑکی نے کیا۔ جو کارخانہ میں ہر آنے والے نوزاد کی ہر قسم کی رہنمائی کرتی ہے۔

ہم نے اس سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو ہمیں وہ کارخانے کے ڈائریکٹر کے پاس لے گئی۔ جو بڑی خندہ پیشانی سے پیش آیا اور خود ہمیں کارخانہ کا معاہدہ کرانے کے لیے ساتھ لے گیا۔ کارخانہ میں سینکڑوں زن و مرد ٹیلیفون بنانے کے مختلف کام سرانجام دے رہے تھے۔ ہماری یا ڈائریکٹر کی آمد کا ان پر کوئی اثر نظر نہ آتا تھا اور وہ کام میں اسی طرح مشغول تھے۔

معاہدہ کے بعد ہم دفتر میں گئے اور ان سے یہ ٹیلیفون اپنی کراچی لاہور اور پشاور کی موٹر کاروں میں لگوانے کی خواہش ظاہر کی۔ ڈائریکٹر نے ہمیں بڑی بڑی محنتیں دیتے ہوئے پاکستان میں اپنے نمائندے کا پتہ دیا کہ وہ اس کام میں ہماری رہنمائی کرے گا۔

شام کے قریب ہم واپس لندن آگئے۔ آج ہم نے ۲۵۰ میل کے قریب موٹر میں سفر طے کیا تھا اس لیے رات کا کھانا کھا کر سو گئے۔

شاہی محللات اور سرکاری عمارات :  
انگریزی تہذیب اور شاہ پرستی کا مرکز بلنگھم پلس ہے۔ جہاں

انگلستان کا شاہی خاندان مُقیم ہے۔ یہ محل ڈیوک آف بکنگھم نے ۱۷۰۳ء میں اپنی رہائش کے لیے لندن میں بنوایا تھا۔ ڈیوک کے خاندان سے شاہ جارج سوم نے ۱۷۶۲ء میں خریدا۔ جس کے بعد شاہی خاندان اس میں رہنے لگا۔ ملکہ وکٹوریہ نے ۱۸۳۷ء میں سرکاری طور پر اس میں سکونت اختیار کی اور اس وقت سے اب تک انگلستان کے بادشاہ اس میں مُقیم چلے آتے ہیں۔ محل کے سامنے کا حصہ ۱۹۱۳ء میں بنایا گیا تھا۔ جو اعلیٰ کاریگری کا نمونہ ہے۔ اس کے سامنے سے مال روڈ گزرتی ہے جو ایڈمرالٹی آرچ کے نیچے سے ہو کر ٹرانسفالگر سکور میں ختم ہو جاتی ہے اسی سڑک پر سے شاہی جلوس گزرتے ہیں، خواہ وہ پارلیمنٹ کے افتتاح کی رسم ہو یا ملکہ کے یوم پیدائش کا تو ہار یا شاہی خاندان کے افراد کی شادی ہو یا غیر مالک کے کسی بادشاہ یا صعد کی آمد کا موقع۔

مال روڈ سے دائیں طرف ایک بڑے سینٹ جیمز پارک جاتی ہے۔ یہ باغ، ایکڑ زمین میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کی فراخ سطح سبز گھاس سے ڈھکی ہوئی ہے۔ جگہ جگہ روشوں پر تماشاٹیوں کے لیے بیچ بچھے ہیں۔ یکباریاں پھولوں سے آراستہ ہیں۔ جن میں رنگ برنگ کے پھول کھلے ہیں۔ اس کے وسیع میدان میں پانی کا ایک تالاب بھی ہے۔ جس میں قسم قسم کے پرندے تیرتے نظر آتے ہیں۔

سینٹ جیمز پارک کے مشرق کی طرف وزارت خزانہ اور خارجی امور کے دفاتر واقع ہیں۔ آرچ سے گزرنے کے بعد وائٹ ہال آجاتا ہے۔

جو دولت انگلشیہ کا سیاسی اور انتظامی مرکز ہے۔ اُس کے آگے پہر دار  
گھوڑوں پر سوار گشت کرتے نظر آتے ہیں۔ اُن کے یونیفارم اور  
گھوڑے دیکھنے کے لیے تماشاخی یہاں جمع رہتے ہیں۔

وزارت خزانہ اور وزارت خارجہ کے دفاتر کے درمیان وہ  
سڑک گزرتی ہے۔ جہاں انگلستان کے وزیر اعظم کی سرکاری رہائش گاہ  
ہے یعنی ڈاؤننگ سٹریٹ۔ یہاں مرکان ممبرز میں وزیر اعظم رہتے ہیں  
یہ مرکان بہت پُرانا ہے اور باہر سے کچھ ایسا جاذب نظر نہیں۔ اس  
کے ساتھ وزارت داخلہ کے دفاتر کے ساتھ رائل یونیورسٹی سروس میوزیم  
ہے۔ جہاں کسی زمانے میں بڑی بڑی سرکاری دعوتیں منعقد ہوتی تھیں  
اسی ہال کی پہلی منزل کے دروازہ سے ۳ جون ۱۶۶۹ء کو چارلس  
اول شاہ انگلستان پھانسی کے تختہ پر چڑھنے کے لیے باہر آیا تھا۔ قریب  
ہی وزارت محنت و فضائیت کے دفاتر ہیں۔

یہاں سے پارلیمنٹ سٹریٹ شروع ہوتی ہے۔ جہاں سینوٹات  
ایوان پارلیمنٹ اور ویسٹ منسٹریاں واقع ہیں۔ اُن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے

## دریائے ٹیمز :

دریائے ٹیمز کے دونوں کناروں پر لندن کا شہر پھیلا ہوا ہے  
اس میں کشتیاں، جہاز ہزاروں کی تعداد میں چلتے ہیں۔ دن رات  
کنے جانے والے جہازوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ اس کی مشرقی شاخ پر

لندن کا صنعتی اور تجارتی مرکز واقع ہے۔

## ایک عجیب سُرنگ :

دریائے ٹیمز کے نیچے کئی میل لمبی ایک سُرنگ بنائی گئی ہے جس میں دو روپہ آمد و رفت کے لیے گاڑیاں چل سکتی ہیں۔ پیدل چلنے والوں کے لیے علیحدہ فٹ پاتھ بھی بنائے گئے ہیں۔ اس سُرنگ کو بجلی کی روشنی سے منور کیا گیا ہے۔ ہوا بھی فرسٹے دار چلتی رہتی ہے۔ ہم نے موٹر میں اس کی سیر کا خوب لطف اٹھایا۔

## ٹیمز کا وکٹوریہ بند :

یہ بند دریائے ٹیمز کے کنارے پر ۱۸۶۰ء میں باندھا گیا تھا۔ تاکہ دریائے کنارے سیر کرنے والوں کو سہولت رہے۔ اس کے ایک سرے پر دریائے ٹیمز میں سیر کرنے والے لوگوں کے جہاز اور کشتیاں آ کر ٹھہرتی ہیں۔ یہاں ایک شہزادی کا مجسمہ ہے جو رتھ میں سوار دکھائی گئی ہے۔ بائیں طرف سکاٹ لینڈ یارڈ کی عمارت ہیں جو لندن کی پولیس کا مرکز ہے۔ اس سے آگے رائل ایر فورس میموریل ہے یہ کانسٹی کا بنا ہوا عقاب ہے۔ جو یروں کو تولے ہوتے شکار پر چھپٹ رہا ہے۔ اسی بند پر کچھ دُور آگے ملکہ کلوپٹرا کی قیدل ہے۔ یہ ۷ فٹ بند سٹون ہے جس کا وزن ۱۸۰ ٹن ہے۔ یہ ۱۵۰۰ قبل مسیح میں مصر کے مقام ہیلی

پولیس میں ریستادہ تھا۔ یہاں سے اکھاڑ کر اور لوہے کے سلنڈر میں بند کر کے انگریز اسکے لندن میں لائے اور ۱۸۵۸ء میں یہاں نصب کیا اس بند پر دوسرا پبل واٹر لوکا ہے۔ یہ کاریگری کا بہترین نمونہ ہے۔ یہاں سے ولنگڈن سٹریٹ شروع ہوتی ہے۔ جہاں سے سٹریٹ سٹریٹ نکلتی ہے۔ یہ سٹریٹ بہت ہی مشہور ہے۔ کیونکہ اس کے ایک طرف نیشن ایل لندن یعنی ولنگڈن اینڈ ہے اور دوسری طرف لندن کا پرانا شہر

## ولنگڈن اینڈ :

ولنگڈن اینڈ کسی خاص جگہ کا نام نہیں۔ ولنگڈن اینڈ کا نام سن کر دماغ میں عالی شان عمارات، شاندار ہوٹل، نہایت اعلیٰ ڈکانیں اور بند پائیہ کلبوں کا تصور بندھ جاتا ہے، اور یہ سب بھی درست۔ مگر ولنگڈن اینڈ کے بہت بڑے حصے میں جہاں کبھی خوبصورت محلات، ہوٹل اور کلب گھر تھے۔ آج کل بڑے بڑے ایوان تجارت ہیں۔ بڑے بڑے لارڈوں اور ڈیوکوں کے محلات۔ مثلاً ڈیون شائر ہوس۔ چیسٹر ہیلڈ ہاؤس امراء کی رہائش گاہ نہیں رہے۔ بلکہ تجارتی دفاتر میں تبدیل ہو گئے ہیں اور دنیا کی درآمد اور برآمد کا مرکز بن چکے ہیں۔

ولنگڈن اینڈ کا مرکز پکا ڈلی سرکس ہے۔ جسے لندن کا دل کہنا چاہیے۔ یہاں سے تمام بڑی بڑی سٹریٹس لندن کے اطراف کو نکلتی ہیں۔ ولنگڈن سٹریٹ جو لندن میں سامان آرائش کی تجارت کا مرکز ہے۔

۲۔ سینٹ جیمز سٹریٹ۔ یہ سڑک کلبوں کے لیے مشہور ہے۔ لندن کے تمام مشہور کلب گھر اس پر واقع ہیں۔

۳۔ رینڈل سٹریٹ۔ تجارتی سامان کے لیے مشہور ہے۔ ان مشہور سڑکوں کے علاوہ اور بھی بہت سی سڑکیں یہاں سے نکلتی ہیں۔

## برٹش میوزیم :

برٹش میوزیم رسل سٹریٹ میں واقع ہے۔ یہ انگلستان میں سب سے بڑا عجائب خانہ ہے۔ جس میں تاریخ آرٹ، علوم قدیم اور ادب کی بہترین کتابیں اور دستاویز اور نادر نمونہ جات محفوظ ہیں۔ اس کا فن تعمیر یونانی طرز پر ہے۔ جو اٹیسویں صدی میں انگلستان میں بہت مقبول تھا۔ اس کی لمبائی ۲۴ فٹ ہے۔ ان کے دونوں سروں پر دو حصے آگے کی طرف بڑھے ہوئے ہیں۔ جن کے برآمدے ۴۴ ستونوں پر کھڑے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں اس عمارت کو بمباری سے عظیم نقصان پہنچا۔ لیکن نادر اشیاء یہاں سے نکال کر محفوظ مقامات پر پہنچا دی گئی تھیں۔ اس لیے وہ نقصان سے محفوظ رہیں۔ اس عمارت میں دُنیا کے ہر ملک اور ہر مقام سے تاریخی اہمیت کی اشیاء لاکھوں لاکھوں جمع کر رکھی ہیں۔

برٹش میوزیم کی بنیاد چلسیا (لندن) کے ایک ڈاکٹر نے ۱۷۵۳ء میں رکھی۔ اس ڈاکٹر کے پاس بہت سی نادر تاریخی اشیاء کا ذخیرہ تھا جو



اس نے مرتے وقت ملک کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد ہر ملک کے نوادرات جو انگریزوں کے ہاتھ لگے، یہاں جمع ہوتے رہے۔ صرن لائبریری میں کتابوں کی تعداد چالیس لاکھ ہے۔ جس میں سالانہ پچاس ہزار کتابوں کا اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ دولت مشترکہ میں ہر چھپنے والی کتاب کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں رکھا جاتا ہے۔ اس کے ریڈنگ روم کا گنبد ۴۰ فٹ قطر کا ہے۔ جو دنیا کے بڑے بڑے گنبدوں میں شمار ہوتا ہے۔ اخبارات کے تین لاکھ نسخے یہاں ہر سال آتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دنیا کے مشہور ممالک میں نکلنے والا کوئی ایسا اخبار نہیں جس کا ایک نسخہ روزانہ یہاں موصول نہ ہوتا ہو۔ یہ اخبارات فائلوں کی صورت میں الماریوں میں رکھے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آج سے ۱۰ یا ۲۰ سال پہلے کا اخبار دیکھنا چاہے، تو تلاش میں کوئی وقت نہیں ہوتی۔ ہر ملک کے ہر اخبار کے لیے علیحدہ شیفٹ ہے۔ جس میں اس کی فائلیں ترتیب وار لگی ہوتی ہیں۔

مصر انگریزوں کے قبضے میں کافی عرصہ رہا ہے۔ اور یہ ایک ایسا ملک ہے جس کی تاریخی اہمیت کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مصری تہذیب کسی ہزار سال قبل مسیح کی ہے جس کا ذکر نہ صرف بائبل میں موجود ہے۔ بلکہ فراعنہ مصر کے مقبروں میں محفوظ ہے۔ انگریزوں نے قبضہ کے دوران میں ان مقابر سے جنوط شدہ لاشیں، پاپیرس رول اور دوسرے کتبے نکالے۔ کچھ قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھے اور باقی ماندہ یہاں لے

اُنے۔ برٹش میوزیم میں مصری نوادرات کے لیے علیحدہ گیلری ہے۔  
 جہاں محفوظ شدہ لاشیں۔ مصری خط میں لکھے ہوئے ہزاروں سال پرانے  
 ریکارڈ۔ ہیرے، جواہرات، لباس، برتن، گھر کا سامان رکھا ہے۔ تاریخ  
 کے طالب علم کے لیے ان کے بعد کسی اور شعبے کی ضرورت نہیں رہتی۔  
 برٹش میوزیم کے قریب ہی لندن یونیورسٹی کے دفاتر ہیں اور کسٹورڈ  
 سرکس کے شمال میں ریجنٹ پارک ہے۔ یہ تقریباً ۴۱۲ ایکڑ زمین پر باغات کی  
 صورت میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی لندن کا وحوش خانہ دچریا گھر ہے

## ہانڈ پارک :

اور کسٹورڈ سٹریٹ ہمیں ماربل آرچ کی طرف لے جاتی ہے۔ ماربل آرچ  
 دراصل امیر البحر نیلسن کی یاد میں بنائی گئی تھی۔ لیکن اس کے نیچے سے  
 شاہی جھوس گزارنے میں جب وقت پیش آئی تو اسے وہاں سے ہٹا کر  
 ہانڈ پارک کا دروازہ بنا دیا گیا۔

ہانڈ پارک باغات کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ جو وائنٹ ہال سے  
 کنگسٹن تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا محیط پانچ میل ہے اور اس میں تین  
 میل لمبی سایہ دار سڑکیں بنی ہوئی ہیں۔ جیمز اول کے عہد تک یہ شاہی  
 شکار گاہ تھی۔ چارلس اول نے اس کے درمیان اکھاڑا بنایا۔ یہاں خونی  
 معرکے ہوتے تھے۔ جب دو انگریزوں کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو  
 جاتا تو وہ ایک دوسرے کو پستول یا تلوار سے مقابلے کی دعوت دیتے۔

ہر ایک اپنے ساتھ ایک نائب لاتا۔ تلواروں کا مقابلہ ہوتا۔ ایک زخمی ہو کر گر پڑتا اور مارا جاتا اور دوسرا کامیاب ہو جاتا۔ اس خوبی معرکہ کو ڈوئل کہتے تھے۔ انگلستان اور یورپ میں اٹھارھویں اور انیسویں صدی کی ابتدا تک ان معرکوں کا عام رواج تھا۔ قاتل، پتھر اور اٹھائی گیسے یہاں جمع رہتے اور سیر کرنے والوں کو اپنا شکار بناتے لیکن جارج دوم کی بلکہ کیرولین نے اسے سیرگاہ میں بدل دیا۔ ۱۰۰ ایکڑ زمین میں ایک مصنوعی جھیل بنائی۔ جہاں موسم گرما میں نہانے والے جمع ہوتے ہیں یہ پارک اب لندن کی بہترین سیرگاہ اور تفریحی مقام ہے جہاں مرد، عورتیں، بچے ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر سیر و تفریح سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ موسم گرما میں شام کے بعد تو یہاں ایک میلہ لگا ہوتا ہے۔ جہاں سیکڑوں جوڑے (مرد و زن) بچوں پر بیٹھے یا گھاس پر لیٹے چہل باز یوں میں مصروف پائے جاتے ہیں۔ لیکن کوئی ایک دوسرے کو نہیں دیکھتا۔

## پراناشہر :

لندن کا شہر دیکھنا ہو تو تقطیل کے دن یعنی اتوار کو دیکھیں۔ جب کہ ہر بازار اور سڑک پر تماشاہنوں کا ہجوم ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسانوں کا ٹھاٹھاں مارتا ہوا سمندر کسی نمائش گاہ کی طرف جا رہا ہے عام دنوں میں سڑکوں پر اٹو بدلتا ہے۔

پرانہ شہر لاہور کے اندرونِ فیصل کے شہر سے ملتا جلتا ہے۔ جہاں سڑکیں تنگ ہیں گلیاں بیچ دار اور بھول بھلیاں کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ پرانی وضع کی عمارتیں جو دھوئیں سے سیاہ ہیں، نظر آتی ہیں۔ جن میں انسان جانوروں کی طرح بند ہیں۔ ایک کمرے میں پورا خاندان آباد ہے کہیں فاقہ زدہ اور بے بس بچے گلیوں میں کھلتے نظر آتے ہیں۔ جن کے پھٹے پرانے کپڑے اُن کی غربت کے آئینہ دار ہیں۔ پاکستان کے رہنے والوں نے تو انگریز حکمران کو دیکھا ہے۔ جس کا سر غرور سے بلند رہتا تھا اور یہاں حاکم بن کر آتا اور حاکم ہی ریٹائر ہو کر چلا جاتا تھا۔ لیکن ان اندرونِ شہر کے رہنے والوں کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ لندن میں بھی غریب اور فلاکت زدہ لوگ ہیں۔ جن کو کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ جو سردی میں ٹھٹھرتے ہیں اور جنہیں سرما کی برفانی راتیں گلیوں میں سیڑھیوں پر گزارنی پڑتی ہیں۔

## فلیٹ سٹریٹ :

بلیک فرائر برج کے شمال کی طرف برج سٹریٹ ہے اور بائیں جانب فلیٹ سٹریٹ۔ اس سڑک کا نام دریائے ٹیمز کے ایک مٹھاون پر رکھا گیا ہے۔ فلیٹ سٹریٹ کا نام آتے ہی لندن کے سیاح کے سامنے اخبارات کی دنیا آجاتی ہے۔ اس سڑک پر لندن سے نکلنے والے تمام اخبارات رسالوں کے دفاتر اور چھاپے خانے ہیں۔ ڈیلی مرر۔ لندن ٹائمز۔

ڈیلی ایکسپریس بڑی بڑی جہاز کی عمارتوں میں واقع ہیں جو کسی کسی منٹروں کی ہیں۔

## عجیب رسم :

فلٹ سٹریٹ جہاں ختم ہوتی ہے، وہ جگہ ٹیمل بار کہلاتی ہے یہاں ملکہ وکٹوریہ اور ایڈورڈ ہفتم کے چیمبر وہ ولیعہد سلطنت تھا جسے نصب ہیں۔ اس مقام سے ایک عجیب رسم وابستہ ہے۔ جب شاہی سواری کا جلوس شہر میں داخل ہو کر اس مقام پر پہنچتا ہے۔ تو بادشاہ لارڈ میٹر سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اسے ٹیمل بار میں جانے کی اجازت دے اس پر لارڈ میٹر بادشاہ کی خدمت میں شہر کی چابیاں پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد جب سواری یہاں سے روانہ ہوتی ہے تو یہ چابیاں لارڈ میٹر کو واپس کر دی جاتی ہیں۔

## لندن کی عدالتیں :

فلٹ سٹریٹ کے جوڑب سے شروع ہو کر دریا کے کنارے تک سرکاری عدالتوں کی عمارات ہیں یہاں پر انٹرنیشنل اور نڈل ٹیمل واقع ہیں۔ جہاں بیرسٹری کی تعلیم دی جاتی ہے۔

## ٹاور اور لندن :

یہ قلعہ ٹاور ہل پر واقع ہے۔ یہ لندن کی بہت ہی پرانی عمارتوں

میں سے ہے۔ درمیان فی مربع گنبد جو سفید گنبد کے نام سے مشہور ہے، موسیٰ  
 فارح نے آج سے ایک ہزار سال پہلے بنایا تھا۔ بعد کے شاہی خاندان  
 اس میں اضافہ کرتے چلے آئے اور آج یہ قلعہ ایک وسیع رقبہ میں پھیلا  
 ہوا ہے۔ ہنری سوم اور ایڈورڈ اول نے اس کی تفصیل بنوا کر مصنوطی میں  
 اضافہ کیا۔ اس بڑے گنبد کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے برج بنائے رچرڈ  
 اول نے اس کے گرد گہری خندق کھدوائی۔ مختلف شاہی خاندانوں  
 کے عہد میں کبھی بطور قلعہ، کبھی شاہی رہائش گاہ، کبھی سرکاری جیل،  
 کبھی خزانہ اور کبھی ریکارڈ آفس استعمال کیا گیا۔ اس کے ہر برج کا علیحدہ  
 علیحدہ نام ہے۔ ان میں سے ایک ٹوئی برج کے نام سے موسوم ہے۔  
 جس میں ڈیوک آف یارک اور اس کے بھائی ایڈورڈ پنجم کو ان کے چچا  
 نے قتل کیا تھا۔ اس کے ایک برج میں سردار ٹریبلے کو نظر بند کیا گیا تھا  
 جہاں اس نے دنیا کی تاریخ لکھی۔

اس کا ایک حصہ واٹر لو پارک کہلاتا ہے۔ اس میں ٹاور آف لندن  
 کا محافظ دستہ رہتا ہے۔ یہ سفید برج کے شمال کی طرف واقع ہے۔  
 سفید برج کے جنوب کی طرف سینٹ تھامس کا برج ہے۔ اس برج کا  
 بیرونی دروازہ غداروں کے دروازہ کے نام سے موسوم ہے جن  
 کو موت کی سزا دی جاتی تھی۔ وہ اس دروازہ سے برج میں داخل کیے  
 جاتے۔ اس وجہ سے یہ دروازہ اس عجیب نام سے موسوم ہوا۔ اسی  
 دروازے سے ٹوئی برج کو بھی ایک راستہ جاتا ہے۔ ٹاور آف لندن

کا ایک بُرج جو دریائے ٹیمیز کی طرف ہے۔ وہ ویکنفیلڈ ٹاور کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں شاہی جواہرات محفوظ ہیں۔ ان جواہرات میں انگلستان کے شاہی تاج (سینٹ ایڈورڈ کا تاج) ملکہ وکٹوریہ کا تاج۔ ولیعہد سلطنت کا تاج) ہیں۔ جو گیارہ ہزار قیمتی پتھر ہیرے اور جواہرات سے مُصنوع ہیں۔ ان کے علاوہ قیمتی لباس۔ چُرانے زیورات تاج پوشی کے وقت تیل لگانے کا چھچھ۔ سونے کا عقاب بھی یہاں رکھا ہوا ہے۔

چارلس دوم کے عہد میں کیپٹن بلڈ نامی ایک انگریز ان جواہرات کو چُرانے میں کامیاب ہوا۔ جب چوری کی خبر ہوئی تو کیپٹن کی تلاش شروع ہو گئی اور اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ جب بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو بادشاہ اس کامیاب چور سے اس قدر خوش ہوا کہ اُسے نہ صرف مُعاف کر دیا۔ بلکہ بطور انعام زندگی بھر کی پنشن بھی دے دی۔ اس کے بعد آج تک کئی لوگوں نے یہ جواہرات چوری کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اُن تک رسائی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ٹاور کو دوسری جنگِ عظیم میں بمباری سے نقصان پہنچا۔ لیکن اب اس کی مرمت ہو چکی ہے۔ ٹاور کے حفاظتی دستے کا اب تک وہی پرانا یونیفارم چلا آتا ہے جو ہنری دوم کے زمانے میں پہنا جاتا تھا۔ اور سرکاری جلوس میں جب یہ دستہ شریک ہوتا ہے۔ تو ان کی شاندار درویاں تماشا سٹیوں کی نظروں کا مرکز بن جاتی ہیں۔

## لندن کی بندرگاہ:

ٹاور آف لندن کے جنوب مشرق کی طرف دریائے ٹیمز کا پل ٹاور برج کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ۱۸۹۴ء میں بنایا گیا۔ اس کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ اتنا بلند نہیں کہ اس کے نیچے سے جہاز گزر سکیں۔ جب جہاز آتا ہے تو یہ پل دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ جہاز کے گزرنے کے بعد دونوں حصے پھر اپنی جگہ پر آجاتے ہیں اور پل آنے جانے والوں کے لیے کھل جاتا ہے۔ اس پل سے لندن کی بندرگاہ شروع ہوتی ہے۔ یہ بندرگاہ میلوں تک چلی جاتی ہے۔ یہاں پر دنیا کے سب سے بڑے ۵ ڈیک بنے ہوئے ہیں۔ جہاں ہر سال ۶۰ ہزار جہاز آتے جاتے ہیں۔

یہ ڈیک ۱۰ میل تک دریا کے کنارے چلے جاتے ہیں۔ ٹاور برج کے شمال مشرق کی طرف شاہی ٹکسال کی عمارت ہیں۔ یہاں ہر قیمت کے سکنے۔ انعامی اور فوجی تمغے بنتے ہیں۔ ٹکسال کا اپنا عجائب گھر بھی ہے جس میں انگلستان کے پراسنے بادشاہوں کے وقت سے لے کر آج تک جس قدر سکے اور تمغے بنائے گئے ہیں، ٹیٹھ کے شوکیوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ عجائب گھر کی سیر کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔

## پھلی منڈی:

ٹاور پل سے ایک سڑک پھلی منڈی کی طرف جاتی ہے۔ یہ منڈی



ایک ہزار سال ہوئے یہاں مچھلی کے کاروبار کے لیے قائم ہوئی اور آج بھی یہاں کی گہا گہمی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

## وریائے ٹیمیز کا جنوبی کنارہ :

ایوان پارلیمنٹ کے بالمشقابل دوسری طرف وریائے ٹیمیز کا جنوبی کنارہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں لندن کی میونسپل کمیٹی کے دفاتر اور ہاں ہے۔ یہ عمارت ۱۹۰۹ء میں شروع ہوئی اور ۱۹۲۲ء میں اس کا افتتاح شاہ جارج پنجم نے کیا۔ اس کنارے کا بند البرٹ بند کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں سے ایوان پارلیمنٹ، بگ بن، ویسٹ منسٹر ہال کا نظارہ قابل دید ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ لندن کی اونچی عمارت کے پیناروں کے گلس دور فضا کی گہرائیوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ جہاں یہ بند ختم ہوتا ہے، وہاں لیمنٹھ پلیس ہے جو آرج بشپ آف کنٹریری انگلستان کے لاٹ پاور کی رہائش گاہ ہے۔ لیمنٹھ پلیس سے آگے واڈزور تھبرج آتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے ہر سال اؤکسفرڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں کے درمیان بوٹ ریس دشتیوں کی دوڑ شروع ہوتی ہے۔

کنینگٹن میں ترے کرکٹ کلب کا ہیڈ کوارٹر ہے اور یہاں ہی اول کا میدان ہے جو لندن کا سب سے بڑا کرکٹ کا میدان ہے۔ اسی میدان میں آسٹریلیا انگلینڈ کے ٹسٹ میچ منعقد ہوتے ہیں۔ پچھلے سال یہاں پاکستانی کھلاڑیوں نے انگریزوں کی بہترین ٹیم کو شکست دی تھی۔

## زمین دوز ریلیں :

لندن اور اس کے مصافحات کو جلد از جلد طے کرنے کے لیے بجلی کے ذریعے چلنے والی زمین دوز ریلوں کا وسیع جال بچھا ہوا ہے۔ اس ریل کے ڈیڑھ سو کے قریب اسٹیشن ہوں گے۔ پانچ پانچ دس دس منٹ کے بعد یہ گاڑیاں ہر اسٹیشن پر موجود ہوتی ہیں۔ زمین آتے ہی اس کے دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں۔ دو تین منٹ سے زیادہ یہ زمین اسٹیشن پر نہیں رکتی۔ چلتے وقت دروازے خود بخود بند ہو جاتے ہیں۔ مرد، عورتیں اور بچے بڑی پھرتی اور چستی سے چڑھتے اور اترتے ہیں۔ واقعی یہاں کی مصروف زندگی دیکھ کر بڑا رشک آتا ہے۔ کہ یہ لوگ وقت کی کتنی قدر کرتے ہیں۔

اب مجھے ہرن دو اور عمارات کا ذکر کرنا ہے۔ جن کی نظیر ہمارے ہاں ملنا ناممکن ہے۔ یوں تو لندن میں بڑے بڑے سٹور ہیں۔ جہاں ہر طرح کی اشیاء مہیا ہو سکتی ہیں لیکن سلفرج کمپنی اور اڈکس فور ڈبیکر اینڈ کمپنی اپنی قسم کے واحد تجارتی مرکز ہیں۔ ان کو اگر ایک تجارتی شہر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ کیونکہ ہر دو سٹور وسیع اور کئی منزلوں کی عمارات میں واقع ہیں۔ جن کے اوپر نیچے چلانے کے لیے لفٹ لگے ہوئے ہیں۔ ٹیلیفون اس قدر ہیں کہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے اور ایک ہی کمرے میں ایک سٹال سے دوسری سٹال سے باتیں کرنے کے لیے ٹیلیفون استعمال ہوتے ہیں۔ گاہکوں کو ہر قسم کی سہولت میسر ہے۔ خوبصورت

نوجوان لڑکیاں سیدز وومن کی ڈیوٹی پر متعین ہیں۔ اور ان کا انداز  
گفتگو اس قدر دل رُبا ہوتا ہے کہ گاہک بغیر خریدے واپس نہیں  
جاسکتا۔ ان تجارت گاہوں میں آپ کو ہر چیز مل سکتی ہے۔ نیاری  
کاسامان شیشری کی ضروریات۔ ادویات۔ کپڑا۔ بجلی کاسامان۔ پرنٹنگ  
کی اشیاء۔ آرائش کی اشیاء۔ فرنیچر۔ عمارتی ضروریات۔ رنگ پینٹ  
وغیرہ۔ غرضیکہ ضرورت کی کوئی چیز ایسی نہیں جو ان سٹورز سے  
نہ مل سکے۔ ہر سامان کے لیے علیحدہ علیحدہ ڈیپارٹمنٹ ہے اور اس  
کے لیے علیحدہ سٹاف۔ آپ نے جو چیز پسند کی اس کا خوبصورت  
پیکٹ تیار ہو کر فوراً آپ کو مل جائے گا۔

کاشس ہمارے ہاں بھی ایسا ہو کہ وکاندار دیانتداری سے کام  
کریں اور گاہک ان پر بھروسہ کر سکے۔ اسلام نے تو جس کاروبار کی  
تعلیم پر زور دیا ہے، اس میں دیانتداری پہلا اصول ہے۔ خریدار کو  
اچھی چیز دکھا کر ناقص شے نہ دیں۔ اگر خریدار کو غلطی سے کوئی ناقص  
شے چلی گئی ہے تو اسے فوراً واپس لیا جائے اور جس شے کا سودا کیا  
گیا ہے وہی مال خریدار کو دیا جائے۔ انگریزوں نے اس اصول کو پلے  
باندھ لیا اور دنیا کی تجارت ان کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ مسلمان جن کو  
مذہب نے سچائی اور دیانت داری کی تعلیم دکھا تھی وہ اس کو چھوڑ  
کر اغیار کی غلامی کا شکار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے بھائیوں  
کو اسلام کے اصولوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

لندن میں ان مقامات کے علاوہ اور بھی کئی ایک جگہیں تھیں  
 جو دیکھنے کو دل چاہتا تھا اور ابھی دیکھا ہی کیا تھا۔ زمین روز ریلوں  
 بسوں اور موٹروں میں بھاگم بھاگ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جا  
 رہے تھے۔ ہمارے دوست مسٹر حسین کہتے تھے کہ آپ نے اس  
 نوروزہ قیام میں اس قدر دیکھ لیا ہے جو عام لوگ چھ مہینوں میں  
 بھی نہیں دیکھ سکتے۔ یہاں سے ۱۲ جولائی کی رات ہوائی جہاز میں سوار  
 ہو کر پیرس (فرانس) کو روانہ ہو گئے۔

## پیرس (فرانس)

لندن میں پہنچ کر عارضی رہائش کی تلاش نے پہلے دو دن کافی بد بزرگی پیدا کر دی تھی۔ لیکن ہائی کمشنر کے ایجوکیشنل اٹاچی مسٹر ایے جی ہٹ کی وساطت سے یہ مرحلہ جلد ہی طے ہو گیا۔ مثل مشہور ہے کہ بڑو دھ کا جلا چھا چھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ اس لیے ہم نے پیرس میں پہلے ہی جگہ کا انتظام کر لیا تاکہ وہاں پہنچ کر ہمارے ساتھ لندن جیسا معاملہ درپیش نہ آسکے۔

لندن میں تو انگریزی سے کام چل گیا تھا۔ لیکن پیرس میں زبان کا مرحلہ بھی تھا۔ جس کے نام سے تو ضرور آشنا تھے۔ لیکن ایک حوت بھی سمجھنا اور سمجھانا مشکل کیا ناممکن تھا۔ احتیاطاً ایک کتاب خرید لی گئی جس میں انگریزی اور فرانسیسی زبان میں روزمرہ کی ضروریات کے فقرے آمنے سامنے درج ہوتے ہیں اور بجائے زبان کے انگشت سے پائیں کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ یورپ میں عام رائج ہے۔ آپ انگریزی جانتے ہیں جس سے آپ کو کوئی چیز لینا اور کار ہو وہ فرانسیسی جانتا ہے۔ تو آپ جو بات اُسے کہنا چاہتے ہیں، اس مطلب کا انگریزی فقرہ

کتاب سے تلاش کر کے اُس کے بالمتقابل فرانسیسی ترجمہ پر انگلی رکھ  
 دیں۔ وہ فوراً آپ کا مطلب سمجھ جائے گا۔ اور مناسب جواب آپ کو  
 مل جائے گا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہمیں انگلشت سے باتیں کرنے کی  
 ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ بلکہ یہاں بھی انگریزی سے ہی کام چل گیا۔  
 ۱۶ جولائی کو ہم شام کے قریب پیرس میں سیدھے ہوٹل اسٹرا  
 پیچے۔ جہاں ہمارے لیے کمرہ مخصوص تھا۔ سفر کی کوفت تو تھی نہیں۔ تاہم  
 اجنبی شہر میں بغیر کسی گائیڈ کے نکلنا قرین مصلحت نہ تھا۔ اس لیے  
 شہر کی سیر کا پروگرام دوسرے دن پر ملتوی کرنا پڑا۔ تاہم صبح کے سفر کے  
 لیے ضروری انتظامات مکمل کر لیے۔

## شہر کی تاریخ :

پیرس دُنیا کے بڑے بڑے شہروں میں سے ہے اور نفاست،  
 صفائی اور خوبصورتی کے لحاظ سے ایشیا یورپ اور امریکہ میں اپنا ثانی  
 نہیں رکھتا۔ امریکن سیاح تو خاص طور پر پیرس کی سیر کے لیے ہزاروں  
 میل کا سفر طے کر کے یہاں آتے ہیں۔ اس کی آبادی تقریباً تیس لاکھ  
 ہے اور ستائیس ہزار ایکڑ زمین پر اس کی عمارات، باغات اور ٹرسٹس  
 پھیلی ہوئی ہیں۔ دریائے سین اس کے درمیان میں بہتا ہے۔ جس کو  
 عبور کرنے کے لیے بے شمار پل بنے ہوئے ہیں۔

## قدیم شاہی عہد :

فرانسیسی لوگ زمانہ وسطیٰ کے آزاو چلے آئے ہیں۔ لونی چہار دہم کے زمانے میں فرانس یورپ کا سب سے طاقت ور ملک تھا۔ شاہی دربار میں اطراف و جوانب کے شاہراؤں کے، شہزادیوں، امراء اور ان کی بیگمات آداب شاہی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے۔ ہینوں نہیں برسوں پیرس میں قیام کرتے اور جب واپس لوٹتے تو فخریہ بیان کرتے کہ اُنھوں نے اتنی مدت پیرس کے شاہی دربار میں گزاری ہے اس زمانے کی یادگاریں اب بھی جوں کی توں محفوظ اور سیرنی سیاحوں کی سیر و سیاحت کے لیے کھلی ہیں۔

## اہل فرانس اور عرب :

فرانس دنیا کی پانچ بڑی سلطنتوں میں سے ایک ہے۔ جس کے ماتحت افریقہ اور امریکہ کے بڑے بڑے علاقے ہیں۔ ہر دو جنگھانے عظیم ہیں فرانس پر بہت مصائب نازل ہوئے۔ اور اس کا ہر بڑا شہر جو من بمباری کا نشانہ بنا۔ لیکن فرانسیسیوں کی جو اندرونی اور بیعت کی دو دینی چاہیے کہ اُنھوں نے چند سالوں میں ان نقصانات کی تلافی کر لی اور اب وہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کبھی لڑائی ہوئی ہی نہ تھی۔ فرانسیسی نہایت زندہ دل لوگ ہیں۔ جو مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ تاہم عربوں پر ان کے مظالم نے انھیں اسلامی دنیا میں بدنام کر دیا ہے۔

اور عربوں کی جنگ آزادی نے فرانسیسی طاقت کو پریشان کر رکھا ہے۔

## آب و ہوا :

فرانس کی آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے۔ خاص کر جنوبی فرانس کی جو انگور کے باغات کے لیے مشہور ہے۔ یہاں شہتوت کے درخت بکثرت ہوتے ہیں۔ اس لیے ریشم کے کیڑے پالنے اور ریشم حاصل کرنے کی صنعت عام ہے۔ شمالی مشرقی حصہ میں لوہا اور کوناہ ملتا ہے اور یہاں لوہے اور فولاد کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ جہاز سازی انجن مشینیں، بجلی کا سامان تیل اور صابن اور سامان آرائش کے کارخانے ہیں۔ مخمل اور ریشمی کپڑا جیسا یہاں بنتا ہے۔ اس کی مثال اور جگہ ملنا مشکل ہے۔

## پراناسیہر :

دوسرے دن ٹیکسی لے کر ہم شہر کی سیر کو روانہ ہوئے۔ سڑکیں صاف اور شگاف ہیں۔ مکانات اور عمارات سے نفارت برکتی ہے۔ لندن کے مقابلے میں یہاں سکون زیادہ ہے۔ اور ٹریفک میں بھی آسانی ہے یہاں کی عمارات کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنانے والوں نے موزونیت خوبصورتی اور نزاکت کو کہیں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا بڑی بڑی عالی شان اور وسیع عمارتیں بھی یہی خوبی نظر آتی ہے پرانا



شہر جسے رومن زمانے کی یادگار کہا جاتا ہے۔ دریائے سین کی شاخوں کے درمیان اور ان کے ارد گرد واقع ہے۔ یہی مرکز رفتہ رفتہ پھیل کر موجودہ پیرس میں تبدیل ہو گیا۔ اس دریائی جزیرہ میں ٹراڈیم کا گرجا۔ صدر پولیس کا دفتر اور سینٹ لوئیس کا محل پولیس جسٹس واقع ہیں۔ اس حصہ میں داخل ہونے کے لیے پوانٹ نوت کے پل سے گزرے۔ یہ پیرس کا بہت ہی پُرانا پل ہے۔ اس محل میں کین سگری کا قید خانہ ہے جہاں انقلابِ فرانس کے کئی اہم واقعات رونما ہوئے۔ اس حصہ میں عمارت زیادہ تر سولہویں اور سترہویں صدی کی ہیں۔

## ٹراڈیم کا گرجا :

یہ گرجا ۱۱۶۳ء میں بشپ مورس نے بنانا شروع کیا اور تقریباً ایک سو سال میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ یہ رومن اور گوتھک فن کے امتزاج کا بہترین شاہکار ہے۔ ابھی اس گرجا کی عمارت زیر تعمیر تھی کہ سینٹ لوئیس نے سینٹ چپل کا گرجا بنایا جو پختہ اور شیشے کی نہایت ہی خوبصورت اور دلفریب عمارت ہے۔ اس میں وہ کانٹوں کا تاج محفوظ ہے جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے سے پیشتر پہنایا گیا تھا۔ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی اُمّت کی نجات کے لیے مصلوب ہوئے۔ لیکن اس بات کی تردید قرآن حکیم نے کر دی، جبکہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ مَا قُلُّوْهُ وَمَا صَلْبُوْاْهُ

یعنی نہ تو حضرت عیسیٰؑ قتل کیے گئے اور نہ ہی صلیب پر لٹکائے گئے بلکہ انھیں شبہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا۔ صلیب دینے جانے کا رد تو ان آیات کریمہ میں موجود ہے۔ اور نجات دینے کی تردید ایک دوسری جگہ کر دی۔ جبکہ میدانِ محشر میں انبیائے کرام جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے پوچھیں گے تو وہ جواب میں فرمائیں گے کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ جب تک میں ان میں رہا ان کو تیری پرستش اور توحید کی تلقین کرتا رہا اور جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ان کا نگہبان تھا۔ میں نے ان سے کبھی نہیں کہا کہ تم میری اور میری ماں کی پرستش کرنا۔

نوٹرا ڈیم کی عمارت پر فرانسیسی قوم نے فنِ معماری کی انتہا کر دی ہے۔ بلند و بالا محرابیں تین منزل اونچی عمارت کو سہارا دے رہی ہیں۔ جو رات کو چاند کی روشنی میں آگرہ کے تاج محل کی طرح طلسمی عمارت معلوم ہوتی ہے۔ اس خوبصورت گرجا گھر میں فرانس کا لاسٹ پادری بادشاہوں اور غیر ملکی محرزین سے ملاقات کرتا ہے۔ یہ گرجا فرانس کی تاریخ کا مرکز خیال کیا جاتا ہے۔

یہاں سے ہو کر لاور سے گزرے۔ یہ دریائے سین کے شمال کنارے پر زمانہ وسطیٰ میں شاہی محل تھا۔ اور اب اسے عجائب خانہ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ جن میں بہترین مصوروں کے شاہکار رکھے ہوئے ہیں۔ اس عجائب خانہ کو دیکھ کر خیال آیا کہ کبھی یہ بادشاہوں کا مسکن تھا

جہاں کے رہنے والے کروڑوں انسانوں پر حکومت کرتے تھے۔ ان  
معدلوں میں کسی ادنیٰ درجہ کے انسان کا گزر انا ممکن تھا۔ آج نیرنگی  
تقدیر دیکھیے کہ وہ جگہ ہر خاص و عام کے لیے کھل ہے اور بادشاہوں  
کی جگہ یہاں تصاویر نے لے لی ہے۔  
زمین چین گل کھلاتی ہے کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

## انقلاب فرانس :

ذرا آگے جا کر کنگارڈ کی عمارات شروع ہو گئیں۔ یہ نیم دائرہ کی  
شکل کی عمارت ہے۔ جس کے مرکز میں خوبصورت تالاب بنا ہوا ہے  
اس میں آٹھ عجیبے کھڑے ہیں، جو آٹھ بڑے فرانسسی شہروں کو ظاہر  
کر رہے ہیں۔ یہ عمارت گبریل مہار نے اپنی نگرانی میں تعمیر کرائی اور  
انقلاب فرانس میں اس عمارت میں کسی ایک اہم واقعات رونما ہوئے  
انقلاب فرانس کا ٹریبیونل یہاں بیٹھتا اور تمام احکام یہاں سے جاری  
ہوتے۔ آخری شاہ فرانس لوئی سیزدہم، اس کی ملکہ میری ایلینٹھی اور  
کئی ایک شاہی خاندان کے افراد اور بڑے بڑے عمائدین سلطنت  
کو یہاں پھانسی دی گئی۔ یہاں پر ڈینٹن اور روبس پیری کو بھی چھوٹوں  
نے انقلاب فرانس میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ تختہ دار پر لٹکایا گیا۔  
انقلاب فرانس اٹھارھویں صدی کے آخر میں رونما ہوا اور اس  
نے نہ صرف فرانس بلکہ یورپ کی تمام ریاستوں کو اپنی پیٹ میں لے لیا

جمہوریت کی ابتدا اور شہنشاہیت کا خاتمہ اسی انقلاب کے نتائج تھے۔

## چرچ آف میڈلین :

یہ گر جا لوئی پانزدہم نے ۱۶۶۴ء میں شروع کیا۔ اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم یونان کے پرانے معبد میں دوبارہ پہنچ گئے ہیں۔ وہی نقشہ۔ وہی طرز تعمیر۔ نپولین اعظم نے بھی اس کی تکمیل میں حصہ لیا اور اسے اپنی فتوحات کی یادگار بنایا۔

میڈلین سے واپس ہو کر پلیس سے گزرے یہاں بھی ایک شاندار محل نما عمارت ہے جو پیٹٹ پلیس کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ۱۹۰۰ء میں نمائش گاہ بنائی گئی تھی۔ لیکن اب عجائب گھر میں تبدیل ہو چکی ہے۔ جس میں مصوری، معماری اور سنگتراشی کے شاہکار رکھے ہوئے ہیں

## آرچ ٹرائٹف :

دریائے سین اب ہم سے جنوب کی طرف رہ گیا اور ہمارا موڑید آرچ ٹرائٹف یعنی یادگار فتح کی طرف روانہ ہوا۔ یہ بلند و بالا عمارت ایک محراب پر کھڑی ہے۔ جو ۱۴۶ فٹ اونچی اور ۱۴۹ فٹ چوڑی ہے۔ نپولین نے اسے اپنی فتوحات کی یادگار کے طور پر ۱۸۰۶ء میں شروع کیا اور لوئی فیلیپس نے مکمل کیا۔ اس کے سامنے اور پیچھے کی طرف محراب کے دائیں اور بائیں حصوں پر چار مختلف تصاویر

اُبھری ہوئی ہیں۔ یہ سنگتراشی کے بہترین نمونے گنے جاتے ہیں۔ یہیں پہلی جنگ عظیم کے ایک نامعلوم فوجی کا "تابوت" رکھا ہے اور اس کے پاس شراب کے تینے ہر وقت آگ کا شعلہ روشن رہتا ہے۔ جو ان فوجیوں کی یاد میں روشن کیا گیا تھا۔ جو جنگ عظیم میں داد شجاعت دیتے ہوئے ہلاک ہوئے۔ اس آگ کے روشن شعلے کو دیکھ کر خیال آیا کہ ہمارے ہاں اگر کسی قبر یا مزار سے آگ نکلتی ہے تو ایسے شخص کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ جہنمی ہو گا لیکن اس قوم کی عقل دیکھیے جو دنیا کی رہبری کا دعویٰ کرتی ہے اور دنیا میں ہی اپنے سپاہیوں کو جہنم کی آگ کے شعلوں کی تذر کر کے محض محسوس کرتی اور اس فعل کو اپنی عقیدت کا نشان قرار دیتی ہے۔

یادگار فتح کے ارد گرد لوہے کا جنگلہ اور نمٹلی گھاس کی کھاریاں ہیں۔ یہاں سے مختلف اطراف کو گیارہ سڑکیں نکلتی ہیں، جن پر دو دو یہ حدنگاہ تک عمارات دکھائی دیتی ہیں۔

## چیلٹ کا محل :

یادگار فتح سے ہو کر ہم دوبارہ دریائے سین کی طرف لوٹے اور راستے میں چیلٹ کا محل بھی دیکھا۔ یہ سفید پتھر کی بہت بڑی عمارت ہے جو ۱۹۲۶ء کی نمائش کے لیے دوبارہ تعمیر ہوئی۔ اس میں ایک تھیٹر اور

نگار خانہ سے۔ یو۔ این۔ او کی مجالس جو سپرس میں ہوتی ہیں۔ وہ اسی عمارت میں منعقد کی جاتی ہیں۔

## ایفل ٹاور :

اس کے سامنے دریائے سین کے جنوبی کنارہ پر ایفل ٹاور ہے۔ جو دنیا کا بلند ترین مینار ہے۔ یہ لوہے اور فولاد کا بنا ہے کہا جاتا ہے کہ اس میں ۱۲۰۰ ٹنکڑے ۲۵ لاکھ روٹوں سے جوڑے گئے تھے۔ اس کی بلندی ۸۳۷ فٹ ہے اور اس پر ۷۸ لاکھ سونے کے فرانک خرچ کیے گئے۔ انجینئر ایفل نے اسکی تعمیر اور تکمیل کا بیڑا اٹھایا اسی لیے اس کا نام بھی ایفل ٹاور رکھا گیا۔ یہ ۱۸۸۹ء کی نمائش منعقدہ سپرس کا سب سے زیادہ جاذب نظر عجوبہ تھا۔ اس کے نچلے حصے کا رقبہ تیس ہزار مربع فٹ ہے۔ اور جوں جوں بلند ہوتا جاتا ہے۔ اس رقبہ میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ چوٹی پر صرف ۳۰۰ مربع فٹ رہ جاتا ہے۔ جہاں چاروں طرف گیلری ہے۔ جس میں کھڑے ہو کر سپرس کی بلند و بالا عمارت دریائے سین اور اس کے پل۔ گرجے۔ باغات، سطح زمین پر بکھرے ہوئے گڑیوں کے گھروندے دکھائی دیتے ہیں۔ آج کل ایفل ٹاور کے نچلے حصے میں تھیٹر اور ہوٹل ہیں۔

مینار کے ساتھ جنوب مشرق کی طرف ایک بہت ہی وسیع میدان ہے۔ جہاں فوجیں پریڈ کرتی ہیں اور اس میدان کے دوسرے کنارے

پر فوجی اکیڈمی کی عمارات ہیں۔ جو ۱۹۵۲ء میں لونی پانڈو ہم نے امرات  
کے لڑکوں کی فوجی تعلیم کے لیے قائم کی تھی۔ اس کا لچ کے سامنے مارشل  
جنیفرے کا بہت بلند مجسمہ کھڑا ہے۔

## پنولین کا مقبرہ :

دوسرے دن ہم بونا پارٹ سٹریٹ سے دریائے سین پر پہنچے۔  
اس سٹریٹ کے ایک طرف میڈیکل اکاڈمی کی عمارات ہیں اور اس کے  
قریب ہی لاہور کے میونسپل آف آرٹس جیسا ایک آرٹس کانسول ہے۔  
اس سکول میں فرانس کے اعلیٰ ترین مصوروں، سنگتراشوں اور فوٹو گرافروں  
کے شاہکار مقابلہ کے لیے پیش ہوتے ہیں اور انعام حاصل کرنے والا  
فنیکار اپنے فن کا استاد مانا جاتا ہے۔ اس سکول کے عجائب خانہ میں بہترین  
فنیکاروں کے نمونے نمائش کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ دریا کے کنارے  
یہ فرانس کی انسٹیٹیوٹ کی عمارات ہیں۔ جس میں پانچ مختلف اکاڈمیوں  
کی تعلیم گاہیں ہیں۔ سٹریٹ کے اوپر دریائے سین کے رُخ کباڑیوں کی  
دکانیں ہیں جو پرانی کتابوں کا کاروبار کرتے ہیں۔

ہاں کو دیکھتے ہوئے ہم فرانس کی نیشنل اسمبلی کے دفاتر اور ہاں  
تک پہنچے۔ یہ دراصل لونی چہار دہم کی بیٹی کا محل تھا جو ۱۹۲۲ء میں  
اس نے اپنے لیے بنوایا۔ یہاں ۱۹۴۴ء میں جرمنوں اور آزاد فرانسیسی  
سپاہیوں میں بہت خونریز جنگ ہوئی۔ کونسل ہاں اور پنولین کے مزار کے

درمیان چیمبر کے صدمہ کا سرکاری محل ہے۔ اس سے پرے دفتر خارجہ ہے  
 پولین کے مقبرہ کی عمارت کے کسی حصے ہیں۔ اس کے گرداگرد  
 مضبوط خندق ہے۔ وہاں سے گزر کر ایک لوہے کا دروازہ آتا ہے جو  
 ایک فراخ صحن میں کھلتا ہے۔ اس میں بہت سی توپیں رکھی ہوئی ہیں جو  
 مختلف جنگوں میں دشمنوں سے چھینی گئیں۔ اس میں پریشیا کے  
 بادشاہ فریڈرک کی توپیں خاص خاص موقعوں پر چلائی جاتی ہیں۔ اس  
 کے آگے چارج آف سینٹ لوئس میں کسی ایک نادر اشیاء نمائش کے  
 لیے رکھی ہوئی ہیں۔ اس میں مختلف جھنڈے جو پولین نے لڑائیوں میں  
 دشمنوں کی شکست کے بعد چھینے، قابل دید ہیں۔ اس کے علاوہ پولین  
 کی مختلف یادگاریں محفوظ ہیں۔

پولین کے مقبرے کا گنبد ۲۵ فٹ بلند ہے۔ یہ گرجے کا ایک  
 حصہ ہے۔ اس نہری گنبد کے اندر سفید سنگ مرمر کے بارہ بڑے بڑے  
 بت ستونوں سے لگے کھڑے ہیں۔ یہ اس کی بارہ عظیم فتوحات کی یادگار ہیں  
 ان بارہ بتوں کے درمیان مختلف رنگوں کے ۵۴ جھنڈے لہرائے ہیں  
 اور گنبد کے عین وسط میں اس فاتح اعظم کی قبر ہے۔ جس کا پچھلا حصہ سبز پتھر  
 کا بنا ہوا ہے اور اوپر کا تعویذ فلینڈ کے سُرخ پتھر کا اس کے اندر چھ خدقوں  
 میں بند پولین کی نعش ہے جو فوجی یونیفارم میں بلٹوس ہے۔

اس شان و شکوہ کو دیکھ کر انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ عظیم المرتبت  
 ہستی جب زندہ تھی تو کس قدر عزت اور احترام کی مالک تھی۔ یورپ کے



تاجدار اس کے نام سے تھرتھرتے تھے۔ اور جس طرف فرانسسی فوجیں اس کی زیرکمان جاتیں، فتح و نصرت ان کے ہمزکاب ہوتی۔ لیکن وہ وقت بھی آیا کہ یہ شاہوں کا شاہ ایک قیدی کی حیثیت سے سینٹ پینا کے جزیرہ میں ایڑیاں رگڑتا ہوا چل بسا۔ جہاں اس کی لاش پر انسو بہانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ فاعتبیروا یا اولی الابصار۔

## لکسم برگ محل :

یہاں سے ہو کر پیرس لکسم برگ کے پاس سے گزرے۔ یہ بھی ایک پرانا محل ہے جس کی عزت اب بھی قائم ہے۔ یہ ملکہ میری ڈی میڈیچی کے لیے ۱۶۱۰ء میں مکمل ہوا۔ یہ ملکہ اٹلی کے شہر فلورنس کی شہزادی تھی اور وہ شاہی محلات کی مصنوعی زندگی سے اکتا گئی تھی۔ اس کے لیے یہ محل بنوایا گیا۔ جس میں باغات اور فوارے اٹلی کے محلوں کی طرح بنوائے گئے اس کے آس پاس غیر ملکی سفارت خانے ہیں۔ جن کے جھنڈے ہوا میں لہراتے ہوئے اپنے ملک کے دتار کو بلند کر رہے ہیں۔

## بوس ڈی بولون :

یہ سرسبز خطہ پیرس کے مغرب میں واقع ہے۔ سینٹ جرین سے دریائے سین کو عبور کرنے کے بعد ہمارا موٹر دریا کے شمالی بند پر فرارے بھرتا جا رہا تھا۔ یہاں سے کنگار ڈکے چوک سے گزرے اور چیمپیس

سے ہوتے ہوئے آرک ٹرائف ہو کر فاش روڈ پر پہنچے۔ فاش روڈ کے  
 اختتام پر بولون کا مرکز شروع ہو جاتا ہے۔ اس جگہ پورٹ میڈٹ کا  
 چوک ہے۔ یہ سبزہ زار آج کل پیرس کے شہریوں کی پسندیدہ سیرگاہ ہے  
 جو شہر کے شور و شغب سے تنگ آکر یہاں فرصت کے لمحات گزارتے ہیں  
 یہاں گھوڑ دوڑ کا وسیع میدان بھی ہے اور اس کے قریب  
 ہی ایک عالی شان ہوٹل ہے۔ جس میں تفریح کے شائقین کی تواضع  
 چائے وغیرہ سے ہوتی ہے۔ کئی لوگ تو رات کا کھانا بھی یہیں کھاتے  
 ہیں۔ ریس کورس کے ساتھ ہی وہ معرکہ الار پارک ہے جہاں نیچے  
 بوڑھے، جوان، مرد اور عورتیں جمع ہوتے ہیں۔ ہر عمر کے مردوں، عورتوں  
 اور بچوں کے لیے تفریح و کھیل کا سامان ہے۔ ٹینس۔ بیڈمنٹن۔ سی ہا  
 سیرھیاں۔ ہر ڈول وغیرہ

ایٹوار کو یہاں ایک میلہ لگا ہوتا ہے اور سیر و تفریح کے شائقین  
 اپنی تعداد میں جمع ہوتے ہیں کہ دیکھنے والا یہی خیال کرتا ہے کہ تمام  
 پیرس خالی ہو چکا ہے۔ اسے دیکھ کر لندن کے ہائڈ پارک کا نقشہ سامنے  
 آگیا۔ اس کے ایک حصہ میں نہایت ہی خوبصورت باغیچہ ہے۔ جس میں  
 صرف گلاب کے پودے لگے ہیں یا نخلی گھاس کی کھاریاں ہیں۔  
 یہ گلستانِ فاطمہ، واقع جناح باغ کا چربہ معلوم ہوتا تھا۔ اس تختہ  
 گلاب کے اختتام پر ایک نفیس قصر واقع ہے۔ گائیڈ نے ہمیں بتایا کہ یہ صرف  
 ۶۰ دن میں تیار ہوا تھا۔ میری اینٹیونی ڈکے فرانس اور کلونٹ آر ٹوٹیس میں

شرط لگ گئی کہ ایسا قصر دو ماہ میں تیار ہونا نا ممکن ہے۔ لیکن کاؤنٹ  
شرط جیت گیا۔ یہ قصر اب نمائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

## عجمہ آزادی :

عجمہ آزادی کو جانے کے لیے سینٹ پیٹل کے قریب سے  
دریائے سین کی شمالی شاخ کو عبور کر کے ہم بسٹاپول کی سڑک پر گزرے  
یہ سڑک جہاں ہوس مان سڑک سے ملتی ہے وہاں تھوڑے فاصلے  
پر ایک عمارت نظر آتی ہے۔ یہ لونی چہار و ہم کے زمانے  
کی یادگار ہے۔ جسے اس نے جرمنی میں اپنی فتوحات کو زندہ عجاوید  
رکھنے کے لیے تعمیر کیا تھا۔ اسے پورٹ سینٹ ڈینس کے نام سے  
یاد کیا جاتا ہے۔

## پیرس کی غلہ منڈی :

یہ علاقہ پیرس کی غلہ منڈی ہے جہاں صبح کے وقت لاریاں  
اور ریل کے چھکڑے ہزاروں من اناج لائے ہیں۔ غلہ منڈی کے  
پاس ہی فوارہ ہے جس کے چاروں طرف باغ ہے۔ فوارے سے کھوڑے  
ناصیے پر ایک بہت بڑا عجائب گھر ہے جس میں ساتھس کے لواذرات  
دور کتابیں ہیں۔ یہ بھی بہت پرانی عمارت ہے۔ اور دوسرے ایک  
گرجا ہی دکھائی دیتا ہے۔ پورٹ سینٹ ڈینس کے دائیں جانب ایک

اور آج ہے جو لونی چہار دہم نے فتوحات کی یادگار میں تعمیر کی تھی  
 اس کے دائیں طرف بہت بڑا چوک آتا ہے۔ جہاں مختلف اطراف  
 سے سڑکیں آکر جمع ہوتی ہیں۔ اس چوک کے عین وسط میں آزادی کا  
 مجسمہ نصب ہے جو ۱۸۶۳ء میں نصب کیا گیا۔ اس کے چبوتروں سے  
 پرچاروں طرف انقلاب فرانس کے واقعات مرقوم ہیں۔

## ورسیلز :

ورسیلز کے محلات اور باغات دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ کیونکہ  
 تاریخ میں پڑھا تھا کہ جرمنوں نے اس محل کے ایک وسیع ہال میں جو  
 پیشوں کا ہال مشہور تھا، ۱۸۷۱ء میں جرمن سلطنت کا اعلان کیا۔  
 جس کی حدود ایک طرف ڈول اور دوسری طرف فرانس کی سرحد تک  
 پھیلی ہوئی تھیں۔ جس میں سکسنی پروشیا۔ بوریہ اور بے شمار چھوٹی  
 چھوٹی ریاستیں ایک ہی نظام حکومت میں منسلک ہو کر ایک عظیم الشان  
 جرمن ایمپائر کی صورت میں نمودار ہوئی تھیں۔ جب پہلی جنگ عظیم کا  
 صلح نامہ ۱۹۱۹ء میں مرتب ہونے لگا تو فرانسیسیوں نے ۱۸۷۱ء کی  
 اس توہین کا بدلہ لینے کے لیے ورسیلز کے محلات اتحادیوں کے حوالے  
 کیے اور اسی پیشے کے ہال میں جرمن قوم سے دولت آمیز عہد نامہ ورسیلز  
 پر دستخط کرنے کے لیے کہا گیا۔ جس کے خلاف مٹلر نے ۱۹۲۵ء میں علم  
 بناوت بند کیا اور ۱۹۲۹ء میں دوسری جنگ عظیم کی ابتدا کا باعث ہوا۔ اسی

قصر میں آسٹریا ہنگری کی سلطنت کا خاتمہ ہو کر چیکو سلواکیہ - یوگوسلاویہ اور پولینڈ کی آزاد ریاستیں قائم ہوئیں۔ اسی قصر میں آل عثمان کی سلطنت کا شیرازہ بکھیرا گیا اور عرب میں کئی آزاد ریاستوں کا ظہور ہوا۔

## اسلامی نقطہ نظر :

اہل فرانس کو دیکھ کر یہی خیال آیا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے۔ لیکن وہ عیش و عشرت کی زندگی میں پڑ کر اس ذات کو فراموش کر دیتا ہے جس کا شکر اُسے ہر حال میں بجالانا چاہیے۔ ان عشرت کدوں کے مالک دُنیا سے قافی کی لذات سے سرشار تھے لیکن وہ دن آگیا جب یہ نفیس عمارات - آراستہ پیراستہ مکے، عزیز و اقارب سب کو چھوڑ کر وہ اس دُنیا سے چل دیئے گئے ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔ اسلام نے جہاں انسان کو ہر نعمت سے مستفید ہونے کی اجازت دی وہاں اُس پر ایسی قید لگا دی کہ وہ خدا کو نہ بھولے۔ رزم ہو یا بزم جب نماز کا وقت آئے، اُس کی درگاہ میں سر بسجود ہو جائے۔ کیا ایسا شخص اللہ تعالیٰ سے غافل ہو سکتا ہے۔ کیا دُنیا کی قافی لذتیں اُسے اپنا گر ویدہ بنا سکتی ہیں۔ کیا اُس کے سر میں غرور یا خود نمائی سما سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

لندن اور پیرس کی سیر سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ انگریز باعمل قوم ہے اور اہل فرانس نفارت کے گر ویدہ۔ جنہیں ہر فیشن کا موجد خیال کیا۔

جاتا ہے اور جن کی تقلید انگریز، امریکن اور کسی دوسری قوم میں  
 کرتی ہیں۔

حج کے ایام قریب آرہے ہیں۔ اگرچہ پہلے سے انتظام کر لیا  
 ہے کہ بروقت مصر سے ارض مقدس پہنچنے کے لیے ہوائی نشستیں  
 مل جائیں لیکن حجاز کے لیے ایسے انتظامات اکثر جناب برآب  
 ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے، اسے ۱۲ جولائی صرف پانچ روز کے  
 قیام کے بعد پیرس سے سیدھے ہوائی جہاز سے قاہرہ (مصر) روانہ  
 ہو گئے۔

## تقاہِ مصر

۲۱ جولائی کی صبح کو ہوٹل استرا کے بل ادا کیے اور آخری بار پیرس کی سڑکوں پر سے گزرے۔ غالباً یورپ کی سرزمین میں آج آخری دن تھا۔ اگرچہ یہ سفر ایک طوفانی دورے سے ملتا جلتا تھا۔ لیکن یونان، اٹلی، سوئٹزرلینڈ، جرمنی، بلجیم، ہالینڈ، انگلستان اور فرانس کے بڑے بڑے شہروں، وہاں کی صنعتوں، ہوٹلوں اور قابل دید عمارتوں کا ایک غیر فانی نقشہ آنکھوں میں بس چکا تھا۔ مغربی معاشرت کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور اہل یورپ کا سلوک غیر نیکوں سے قابل تعریف پایا۔

### اہل یورپ کی ماوہ پرستی :

لیکن ایک بات جو رب میں مشترک پائی وہ ماوہ پرستی تھی۔ جرمن ہو یا اطالوی۔ فرانسیسی ہو یا انگریز۔ رب کے مذہب ظاہری شان و شوکت کے گرویدہ ہیں۔ ان کے اخلاق میں تصنع ضرور ہوگا۔ حتیٰ کہ میاں بیوی میں بھی یہی صورت ہے۔ صبح سے شام تک یہ لوگ دولت کمانے کی فکر میں مصروف ہیں۔ اور شام سے آدھی رات تک تفریح گاہوں میں

کھیل تماشے راگ رنگ کی محفلوں میں شامل۔ اور کمائی ہوئی دولت کو پانی کی طرح بہا رہے ہیں۔ شاید ان کے نزدیک زندگی کا فلسفہ صرف اتنا ہے کہ ہم کھانے کے لیے زندہ ہیں۔ ہاں ایتوار کو گرجاؤں میں ضرور حاضری دیتے اور بہترین لباس میں ملبوس ہو کر دعائیں شریک ہوتے ہیں

## پاکستانی کھانے :

سرزمین یورپ میں ہم نے گوشت سے پرہیز رکھا۔ روٹی بنریاں پھل اور مچھلی کھاتے رہے۔ گوشت نہ کھانے سے منہ کامزہ پھیکا پھیکا ہو رہا تھا۔ لندن میں خان عبدالقیوم خان صاحب مع اپنی اہلیہ اور موختر دبیگم ڈاکٹر عبدالرؤف، موجود تھے۔ ان کے اور عبدالغفور صاحب بٹ ایجوکیشنل اٹاچی کے ہاں پاکستانی کھانوں کا لطف اٹھایا۔ جس میں خاص طور پر ذبیحہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ وگرنہ وہاں عام طور پر مسلمانوں کے ہوٹلوں میں حلال حرام کا کوئی اہتمام نہیں۔ بلکہ ایسے خیالات کا اظہار ایک قیافہ سی سی بات معلوم ہوتی ہے انھی مجلسوں میں مہرصر کے بہترین کبابوں کا ذکر سن کر منہ میں پانی آنے لگا اور ہم وہاں جانے کے لیے بے تاب ہونے لگے۔ پیرس سے روانگی کے وقت جی بہت چاہتا تھا کہ ہسپانیہ جائیں اور اس سرزمین کو دیکھیں جہاں سات سو برس تک اسلامی چھنڈا ہراتا رہا جہاں اب مسلمان تو کہاں ان کے نشانات تک معدوم ہو چکے ہیں۔ غرناطہ اور قرطبہ نہ وہی الجھراہ کے کھنڈرات ہی کی صورت دیکھیں اور بنی امیہ کے



شاندار تاجداروں کی آرام گاہوں پر فاتحہ خوانی کر آئیں، جنہوں نے  
ثابت کر دیا تھا کہ حج

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کبریٰ دیتے ہیں  
بڑھندھنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

لیکن حج کا وقت قریب آ رہا تھا اور مصر کی کشش ہمیں پکار پکار کر  
کہہ رہی تھی کہ یورپ میں زندہ قوموں کے عروج کا نقشہ تو دیکھ لیا اب  
یہاں آؤ اور ان عجائبات کو دیکھو جو آج سے ہزاروں سال پہلے انسان  
اس سرزمین میں چھوڑ گئے۔

پیرس سے ہوائی جہاز روم پہنچا، اور روم سے بحیرہ روم پر پرواز  
کرتا ہوا قاہرہ کی طرف روانہ ہوا۔ چند گھنٹوں میں ہمیں سکندریہ کا روشنی  
کا مینار دور نضا کی گہرائیوں میں نظر آیا۔ اب ہمارے نیچے مصر کی سرزمین  
تھی۔ اور ہم دریائے نیل کے ڈیلٹا پر پرواز کر رہے تھے جو شاخ و رشاخ  
سیکڑوں مینلوں میں پھیلا ہوا ہے۔

دریائے نیل کے نام پر وانہ :

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں جب مصر فتح ہوا تو وہاں کے لوگوں  
نے آپ سے کہا کہ دریائے نیل میں ہم نذر کے طور پر ہر سال ایک  
کنواری ووشیزہ کو بنا سنوار کر بھینٹ چڑھاتے ہیں، جس سے اس میں  
سیلاب آکر ہماری زمینیں سیراب ہو جاتی ہیں۔ آپ اس رسم کو جاری

سننے دیں۔ آپ تے یہ سن کر ایک پرچہ کاغذ پر دریا سے نیل کے نام ایک پروانہ لکھوا کر اُن کے حوالے کر دیا کہ اسے جا کر دریا میں ڈال دو۔ لکھا تھا کہ

”اے نیل! اگر تو خدا کے حکم سے آ کر زمینوں کو سیراب کر جاتا ہے تو آ جا اور اگر بھینٹ لے کر آتا ہے تو واپس ہو جا“

کہتے ہیں کہ یہ پروانہ دریا میں ڈالنے کے ساتھ ہی اُس میں سیلاب آ گیا اور وہ بغیر کسی بھینٹ کے تمام زمینوں کو سیراب کر گیا اور اس طرح آئندہ کے لیے یہ جاہلانہ رسم منسوخ ہو گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد قاہرہ کی مسجدوں کے مینار دکھائی دینے لگے اور ہمارا ہوائی جہاز آہستہ آہستہ نیچے اترتا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جس نے ہمیں صحیح و سلامت اسلامی حکومت کی سرزمین میں پہنچایا۔

## اذان :

اسلام کی خوبیاں اس قدر ہیں کہ قلم اُن کے بیان سے قاصر ہے۔ انھوت ہی کو ایسے جس کی تعلیم ہمیں پادری برحق نے دی۔ کیا یہ زندہ حجرت نہیں کہ جہاں ایک مسلمان خواہ وہ چینی ہو یا ترکی، بھارتی ہو یا پاکستانی، افغانی ہو یا ایرانی، عربی ہو یا چینی، ملتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تلوں کے پھڑے ہوئے بھائی آپس میں مل رہے ہیں۔ مصر پہنچے تو ایسا محسوس ہوا کہ ہم دوبارہ اپنے وطن پاکستان میں آگئے ہیں۔ کیونکہ مدت

سے اللہ اکبر کی صدائے ولولہ انگیز سننے کو کان ترس گئے تھے اور  
 آج ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ پھر وہی جانی پہچانی آواز ہمیں بارگاہِ ایزدی  
 میں بُلانے آئے گی۔ ہمیں زیادہ دیر اس کا انتظار نہ کرنا پڑا اور نضاب  
 حق علی الصلوٰۃ اور حق علی الفلاح کی چاندی صدائوں سے گونج اُٹھی۔

## مصر کی مختصر تاریخ :

مصری تہذیب اور تاریخ بہت پرانی ہے۔ اتنی پرانی کہ کسی اور  
 ملک کی تاریخ اتنی پرانی نہیں۔ شاید اس سے پرانی تاریخ عراق کی ہو۔  
 مصر میں پانچ ہزار سال پرانے آثار اب بھی قائم ہیں۔ اور سیاحت ان کو  
 دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ مصری فرعون جو خدائی اُس کے عقیدہ میں تھے  
 یہاں حکومت کرتے رہے۔ جن کا تذکرہ بائبل اور قرآن مجید میں  
 موجود ہے۔

## ہر فرعون نے راموسے :

کلام مجید شاہد ہے کہ جب کوئی قوم سرکشی میں اپنی حد سے بڑھی  
 غضبِ الہی سے اُسے تباہ و برباد کر دیا جاتا رہا۔ چنانچہ اسی ملک مصر  
 میں فرعون کے واقعہ کو سورۃ بقرہ میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

”اور یاد کرو جبکہ ہم نے تمہیں قوم فرعون سے بنات دی، جو تم پر  
 بڑی سختیاں کرتے تھے کہ وہ تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں

کو زندہ و مرنے دیتے۔ اور اس میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے سخت آزمائش تھی۔ تفصیل یوں ہے کہ فرعون نے ایک خواب دیکھا۔ جس کی تعبیر اسے یہ بتائی گئی کہ بنی اسرائیل کا ایک لڑکا تیری سلطنت کو تہس نہس کر دے گا۔ بس پھر کیا تھا۔ فرعون نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اسے مار ڈالو۔ خدا کی قدرت اسی زمانہ میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے اور خدا نے انہیں بچا لیا۔ اور خود فرعون ہی سے اس کی پرورش کرائی۔ پھر اللہ نے حضرت موسیٰ کو نبی بنا کر فرعون کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اس نے تکبر کیا۔ خدا نے حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو بحرِ قلزم میں رستے بنا کر صحیح سلامت پار کر دیا۔ فرعونوں نے پیچھا کیا۔ خدا نے انہیں سمندر کے نیچوں نیچے لے جا کر غرق کر دیا۔ (ازتہیل القرآن)

فراعنہ مصر کی حکومت نیل کے طاس میں قائم تھی۔ جہت سے لے کر بحیرہ روم کے ساحل تک اس سلطنت کی حدود پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ فلسطین، شام اور بابل و بینوا (موجودہ عراق) بھی ان کے زیرِ اثر تھے۔ فراعنہ کے بیس مختلف خاندان یکے بعد دیگرے مصر کے حاکم رہے۔ ان کے بعد یہاں ایرانیوں، یونانیوں، اور اہل روم کی بھی حکومت قائم رہی۔ یونانی جنرل سکندر اعظم نے جب مصر کو فتح کیا تو یہاں ایک نیا شہر آباد کیا، جو اس کے نام پر اسکندریہ کہلایا۔ یہ مصر کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ جو لیس سیزرنے بھی مصر فتح کیا تھا۔ اور ملکہ مصر کلوپٹرا (قلوپطرہ) کو گرفتار کر کے

روم لے گیا تھا۔ اہل ایران نے زکینتر کے زمانہ میں مصر پر اقتدار حاصل کیا۔ اس کے بعد جب اسلام کا ظہور ہوا تو حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں عربی لشکر حضرت عمرو بن العاصؓ کی سرکردگی میں مصر پہنچا اور ۶۴۰ء میں اس ملک کو فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کر لیا۔

## ایک عجیب واقعہ :

جب حضرت عمرو بن العاصؓ کا لشکر مصر کی فتح کے بعد روانہ ہونے لگا اور فوجی خیمہ جات اکھاڑے جانے لگے تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک خیمہ میں کبوتروں نے گھونسلہ بنا کر انڈے دے رکھے ہیں۔ جب یہ سالار کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو اٹھنوں نے فرمایا کہ یہ کبوتر ہمارے بہان ہیں۔ انھیں تکلیف نہ دو۔ یہ خیمہ یہیں رہے گا۔ مولانا ظفر علی خان نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے، آہستہ آہستہ اس خیمہ کے گرد ایک شہر آباد ہو گیا۔ جو قسطنطین کے نام سے مشہور ہوا۔ (عربی میں قسطنطینہ کو کہتے ہیں)

## قسطنطین یا قاہرہ :

قسطنطین ہی پرانا قاہرہ ہے۔ جس کے گرداگرد عربوں نے ایک بڑا شہر ۱۹۱۷ء میں بنایا۔ اس کی بہت ہی مضبوط فصیل بنوائی گئی ایک دروازے رکھے جن میں سے باب الفتح باب النصر وغیرہ آج بھی موجود

ہیں۔ موجودہ قاہرہ میں۔ یہی حصہ ریادہ گنجان آباد ہے۔ جیسے ہمارے ہاں  
لاہور میں دروازوں کے اندر کا شہر۔

قاہرہ بڑا عظیم افریقہ کا عروس البلاو ہے۔ اس کی آبادی ۲۵ لاکھ  
سے زیادہ ہے۔ یہ مصر کا دار الخلافہ اور اسلامی دنیا کا سب سے بڑا شہر ہے

## ممالیک اور خدیو :

مصر پر ۱۵۱۳ء تک عربی حکومت رہی۔ اس کے بعد یہاں ممالیک  
جو خلفائے عرب کے ترکی غلام تھے۔ برسرِ اقتدار آئے وہ بڑے نامور  
سلاطین کے ماتحت تھے۔ نپولین شاہ فرانس نے ۱۷۹۸ء میں مصر کو فتح  
کیا۔ لیکن اس کی حکومت یہاں صرف تین سال تک رہی۔ اس کے بعد  
محمد علی پاشا نے یہاں خدیو خاندان کی بنیاد ڈالی۔ لیکن وہ ترکی حکومت  
سے زیادہ انگریزی اثر میں تھا۔ انگریزوں نے ۱۸۴۲ء میں نہروں کی وجہ سے مصر  
میں داخل ہوئے۔ اور خدیو مصر ان کے ہاتھ میں کھٹ پٹی بن گئے۔ پہلی  
جنگ عظیم میں مصر کو نیم آزادی مل گئی۔ دوسری جنگ عظیم میں مصر تقریباً  
آزاد تھا۔ تاہم وہاں انگریزی اثر کو کافی دخل تھا۔ جس کے خلاف سعد اعلیٰ  
پاشا اور اس کی پارٹی بڑی مستعدی سے آواز اٹھاتی رہی۔ اس سرکار  
وہ دن آیا۔ جب انگریزوں کو مصر کی مکمل آزادی تسلیم کرنا پڑی۔ اور  
اب تو نہروں کے علاقے سے بھی انگریزی حفاظتی فوجیں نکل گئی ہیں۔  
اور مصر نے اس بین الاقوامی آپلی شاہراہ کو "قومیا" لیا ہے۔

## شاہ فاروق کی دستبرداری اور اخراج :

مصر کی تاریخ میں ۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس میں حصہ لینے والے چند فوجی افسر تھے۔

رات کے ایک بجے انقلابی فوجوں نے اپنے افسروں کی کمان میں فوجی ہیڈ کوارٹر پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۳ جولائی کی صبح کو قاہرہ کا سارا شہر ان کے قبضہ میں آ گیا۔ تمام بڑی بڑی سڑکوں پر ٹینک اور فوجی گاڑیاں گشت کرنے لگیں۔ مصر کی سرزمین پر فوجی بمبار طیارے اور لڑاکا ہوائی جہاز پرواز کر رہے تھے۔ علی مہر پاشا، وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ اسکندریہ میں شاہی مملکت راس الین اور مونٹنرہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ جو موسم گرما میں حکومت کے مراکز اور شاہ فاروق کی رہائش گاہ تھی۔ یہ محاصرہ ۲۴ اور ۲۵ جولائی تک جاری رہا۔ اور ۲۶ جولائی کو شاہ فاروق کو الہی معین دے دیا گیا کہ وہ تخت سے دستبردار ہو جائیں۔ اور بجے شام سے پہلے مصر کی سرزمین سے نکل جائیں۔ چنانچہ شاہ فاروق نے اپنے بیٹے احمد فواد دوم کے حق میں دست برداری کا اعلان کر دیا اور بجے سے پہلے اسکندریہ کی بندرگاہ سے نامعلوم مقام کے لیے روانہ ہو گیا۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل تبدیلیاں ہوئیں۔

- ۱۔ تمام سیاسی قیدی سوائے کیونسٹوں کے رہا کر دیے گئے۔
- ۲۔ تمام قسم کے خطابات اور اعزازات مثلاً ہیریکیلیسی لے اور پاشا وغیرہ منسوخ کر دیے گئے کیونکہ یہ عہد غلامی کی یادگار ہیں۔

۳۔ پجنسی کونسل قائم کی گئی جس نے شاہی اختیارات سنبھال لیے۔  
 ۴۔ علی مہر پاشا کی وزارت کا استعفا اور جنرل نجیب کا اس کی جگہ  
 وزارت قائم کرنا۔

۵۔ جنرل محمد نجیب کی علیحدگی اور جمال عبدالناصر کا اس کی جگہ وزیر اعظم  
 مقرر ہونا۔

آج کل جمال عبدالناصر صدر کے عہدہ پر فائز ہیں، اور ان کے ساتھی  
 وزیر بھی تمام کے تمام فوجی ہیں جو مصر کے نظم و نسق کو چلا رہے ہیں۔

## موجودہ حکومت کے کارنامے :

۱۔ یہ حکومت انگریزوں کو مصر سے نکالنے میں کامیاب ہو گئی جو  
 پچھلے ۲۲ سال سے یہاں قبضہ نہ کیے بیٹھے تھے۔

۲۔ خدیو خاندان جس کا آخری بادشاہ فاروق تھا۔ اُسے نکال دیا گیا۔  
 یہ خاندان پچھلے بیڑھ سو سال سے سر زمین مصر پر حکومت کر رہا تھا

۳۔ جمہوریت اور عوامی حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔

۴۔ زمینداری سسٹم کو ختم کر کے زمینیں کسانوں میں تقسیم کر دی گئیں  
 اور ان کو حق ملکیت دے دیا گیا۔

۵۔ اسوان بند کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا جو ۲۵ سال سے معرین السواء میں پڑتا

۶۔ لوہے، فولاد، کھاد وغیرہ کے کارخانوں کا اجراء کیا گیا۔ اس کے علاوہ

اور بھی کئی ایک ضروری اشیاء کے کارخانے جاری کیے گئے۔



۶۔ نئے سکول اور کالج کھولے گئے۔ اور تعلیم بڑی حد تک مفت اور عام کر دی گئی۔

۸۔ ہوائی جہاز اور گولہ بارود بنانے کے کارخانے کھولے گئے ہیں جن میں مصری انجینئرز اور ماہرین اپنی نگرانی میں یہ سامان تیار کر دیتے ہیں۔

ان اصلاحات کے علاوہ اور بھی بہت سے کام انقلابی وزارت نے کیے ہیں۔ جس کی تفصیل یہاں لا حاصل ہوگی۔ خدا کرے کہ بڑے بڑے لوگ و پائنداری اور ایمانداروں کے اپنے فرائض بجالاتے رہیں اور ملک و قوم کی خدمت کے ساتھ دینی خدمت بھی کریں تاکہ دنیا کی سرخروئی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے مال بھی نیکوں کے زمرہ میں شامل ہوں۔ لیکن حال ہی میں حکومت کا شرعی عدالتیں بند کر دینے سے ان کے دینی رجحان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ انقلاب کیونکر عمل میں آیا اور کونسی وجوہات تھیں جن سے نوجوان مشتعل ہو کر شاہی خاندان کے خلاف ہو گئے ہیں یہ ایک مستقل مضمون ہے جس پر تاریخ دان ہی روشنی ڈالیں گے۔

## یوم نجات :

تمام مصر میں ۲۳ جولائی کو جس دن فاروق کے خلاف علم نجات بلند ہوا تھا، یوم نجات منایا جاتا ہے۔ یوم نجات کے دن ہم لوگ قاہرہ

میں تھے۔ اس دن یہ شہر دہلی کی طرح آراستہ تھا۔ تمام بڑی بڑی شاہراہیں  
 اور گزرگاہیں چھنڈیوں سے سجائی گئی تھیں۔ مجھے بھی اس جشن عظیم میں  
 شرکت کا موقع ملا۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ مصری ول و جان سے موجود  
 حکومت کی خوشیوں میں شریک ہیں۔ کیونکہ مرد و عورتیں، بچے، بوڑھے  
 سب فوجی جلوس کے لیے چشم براہ تھے جو بڑی بڑی سڑکوں پر  
 سے گزرتا ہے۔

## جمال عبدالناصر :

عبدالناصر کو دیکھا تو جوان معلوم ہوتا ہے۔ لیوں پر وقت تقسیم  
 کھیتا ہے۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ مصر کا حاکم بازار سے گزرتا تھا  
 لیکن اس کے لیے کوئی پولیس کا پہرہ نہ تھا۔ سڑک پر کوئی رکاوٹ نہ تھی  
 اس منظر کے برعکس ہمیں لاہور اور کراچی یاد آگیا۔ جہاں کسی وزیر یا گورنر  
 کی سواری گزرنی ہو تو پہرہوں سڑکیں بند رہتی ہیں۔ دوہرے پولیس  
 کے سپاہی کھڑے ہیں اور موٹریں، تانگے اور بسیں، لاریاں اور  
 پیدل چلنے والے کیا جمال کہ ادھر سے گزر سکیں۔ وزیر صاحب کی سواری  
 گزر جائے، تو ٹریفک کے لیے سڑک گھلتی ہے۔ سہتر یہ کیوں ہوتا ہے  
 یہ غلامی کی یادگار ابھی کب تک جاری رہے گی۔ غیر ملکی آقاؤں کو تو اپنی  
 شان و شوکت اور بیگانگی دکھانا مقصود تھی۔ مگر یہ تو ہمارے اپنے ہیں  
 اور ہمارے نمائندہ ہونے کے دعوے دار۔ پھر اس بیگانگی کے کیا معنی؟

یہ کیوں اپنے آپ کو پہرہ داروں کے جھرمٹ میں محفوظ خیال کرتے ہیں عبد الناصر کو دو مرتبہ کھلی موٹر میں اور ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار دیکھا۔ کھلے بندل بازاروں میں پھر رہا ہے۔ بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں سے باتیں کرتا جاتا ہے۔ بوں پر مسکراہٹ ہے۔ ہاں جب ہجوم زیادہ ہو جاتا اور چلنا مشکل تو مصری سپاہی، ہجوم کو ہٹا کر راستہ بنا دیتے، اور ان ناصر آگے بڑھتا چلا جاتا ج

بین تفاوتِ راہ از گجا ست تا بگجا

قاہرہ کا شہر جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، بڑا عظیم افریقہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ جو تقریباً بیس میل تک دریائے نیل کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ دریائے مختلف مقامات سے نہریں کاٹ کر پھر دریا میں ملا دی گئی ہیں۔ ان نہروں کے دونوں کناروں پر سر بغداد عمارت کھڑی ہیں۔ دریا کو عبور کرنے کے لیے کئی پل ہیں۔ یہ پل پیرس اور لندن کے پلوں کی طرح بنائے گئے ہیں۔ اور حسب ضرورت جہازوں کی آمد و رفت کے لیے اٹھائے جاسکتے ہیں۔

ہوٹل اور قہوہ خانے :

قاہرہ میں ہر درجہ اور ہر مذاق کے لوگوں کے لیے لاتعداد ہوٹل اور قہوہ خانے ہیں۔ بعض ہوٹل تو لندن، روم اور پیرس کے ہوٹلوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جہاں کا انتظام یورپین طرز کا ہے۔ یہاں مسافروں

کے آرام اور آب و ہوا کا پورا پورا سامان موجود ہے۔ کیونکہ قاہرہ میں  
 مصری لوگوں کے علاوہ ہر قوم اور مذہب کی آبادی بڑی تعداد میں پائی  
 جاتی ہے۔ اس لیے یہاں ہر مذہب اور ہر قوم کے لیے علیحدہ علیحدہ  
 ہوٹل موجود ہیں۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ان سر بنگا ہوٹلوں  
 کے مالک زیادہ تر یہودی ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس نے تقریباً تمام  
 یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں ہوٹل، سٹورز اور کارخانے قائم  
 کر رکھے ہیں۔ بنکوں پر بھی زیادہ تر یہودی قابض ہیں۔ اس طرح تمام دنیا  
 کی مالیات پر ان کا اثر و رسوخ قائم ہو گیا ہے۔

ہوٹل نہایت صاف ستھرے اور پاکیزہ ہیں۔ صفائی کی طرف یہاں  
 خاص توجہ دی جاتی ہے۔ غسل خانے، سیڑھیاں، گیلریاں اور کمرے  
 ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ ان پر کسی مسافر کا قدم نہیں پڑا۔ ہر کمرے میں  
 میز، کرسیاں، پردے، پینگ اور بستر موجود ہیں۔ کھانا نہایت عمدہ  
 اور سروس باسلیقہ ہوتی ہے۔

مصری لوگ قہوہ اور چائے بہت استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے  
 یہاں کے قہوہ خانے ہر وقت آباد رہتے ہیں۔ اتفاقاً آپ کسی قہوہ خانے  
 میں چلے جائیں تو آپ کو بے فکروں کا بخوم نظر آئے گا۔ جس میں مسافر،  
 شہری، سوداگر، مزدور، طالب علم ہر قسم اور پیشہ کے سینکڑوں لوگ  
 بڑے مزے سے بیٹھے قہوہ یا چائے کی پیالیاں سامنے رکھے، سگٹ، سگار  
 یا حقہ نوشی کرتے نظر آئیں گے۔

موسم کے لحاظ سے آج کل کھانے کے بعد تڑبوز کا بڑا رواج ہے  
یہ تڑبوز برناب، سُرخ شیریں اور بڑے مزے دار تھے۔

## عجائب خانہ :

باب الخلد کے چوک کے ایک طرف عربی طرز تعمیر کی ایک  
شاندار عمارت میں مصر کا عربی عجائب خانہ ہے۔ یہاں مصر کے عربی  
حکمرانوں کی یادگاریں محفوظ ہیں۔ یہ عجائب گھر عمارت کی پہلی منزل میں  
ہے۔ یہاں حضرت عمرو بن العاص فارخ مصر کے وقت سے لیکر عربی  
حکومت کے خاتمہ تک یعنی پندرہویں صدی کے اخیر تک کے عربی سلاطین  
کے نوادرات رکھے ہوئے ہیں۔ جن سے ان حکمرانوں کی عظمت اور  
شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ دوسری منزل میں کتب خانہ ہے جس میں اسی  
عہد کے خطبہ اور وایوں کی تحریروں کو شیشے کے کیسوں میں رکھا گیا ہے  
شاہی قرائین، عہد نامے، خطبے، غرضیکہ ہر وہ تحریر جو زمانہ کی دست برد  
سے محفوظ رہ گئی ہے یہاں جمع کر دی گئی ہے۔ تاکہ مورخین کی اس  
زمانہ کی صحیح تاریخ لکھنے میں رہنمائی کر سکے۔ یہ تحریریں ان سلاطین کی  
رعایا پروری اور عدل و انصاف کی زندہ جاوید تصویر ہیں۔ مجھے قرآن مجید  
کا ایک نسخہ دکھایا گیا جو ابن ابوالفتح نے ترکی سلطان سلیم کے لیے لکھا تھا  
اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے قرآن کے ایک صفحہ کا عکس  
رکھا ہوا ہے جس کو دیکھ کر طبیعت پر ایک خاص اثر پیدا ہوتا ہے جو

احاطہ تحریر کے باہر ہے۔ ان نوادرات کے علاوہ سینکڑوں نایاب  
تلمی نسخے اور شاعروں کے دیوان موجود ہیں۔ ایک طرف پرانے سکہ  
جو وقتاً فوقتاً مصر میں رائج ہونے لگے ہیں۔ دوسری طرف  
پر شاہان مصر کی قدیم تصاویر آویزاں ہیں۔

## پرانا عجائب گھر :

عربی عجائب گھر کے علاوہ یہ دوسرا بڑا عجائب گھر ہے جس  
میں قدیم زمانہ کے مصری عجائبات رکھے گئے ہیں۔ لندن کی بزنس  
میوزیم میں تو ایک ہال مصری عجائبات کے لیے وقف تھا۔ لیکن اس  
عظیم الشان اور رفیع عمارت کے کئی ہال متقدم مصری نوادرات سے  
بھرے پڑے ہیں۔ پتھر کے بت جو وقتاً فوقتاً گھرائی میں برآمد ہوتے  
پہلی منزل میں رکھے ہوئے ہیں۔ یہ بت فراعنہ مصر کے وقت کے ہیں  
فراعنہ مصر خود کو خدا اور نائب خدا جانتے تھے اور بزرگوں کے بت  
بنا کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ دوسری منزل میں فراعنہ مصر، امراء اور  
معبدوں کے بڑے بڑے پجاریوں کی متوسط شدہ لاشیں رکھی ہوئی ہیں  
قدیم مصریوں میں رواج تھا کہ جب کوئی فرعون یا بہت بڑا امیر کسی  
معبد کا بڑا پجاری مرجاتا تو اس کی لاش کو ادویات لگا کر گلنے مٹھنے  
سے محفوظ کر لیتے۔ اور پھر ریشمی دھبوں میں پیٹ کر اسے لکڑی کے  
صندوقوں میں بند کر دیتے۔ اس کا تمام سامان، کھانے کے برتن، لباس

زیورات، بستر، حتی کہ اُن کے پالتو جانور مثلاً کتا، بلی وغیرہ اس صندوق کے ساتھ ایک تہ خانہ میں رکھ دیئے جاتے تاکہ جب وہ زندہ ہو تو اُسے کسی چیز کی تکلیف نہ ہو اور تمام سامان اُسے فوراً مل سکے۔ یہ صندوق نہایت ہی خوب صورت ہیں اور ان پر نہایت محنت سے پیل بوٹے کندہ کیے ہوئے ہیں۔ اُوپر کے صندوق سے ہی اُس کے اندر کی لاش کے مرتبے کا پتلا چل جاتا ہے۔

ہر صندوق کے اندر اُس لاش کے حالات لکھے ہوئے ہیں۔ یہ عبارت اُس وقت کے رسم الخط میں ہے۔ جب مصری تصاویر کے ذریعے لکھا کرتے تھے۔ حروف ابجد کا رواج نہ تھا۔ اور کسی چیز کا نام لکھنے کے بجائے کئی ایک تصاویر بنائی جاتی تھیں۔ اس رسم الخط کو خط تصویر کہا جاتا ہے۔ یہ زبان کیوں کر معلوم ہوئی یہ ایک علیحدہ کہانی ہے جس کا تذکرہ یہاں غیر ضروری ہے۔

ان لاشوں کو دیکھ کر عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اگر پرانی مصری تاریخ کے صفحات کی ورق گردانی کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہانِ مصر اپنے آپ کو خدا کہتے تھے اور ان کی رعایا ان کو سجدہ کرتی تھی۔ قدیم مصری لوگوں کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اپنے دیوتا یا بادشاہوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکیں مگر آج یہ حال ہے کہ اُن کی لاشیں نمائش کے لیے شیشے کی الماریوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ سچ ہے کہ عزت اور دولت صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہے حاکم بنائے اور جسے چاہے محکوم۔

ان لاشوں کے علاوہ پاپیرس رول پاپیرس ایک پودا ہوتا تھا جس کے پتوں کو قدیم مصری کاغذ کے طور پر استعمال کرتے تھے، پڑھے ہیں جن پر قدیم مصری تاریخ۔ مختلف زمانوں کے فرعونوں کے حالات عبادت کے طریقے، شاہی فرامین، عہد نامے، پند و نصائح، شاہی بیابان اور امرات کی رسومات درج ہیں۔ ان ہی سے قدیم مصر کی تاریخ مرتب کی گئی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مصری تہذیب حضرت مسیح کی پیدائش سے پانچ ہزار سال پہلے کی ہے۔ مجھے بہت شوق تھا کہ کسی سے یہ معلوم ہو سکے کہ سیدنا حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں کونسا فرعون یہاں حاکم تھا۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ جب یہاں آئے اور ان کو مصر میں حکومت ملی، اس زمانے کا تعین ہو سکے۔ یا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جس فرعون سے مقابلہ ہوا اور بنی اسرائیل کو نجات ملی اس فرعون کو دیکھ سکوں لیکن ممکن نہ ہو سکا۔ یہ عجائب خانہ موزیوں کے لیے اگر قدیم تاریخ کا سرمایہ مہیا کرتا ہے تو صاحب بصیرت انسانوں کے لیے عبرت کا۔

## قلعہ ایوبی :

عجائب خانہ کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کا قلعہ دیکھا۔ یہ قلعہ کافی بڑا ہے۔ جس کی عمارت کئی جگہ سے مرمت طلب ہو چکی ہے۔ صلاح الدین ایوبی وہی سلطان ہے جس نے تمام عیسائی یورپ کا مقابلہ کر کے بیت المقدس اور فلسطین کو عیسائیوں کے قبضے سے نکالا۔



افسوس کہ اس سلطان کی تمام محنت یورپ اور امریکہ کے سیاست دانوں  
 نے بیسویں صدی میں غارت کر دی اور اسرائیل کی سلطنت کو فلسطین  
 میں قائم کر کے عربوں کے سینے میں ایک ایسا شہرہ پیوست کر دیا جو اب  
 زندگانہ مشکل ہو گیا ہے۔ عیسائی دنیا ان یہودیوں کی مددگار ہے جنہوں  
 نے ان کے رہنما حضرت عیسیٰ کی تکذیب کی اور بقول ان کے انہیں رسولی  
 پر لڑکا دیا اور اہل اسلام کی دشمنی جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا  
 پیغمبر تسلیم کیا اور ان کی عزت و حرمت پر حرف نہ آنے دیا۔ فَاٰخِثَبُوْا  
 يَاۤ اَوْلِيَ الْاَبْصَارِ۔

## چاہِ یوسف :

اس قلعہ کے قریب ایک بہت وسیع گڑھا ہے جسے چاہِ یوسف  
 کہتے ہیں۔ عام لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام چرب  
 زلیخانے الزام لگایا تو عزیز مصر نے باوجود الزام چھوڑنا ثابت ہونے کے  
 اپنی عزت اور بدنامی کے خیال سے انہیں یہاں قید کر دیا تھا۔ لیکن یہ  
 سراسر جھوٹ معلوم ہوتا ہے۔ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہزاروں سال کا  
 پرانا گڑھا وہی قید خانہ ہو، جہاں یوسف علیہ السلام بند رکھے گئے تھے  
 اس کا تاریخی ثبوت کوئی نہیں ملتا۔ تاہم لوگوں میں یہ روایت عام ہے۔  
**بارِ فردوس :**

قاہرہ میں دو باغات نہایت وافر بہا اور خوب صُوت ہیں۔ ایک

باغِ فردوس کہلاتا ہے اور دوسرا پھلیوں کا باغ۔ باغِ فردوس تو دنیا میں بالکل جنت کا نمونہ معلوم ہوتا ہے۔ روشیں، سبزہ، پھولوں کے تختے اور جگہ جگہ درختوں کے چھنڈ، کوئی جگہ ایسی نہیں جس کی آراستگی میں کوئی کسر اٹھا رکھی گئی ہو۔ دیکھنے والا خوبصورتی اور مصریوں کی صنایع دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ ایک عجیب بات یہاں نظر آئی۔ گلوں کے اوپر اور کہیں کہیں دیواروں پر ایسی قرآنی آیات منقش ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی تعریف، اس کی عظمت اور جبروت کا ذکر ہے۔ غالباً یہ اسلامی تعلیم کا اثر ہے کہ انسان اس خوبصورت مقام پر اللہ تعالیٰ کو نہ بھول جائے اور اس کی توجہ ان آیات کو پڑھ کر اسی محبوب حقیقی پر مرکوز ہو جائے۔ جس نے انسان کو عقل اور علم کی دولت سے نوازا۔ جس کی بدولت وہ خوبصورت اشیاء بنانے پر قادر ہوا۔

## پھلیوں کا باغ :

باغِ فردوس کے قریب ہی ایک اور باغ ہے۔ یہ پھلیوں کی نمائش گاہ ہے۔ یہاں لے شمار خوش بنے ہیں۔ جن میں ہزاروں اقسام کی پھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ باغ کے درمیان میں ایک ٹیلہ ہے۔ جسے پار کرنے کے لیے سرنگ نما راستے بنے ہوئے ہیں۔ روشوں کے کناروں پر نشمنوں کا

انتظام سے۔ تاکہ اگر سیر و تفریح کے شائقین تھک جائیں تو ان نشستوں پر بیٹھ کر آرام کر سکیں۔ ہزاروں مصری اور غیر ملکی سیاح یہاں آتے اور مصریوں کی نفاست کی داد دیتے ہیں۔ طالب علم تو یہاں تقریباً ہر گوشہ ٹک سے آکر مچھلیوں کا نظارہ کرتے ہیں۔

## چڑیا گھر :

دوسرے دن عزہ کی طرف جانا تھا۔ جہاں ابوالہول اور ابراہیم مصر میں راستے میں قاہرہ کا چڑیا گھر ہے۔ اس لیے ٹیکسی لے کر پہلے چڑیا گھر کی طرف گئے۔ چڑیا گھر شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کی عمارت نہایت شاندار ہیں، اور سڑکیں نہایت کشادہ اور صاف ستھری کہیں کہیں خوب عورت ٹانلوں کا فرسش ہے۔ سڑکوں کے دونوں طرف نہریں اور تالیاں ہیں جو پختہ بنی ہیں۔ ان کے علاوہ حوض بھی ہیں۔ چڑیا گھر میں بھی باغ لگایا گیا ہے۔ جسے پھولوں اور درختوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اور شائقین کے لیے یہاں بھی نشستوں کا انتظام ہے۔ اس چڑیا گھر میں دنیا کے ہر گوشہ کے حیوانات، طیور اور وحوش جمع ہیں۔ غیر ملکیوں کے لیے زرافہ، زبیرا اور سمندری گھوڑا زیادہ توجہ کے مرکز ہیں۔ کچھ عرصہ پہاں سیر کرنے کے بعد ہم عزہ کی طرف روانہ ہوئے ابراہیم :

مصر اپنے پرانے تمدن، دریائے نیل اور ابراہیم کے لیے دنیا بھر میں

مشہور ہے۔ اہرام دراصل فراعنہ مصر کے مقبرے ہیں جو انھوں نے اپنی عظمت اور جاہ و جلال کے شایان شان بنوانے پر چڑیا گھر سے نکلے ہیں۔ مٹ ہونے ہوں گے کہ ہمارے گاڑی غزہ کے ٹیم سٹیشن پر پہنچ گئی۔ راستے میں موٹروں اور ٹریپوں پر آنے جانے والوں کی قطاریں تھیں۔ غیر ملکی تو قاہرہ میں اسکی عرض سے آتے ہیں کہ اہرام دیکھیں۔ ٹیم سٹیشنوں پر بھی موٹروں، بسوں، گھوڑا گاڑیوں اور اُونٹوں، گدھوں کا مجمع رہتا ہے۔ بچن پر بیٹھ کر لوگ اہرام کی سیر کرتے ہیں۔ موٹروں کی نسبت یہاں اُونٹ اور گدھے کی سواری زیادہ پسند کی جاتی ہے۔ کیونکہ ایسی سواری امریکہ اور یورپ میں پیش نہیں آتی۔ نیچے، مرد، عورتیں اُونٹوں پر سوار ہوتے ہیں، لگاتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں۔

یہ اہرام دنیا کے سات پرانے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ہے بھی ایسا ہی۔ کیونکہ ان کی بناوٹ دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کئی کئی سو من وزنی پتھر اتنی بندھی پر پہنچانا آسان کام نہیں جو ان اہرام کی تعمیر میں لگائے گئے ہیں۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ فراعنہ مصر فاسطین، بابل، شام اور عرب پر جب حاکم تھے۔ تو انھوں نے یہاں کے محکم لوگوں کو سویز کے علاقہ سے پتھر لانے کے کام پر لگایا تھا۔ ہزاروں غلام، صبح سے شام تک پتھر کاٹنے میں مصروف رہتے۔ ہزاروں غلام پتھروں کو آہستہ آہستہ کھینچتے ہوئے

غزہ کی طرف لاسے، ہزاروں غلام اُن کو بندی کی طرف کھینچتے لیکن یہ سب قیاسیات ہیں۔ اہرام مصر کی بناوٹ سے پتا چلتا ہے کہ مصری تہذیب اُس زمانہ میں اپنے پورے عروج پر تھی۔ فن تعمیر میں اُن کا مقابلاً آج کے لوگ بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ اہرام بننے تقریباً ۵ ہزار سال ہو چکے ہیں۔ اور وہ جوں کے توں کھڑے ہیں اور زمانہ کی تحریروں کی قوتیں اُن کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں۔

سب سے بڑا ہرم یا مقبرہ خوف فرعون نے اپنے لیے بنوایا۔ جس کا خاندان ۲۹۰۰ سے ۲۷۵۰ قبل مسیح میں حکمران تھا۔ یہ ۶۰ فٹ مربع اور اس کی بلندی ۱۰۰ فٹ ہے۔ دوسرا ہرم ۴۵۰ فٹ بلندی ہے اور اس کا چبوترہ ۱۰۰ فٹ مربع ہے۔ تیسرا ہرم جو سب سے چھوٹا ہے، اس کا چبوترہ ۳۵۰ فٹ مربع ہے۔ اور بلندی صرف ۲۰۰ فٹ ہے۔ دوسرا ہرم فرعون کیفرن نے بنوایا تھا اور تیسرا ہرم فرعون منکورا کا ہے۔ یہ تینوں فرعون ایک ہی خاندان کے تھے۔

ان اہرام کے علاوہ کئی اور چھوٹے چھوٹے اہرام ہیں جو شاہان مصر کی قبریں ہیں۔ یہ اہرام اس طرح بند کیے گئے تھے کہ راستے کا معلوم کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن صدیوں کی محنت کے بعد پراسے مصری کتبوں کے ماہرین کی محنت بار آور ہوئی اور سب سے بڑے ہرم کا سرنگ نما راستہ معلوم ہو گیا۔ جسے فرعون کی لاش تہ خانہ میں رکھنے کے بعد نہایت چالاکی سے بند کر دیا گیا تھا اور باہر سے اُس کا کوئی نشان نظر

نہ آتا تھا۔

اس ہرم میں نیچے اُوپر تین درجے ہیں۔ جن میں جانے کا راستہ  
 نہایت تنگ ہے۔ اور کمزور آدمی کا جانا قریباً ناممکن ہے۔ پختے جھٹے  
 میں ملکہ کی لاش تھی۔ ان اہرام میں بے شمار ذرہ جواہر اور سونا تھا۔ اس  
 کے علاوہ پتھر کے بُت بھی تھے جو غالباً ان کی لونڈیوں اور غلاموں  
 کی صورتوں پر تراشے گئے تھے۔ یہ لاشیں، سونا، جوہرات اور بُت  
 یہاں سے نکال کر عجائب گھر میں رکھ دیئے گئے ہیں۔ اندر گوبلی  
 رنگاوی گئی ہے۔ تاہم آنے جانے والے اپنے ہمراہ ٹارچ رکھتے ہیں  
 اب یہاں خالی کمرے اور تہ خانے باقی ہیں۔ جن کو دیکھنے کے  
 لیے لوگ آتے ہیں۔ گائیڈ موجود ہوتا ہے۔ آپ اہرام میں جانے کا  
 ٹکٹ لے کر گائیڈ کے ہمراہ داخل ہوں تو گائیڈ جن کی زبان بند ہونے  
 کا نام نہیں لیتی، طرح طرح کی کہانیاں اور افسانے آپ کو سنانے گا  
 جس میں سچ کم اور جھوٹ زیادہ ہوگا۔ مثلاً براند مانے تو آپ  
 کو بتاؤں کہ ایک صاحب جو یہاں اہرام دیکھنے آئے تو ان کے ہمراہ  
 ان کی بیوی اور دونے بچے بھی تھے۔ جب اندر داخل ہوئے تو انھیں ایک  
 بچھو نظر آیا۔ اتنا بڑا بچھو کہ وہ ڈر گئے۔ اور ان کی بیگم کو تو غش آگیا  
 بڑی مشکل پیش آئی وغیرہ وغیرہ۔ کبھی بتائیں گے کہ ایسے لوگ بھی  
 آتے ہیں جو دیواروں کو ہتھوڑیوں سے بجاتے ہیں۔ شاید وہ کسی  
 راستہ کا پتہ لگانا چاہتے ہیں۔

## ابوالہول :

ایک ہی ہرم دیکھ کر طبیعت سیر ہو گئی . اور ابوالہول دیکھنے گئے  
 بڑے ہرم کے پاس ہی ایک بھورے رنگ کا بہت بڑا پتھر کا شیر بنا  
 ہوا ہے۔ جس کی لمبائی قریباً ۱۸ فٹ ہے۔ اور زمین سے سر کی چوٹی  
 تک ۶۰ فٹ اونچا ہے۔ باقی جسم شیر کا ہے۔ صرف چہرہ عورت  
 کا ہے۔ جس کی ناک گم ہو چکی ہے۔ ہونٹوں پر ہلکا سا پرا سر  
 تبسم رقصاں ہے۔ کس زمانہ میں بنا، کس نے بنایا، کس کے لیے بنایا  
 اور کیوں بنایا۔ یہ سوال شرمندہ جواب نہیں ہو سکے۔ پرانی تحریریں جو  
 آج تک دست یاب ہوئی ہیں، ابوالہول کے متعلق خاموش  
 ہیں۔ اس کا پرا سر تبسم دنیا کے لیے ایک عجیب معمّا ہے۔ اس کی  
 بناوٹ دوسرا معمّا ہے۔ کیونکہ یہ سالم پتھر کاٹ کر بنایا گیا ہے  
 اور اس میں کوئی ٹکڑا دوسرے پتھر کا نہیں۔ اس کے قریب ہی ایک  
 مندر کے کھنڈرات موجود ہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ بت کسی  
 مصری خاندان کا معبود ہو گا۔

ابوالہول کے چھوٹے چھوٹے نمونے پتھر، پیتل، مٹی اور لوہے  
 کے یہاں عام ملتے ہیں۔ جنہیں سیاح بڑے شوق سے خریدتے ہیں۔

## قاہرہ کی مساجد :

قاہرہ میں مساجد کو جامعہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسلامی دنیا

کے اس سب سے بڑے شہر میں مساجد کی صحیح تعداد معلوم کرنا ایک دشوار کام ہے۔ کیونکہ کوئی بازار، سڑک، گوشہ اور محلہ ایسا نہیں جہاں مسجد نہ ہو۔ جہاں پانچ وقت اللہ اکبر کی صدائیں مسلمانوں کو خدائے تمیز کی طرف بلانے کے لیے بلند نہ ہوتی ہو۔ یہاں صرف ان تاریخی مساجد کا ذکر خالی از وہیسی نہ ہو گا۔ جن کی تعمیر خاص بادشاہوں یا امراء نے کی۔ اور جن کی زینت اور آرائش دیکھ کر سیاح و نگہ جاتے ہیں۔

## ۱۔ جامعہ عمر بن العاص :

اس مسجد کی بنیاد حضرت عمر بن العاص نے ۲۱ھ میں رکھی تھی۔ مصر میں یہ سب سے پہلی اور پرانی مسجد ہے۔ یہ ۳۹۰ فٹ لمبی اور ۳۶۰ فٹ چوڑی ہے۔ اگرچہ اس کی مرمت ہوتی رہی ہے۔ لیکن جس توجہ کی مستحق ہے، وہ اس پر نہیں دی گئی۔ چار میٹروں میں سے صرف دو باقی ہیں اور ان کی ہستی بھی خطرہ میں ہے۔ جس شہر میں یہ بنائی گئی تھی، وہ اب معدوم ہو چکا ہے۔ یعنی فسطاط کا شہر، اس شہر کی نشانی یہی ایک مسجد باقی ہے۔

## ۲۔ جامعہ الوداع :

یہ مسجد شہر کے ایک طرف واقع ہونے کے باعث آباد نہیں ہے۔ اس



کی اہمیت صرف یہ تھی کہ شاہِ مصر اس میں جمعہ کی نماز ادا کرنے آتے تھے۔ جس کے باعث شہر کے رؤسا اور اُمراء بھی وہاں آجاتے۔ یہاں زیادہ رونق نظر نہیں آتی۔

اس مسجد کے ایک کونہ میں مزار دیکھا، جو عمر بن العاص کے بیٹے عبداللہ کا مزار بتایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مسجد میں بڑے محراب سے قدرے ہٹ کر ایک اور چھوٹا سا محراب بنا ہوا ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہاں سیدہ نفیسہؓ نے نماز ادا کی تھی۔ اور یہ محراب ان کی نماز کی یادگار میں بنایا گیا ہے۔ محراب کے دائیں بائیں دو پتھر لگے ہیں۔ جن کے گرد لوہے کا جنگلہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بیت اللہ شریف سے لائے گئے تھے۔ اسی طرح ایک ستون کے گرد بھی جنگلہ لگا دیا گیا ہے۔ وہ بھی بیت اللہ شریف کا بتایا جاتا ہے۔ یہ کہاں تک سچ ہے، اللہ بہتر جانتا ہے۔ ایک پتھر پر گہرا نشان دیکھا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ لوگ بیماری سے شفا پانے کے لیے اسے چانتے رہے ہیں اور اس طرح یہ نشان بن گیا ہے۔

### ۳۔ جامعہ احمد بن طولون :

یہ مسجد بھی بہت وسیع اور فراخ ہے۔ اور اسے سینے ہوئے ہزار سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ یہ مسجد بہت خوبصورت ہے۔

## ۴۔ جامعۃ الرشیدی :

یہ مسجد خدیو مصر اسماعیل پاشا کی والدہ نے تعمیر کروائی تھی اور رشیدی نامی ایک بزرگ سے جن سے انھیں عقیدت تھی، مسجد کو منسوب کیا تھا۔ لاہور کی شاہی مسجد کی طرح اس کا چبوترہ بہت بلند ہے۔ اور اس پر نہایت شاندار عمارت بنائی گئی ہے۔ یہ عمارت سُرخ پتھر کی ہے۔ جس کی اندوئی دیواروں پر نہایت قیمتی قیمتی پتھر لگے ہوئے ہیں۔ فرش پر خوبصورت تالیں بچھے ہوئے ہیں۔ یہاں جمعہ اور عیدین پر امراء اور رؤسا شاہی خاندان کا اجتماع ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی شاہی قبرستان ہے۔ ہم تالا کھلو کر اس میں داخل ہوئے۔ یہاں خدیو خاندان کی سنگ مرمر کی قبریں ہیں، جن پر گنبد اور قبے بنے ہوئے ہیں۔ معزول شدہ شاہ فاروق کی قبر بھی تیار پڑی ہے۔ لیکن خدا جانے اس کا ٹھکانہ کہاں ہے۔

## ۵۔ جامعہ حضرت امام حسینؑ :

یہ مسجد شہر کے پُر رونق حصہ میں واقع ہونے کے باعث بہت آباد ہے۔ اس کی آرائش اور زیبائش پر شاہانِ مصر نے دل کھول کر رقم صرف کی ہے۔ مسجد کے پچھلے حصہ میں حضرت امام حسینؑ کا مزار ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ جب یزید کے پاس آپ کا سر مبارک پہنچا تو وہاں سے اُسے مصر میں لایا گیا۔ اور یہاں دفن کیا گیا۔ اگرچہ دوسری روایت میں

آپ کا سر مبارک دمشق کی مسجد امویہ میں دفن بتایا جاتا ہے۔  
 مزار کی وجہ سے یہ مسجد مرجع خاص و عام ہے اور یہاں ہر وقت لوگ  
 دعائیں مانگنے، دُرد اور سلام پڑھنے میں مصروف رہتے ہیں۔  
 ان کے علاوہ جامعہ سلطان حسن بھی تاریخی مسجد ہے۔ یہ جامعہ وائی  
 کے عین مقابل واقع ہے۔ یہ پرانی مساجد نہایت قیمتی تاریخی خزانے  
 ہیں۔ ان کے علاوہ موجودہ زمانے کے مخیر حضرات نے نہایت عالی شان  
 مساجد تعمیر کی ہیں، تاکہ لوگوں کو رہائش گاہ کے قریب ہی عبادت کے  
 لیے خانہ خدا مل جائے۔

مجھے بتایا گیا کہ حضرت امام حسینؑ کے مزار کے علاوہ حضرت زینب  
 بنت حضرت علیؑ رحمہ اللہ وجہ سیدتنا نفیسہ، سیدتنا سکینہ اور سیدتنا  
 رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزارات قاہرہ میں موجود ہیں۔ لیکن سیدتنا  
 زینبؑ کا مزار دمشق میں بھی دیکھا تھا۔ اس لیے یہ مزار دیکھ کر شبہ ہوا  
 کہ کسی اور شہزادی زینب کا ہوگا۔ جسے خوش فہموں نے اُن کے نام  
 سے منسوب کر دیا ہے کیونکہ کسی تاریخ سے اُن کا مصر میں آنا معلوم  
 نہیں ہوتا۔

الازھر یونیورسٹی :

جامعہ ازہر یونیا کی سب سے پرانی تعلیم گاہ ہے۔ جو اب ایک  
 مستقل یونیورسٹی میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اس کی بنیاد ۹۸۹ء میں قائد جوہر

نے ڈالی۔ اس نے یہاں ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس کے ساتھ ایک  
 مکتب جس میں علوم شرعی کی تعلیم دی جاتی تھی قائم کیا۔ طلباء کی تعلیم  
 اور رہائش کا انتظام مفت ہوتا تھا۔ اور اس مقصد کے لیے بہت بڑی  
 جائداد وقف تھی۔ قائد جوہر خلیفہ المعتمد کا سپہ سالار تھا۔ جس کے دل  
 میں اللہ تعالیٰ نے اس نیک کام کی خواہش پیدا کی۔ الاثرہر کی آمدنی اس  
 قدر ہے کہ اس کے منتظمین کو کسی بیرونی امداد کی ضرورت نہیں۔  
 اس وقت اس یونیورسٹی میں ۲۷ ہزار طالب علم تعلیم حاصل کر رہے  
 ہیں۔ جن میں پاکستان، ہندوستان، جاوا، سماٹرا، افغانستان، ایران  
 حجاز، شام، عراق، لبنان، روس اور کئی ایک دیگر ممالک کے  
 رہنے والے ہیں۔

پرائمری، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی علیحدہ علیحدہ درسگاہیں ہیں۔  
 طلباء کی رہائش کے لیے بورڈنگ ہاؤس ہیں۔ معلمین نہایت قابل  
 محنتی اور ہمدرد ہیں۔ جن کو درس و تدریس کے سوا کسی اور مشغلے سے  
 وابستگی نہیں۔ الاثرہر میں تعلیم دینے والا استاد اپنے علم کا عالم ہوتا ہے  
 طالب علموں کو تکمیل علم کے بعد سند دی جاتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ الاثرہر  
 کا فارغ التحصیل دنیا کے کسی بڑے سے بڑے عالم کے مقابلہ میں پیش کیا  
 جاسکتا ہے۔ اگرچہ بعض کی رائے اس کے برعکس بھی ہے۔

جامعہ کا شیخ جسے شیخ الاثرہر کہتے ہیں۔ اس یونیورسٹی کا منتظم اعلیٰ  
 ہے۔ اور اس کا درجہ وہی ہے جو ہماری یونیورسٹیوں میں چانسلر کا ہے

اس کے ماتحت یونیورسٹی کے تمام شعبہ جات ہیں۔ جن کا علو درجہ علو درجہ  
 ایک حد ہوتا ہے۔ الاذہریں پروفیسر ہونا باعث فخر خیال کیا جاتا ہے۔  
 پہلے تو یہ وار العلوم صرف دینی تعلیم کے لیے جاری ہوا تھا۔ لیکن  
 آہستہ آہستہ احادیث، تفسیر، فقہ، تاریخ، فلسفہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ  
 یہاں دیگر علوم اور زبانوں کی تعلیم بھی دی جانے لگی۔ اور اب تو یہاں  
 پورچین زبانوں کے ساتھ سائنس اور زمانہ حال کے علوم کی بھی تعلیم  
 دی جاتی ہے۔

پوانی مسجد یونیورسٹی کے تقریباً وسط میں اچھی ہے۔ گاہے گاہے  
 اس کی مرمت ہوتی رہتی ہے۔ لیکن مصری لوگوں نے مرمت میں ایسی  
 کاریگری کا ثبوت دیا ہے۔ کہ اس عمارت کی اصلی حالت میں تبدیلی نہیں  
 آنے دی اور اس کی ظاہری شکل و صورت وہی ہے جو آج سے ایک ہزار  
 سال پہلے تھی۔ مسجد کے ارد گرد نئی عمارات بنائی گئی ہیں۔ جن میں طلباء  
 کی بڑھتی ہوئی تعداد کا سامنا مشکل ہو گیا ہے۔ کالجوں اور نئے سکولوں کی  
 عمارات جدید طرز تعمیر کا نمونہ ہیں۔ قائد جوہر کا مزار بھی پرانے حصہ میں ہے  
 یہ بہت سادہ ہے۔ جس میں تکلف کو کوئی دخل نہیں۔

آج روانگی کی تیاری کرنا تھی۔ تمام مشہور مقامات اور قابل دید  
 جگہوں کو دیکھ چکے تھے۔ لیکن جو حضرات اس سفر نامہ کو پڑھ رہے ہیں  
 ان کی معلومات کے لیے دو ایک باتیں ضبط تحریر میں لانا نہایت ضروری  
 خیال کرتا ہوں۔

## قاہرہ کے مضافات :

قاہرہ کے مضافات بھی قابلِ دید ہیں۔ جہاں داخل ہو کر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہائم یورپ کے کسی دار الحکومت میں آگئے ہیں۔ مضافات شرف سڑکوں پر مصری مرد اور عورتیں یورپین لباس میں بیٹوس جا رہے ہیں۔ عربی جوتہ بہت کم نظر آتا ہے۔ ایک ہوٹل میں جانے کا اتفاق ہوا، تو یہ پیرس اور لندن کا ہوٹل معلوم ہوتا تھا۔ ٹیلیفون پر لڑکی بیٹھی ہے اور وہ تقریباً دو تین زبانیں ضرور جانتی ہے۔ عربی تو ان کی مادری زبان ہے۔ اس کے ساتھ انگریزی، فرانسیسی اور ترکی بھی ان کے لیے جانتا ضرور کی ہے۔

چائے اور قہوہ عام استعمال ہوتا ہے۔ لوگ ہال کمرہ میں بیٹھے ہیں پیالی آگے رکھی ہے۔ ریڈیو بج رہا ہے۔ کوئی گھانا سن رہا ہے، کوئی اخبار پڑ رہا ہے۔ چند بے فکرے خوش گپوں میں مصروف ہیں۔

قاہرہ کے مضافات میں پہلوان بہت مشہور ہے۔ یہاں گندھک کے چشمے ہیں۔ اس لیے یہ ایک بہترین صحت افزا جگہ ہے۔ جہاں دور دورے لوگ آکر رہتے ہیں۔ اس جگہ نہایت عالی شان ہوٹل اور قیام گاہیں ہیں اس کے قریب ہی مصر کی سرکاری رصد گاہ اور موسمیات کا دفتر ہے۔

قاہرہ میں قیام بہت پر لطف رہا۔ مصری لوگ عربی زبان بولتے ہیں۔ لیکن ان کی رہائش اور لباس یورپین اقوام سے زیادہ مشابہ ہے۔ انھیں اپنی تہذیب اور تمدن پر بہت فخر ہے۔ وہ اپنے تمدن کی قدیمت

پر نازاں ہیں۔ یہاں کے عجائبات سیاحوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔  
 جو دنیا کے ہر گوشہ سے لاکھوں کی تعداد میں یہاں آتے ہیں۔ مصر کو  
 تحفہ نیل کہتے ہیں اور یہ بالکل درست ہے۔ کیونکہ یہاں کی زرخیزی  
 صرف دریائے نیل پر موقوف ہے۔ جس میں ہر سال طغیانی آتی ہے  
 اور اس کا پانی کناروں کے دونوں طرف وسیع رقبوں کو سیراب کرتا  
 ہے۔ جہاں تک دریائے نیل کا پانی جاتا ہے، وہاں تک زمین آباد  
 اور قابل زراعت ہے۔ پانی بنجر ریگستان ہے۔ جس میں سینکڑوں میلوں  
 تک آباوی کا نام و نشان نہیں۔

دریائے نیل کا ڈیلٹا بہت زرخیز ہے۔ اس میں کپاس کی کاشت  
 ہوتی ہے۔ جو اپنے لمبے ریشوں کے باعث دنیا کے گوشے گوشے میں  
 مقبولیت حاصل کر چکی ہے اور مصر کے لیے زرمبادلہ مہیا کرتی ہے۔

## کرایہ کی موٹریں :

قاہرہ میں کرایہ کی موٹریں بہت عام ہیں۔ لیکن موٹر ڈرائیور  
 بڑے دھوکے باز ہیں۔ ایک ٹیکسی کرایہ پر لی اور ہوٹل سے پاکستانی  
 سفارت خانہ کی طرف روانہ ہوئے۔ فاصلہ کا لحاظ رکھتے ہوئے کرایہ  
 کوئی تین روپے (پاکستانی) بنتا تھا۔ لیکن ڈرائیور نے میٹر میں کچھ ایسی  
 گڑبڑ کی کہ جب ہم پاکستانی سفارت خانے پہنچے تو اس نے بیس روپے  
 کا مطالبہ کیا۔ سفارت خانے میں چھٹی ہو چکی تھی۔ لیکن حسن اتفاق کہیے کہ

وہاں ایک پاکستانی مل گئے۔ جو سفارت خانے میں اسسٹنٹ تھے وہ ہماری مدد کو پہنچے۔ لیکن بے سود۔ اُنھوں نے بہتیرا سر کھپایا۔ لیکن ڈرائیور اپنی ضد پر قائم رہا۔ آخر کار تنگ آکر وہ اُسے پولیس اسٹیشن پر لے گئے جہاں باوجود یہ ثابت ہو جانے کے کہ موٹر کا میٹر خراب ہے۔ ڈرائیور کے خلاف کوئی چارہ جوئی نہ کی گئی بلکہ پولیس والوں نے مل جل کر اُسے چھوڑ دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے ٹیکسی ڈرائیور عام طور پر مسافروں کو لوٹنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس یورپ میں اُد خاص کر لندن کے ڈرائیور اجنبیوں سے بڑے خلق اور محبت سے پیش آتے ہیں اور کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیتے۔

## ٹورسٹ پولیس :

شاید حکومت تک ڈرائیوروں اور عام پولیس کی شکایتیں پہنچی ہوں کیونکہ مسافروں سے اُن کا سلوک قابلِ تعریف نہیں ہے۔ ان شکایتوں کی وجہ سے یا مسافروں کے آرام اور آسائش کی خاطر مصری حکومت نے مختلف زبانیں جاننے والے زبواٹوں پر مشتمل ایک محکمہ ٹورسٹ پولیس کے نام سے بنایا ہے۔ جو سیاحوں کی مدد کرتا ہے، انھیں کسی ڈرائیور اور دکانداروں کی زیادتیوں سے بچاتا ہے۔ ایک اور موقع یہ جب ڈرائیور ہم سے زائد کرایہ لینے پر بھند تھا۔ ٹورسٹ پولیس کے



ایک سپاہی نے فوراً آکر اُسے راہِ راست پر لگایا۔  
 یہ سپاہی سفید کوٹ پٹکون میں بلٹوس ہوتے ہیں۔ صرف ان کے  
 بازو پر ٹورسٹ پولیس کا بیج (BADGE) نمایاں ہوتا ہے۔ پاکستان میں بھی  
 اگر ٹورسٹ پولیس کا قیام عمل میں لایا جائے تو بہت مفید ہو گا۔

### ایک پرانا واقعہ :

کوئی دس برس پہلے کی بات ہے۔ کہ میں اپنے لڑکے عبدالغنی  
 برق کے ساتھ کراچی گیا۔ سٹیشن سے باہر آکر ایک وکٹوریہ گاڑی میں  
 سامان رکھا۔ ایک دو جگہ ہونٹوں میں گئے۔ لیکن وہاں کوئی کمرہ خالی  
 نہ تھا۔ اس بھاگ دوڑ میں کوئی پون گھنٹہ صرف ہو گیا۔ وکٹوریہ والے  
 کو کسی اور ہوٹل کی طرف چلنے کو کہا۔ شام کی تاریکی چھا رہی تھی۔ وہ بجائے  
 ہوٹل کے ہمیں ایک غیر آباد اور ویران سڑک پر روشنی سے بہت دور  
 لے گیا۔ گاڑی کھڑی کر لی اور ہاتھ میں ہنڈل لے کر ہماری طرف بڑھا اور  
 کہنے لگا کہ مجھے پانچ روپے دے دو۔ اور یہیں اتر جاؤ۔

تھوڑی دیر بعد ہم ایک پولیس کے سپاہی کو بلالانے لیکن وہ  
 بھی اس کو چوان سے کچھ کھسکھس کر کے چلا گیا ہے

کہ ہمیں مکتب است و ہمیں لا

کارِ طفلان تمام حوادث شد

کو چوراول اور ڈرائیوروں کی یہ مجال نہیں کہ وہ مسافروں کو لوٹیں

یا تنگ کریں۔ یہ لوگ اگر ایسا کرتے ہیں تو پولیس والوں سے مل کر کڑی اور سزا کی پولیس ان باتوں کے لیے خاص طور پر بدنام ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ اسلامی سلطنت میں سیاحوں سے بدسلوکی کے واقعات پیش آئیں۔ حالانکہ اسلام نے ابن السبیل کی امداد کی تاکید کی ہے اور اہل یورپ جو ہمارے نزدیک کافر ہیں وہ سیاحوں اور مسافروں کو ہر قسم کی سہولتیں دیں۔ دکاندار ان کو اجنبی سمجھ کر امداد کریں۔ پولیس ان کی خاطر مدارات کرے۔ حتیٰ کہ معمولی لغزش کو نظر انداز کر دے۔ ٹیکسی والے ان سے خلق اور محبت سے پیش آئیں۔

قاہرہ میں ہمارے راہنما پروفیسر محمود بریلوی صاحب دوسرے ہی دن اتفاقاً مل گئے۔ پروفیسر موصوف مخلص دوست ہونے کے علاوہ ہماری چند ایک مطبوعات کے مصنف بھی ہیں۔ اور آج کل یہاں موٹر اسلامی میں پاکستانی مزدوب کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ٹیکسی ڈرائیور کے پہلے دن کے واقعہ کے ڈر سے سیر و سیاحت شاپنگ مختلف ہوٹلوں میں قیام و طعام انہی کی معیت میں کیا۔ سچ ہے کہ اے ذوق کسی ہمدیم ویرینہ کا ملنا بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

شاہِ فاروق کا موٹر لائیج :

شاہِ فاروق بڑا رنگین مزاج بادشاہ تھا اور الف لیلہ کے افسانوی

کر داروں سے ملتا جلتا تھا۔ سامانِ تعیش میں ایک بڑا موٹر لائچ دریائے  
 نیل کی سیر کے لیے اُس نے بنا رکھا تھا۔ اس لائچ میں بہت سے کمرے  
 اور برآمدے ہیں جو شاہی وقت میں بہت آراستہ ہوں گے لیکن اب  
 یہ لائچ ایک بستوران کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

عام لوگ اس میں جا کر کھانے پیتے اور اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ ہم بھی  
 اس لائچ میں گئے اور مشروبات سے لطف اندوز ہوئے۔

آج ذی الحج کی پانچویں تاریخ تھی اور مصر میں ہمارا آخری دن تھا  
 شام کے قریب دو دو اجراموں کے لیے کپڑا۔ تین چھاتے۔ ایک لائٹن  
 ایک تھرماس، پچو قسم سامان خرید کیا۔ باپ۔ بیٹا دونوں نے سر منڈوا  
 اور ہوٹل میں واپس آکر صبح سویرے جدہ جانے کی تیاریوں میں مصروف  
 ہو گئے۔

شیخ محسن نواز جو پہلے پاکستان ہاؤس دہلی میں سپرنٹنڈنٹ تھے  
 آج کل مصر کے سفارت خانہ میں ہیں۔ انھوں نے پہلی خط و کتابت کے  
 مطابق ہمارے لیے جدہ کی نشستوں کا انتظام سوانی جہاز میں کر رکھا تھا  
 ان کی اہلیہ صاحبہ بھی اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تاہرہ چھوڑ کر ہمارے  
 ساتھ حج کے لیے تیار ہو گئیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

## مکہ معظمہ

۴ روزی الحجہ کو قاہرہ سے ایرویز کے ہوائی جہاز پر صبح ۷ بجے سوار ہو کر ساڑھے گیارہ بجے جدہ ایرپورٹ پہنچے۔ راستہ میں ہر مسافر کو عربی زبان میں چھاپا ہوا ایک ایک فارم پر کرنے کے لیے دے دیا گیا۔ اس فارم کی ادھوری تکمیل ہی ہو سکی۔ کیونکہ عربی زبان سے واقفیت نہ تھی اور ساتھ والے بھی اس زبان سے زیادہ آشنا نہ تھے۔

## جدہ ایرپورٹ :

جہاز آ کر ٹھہرا ہی تھا کہ ہمیں اترنے کا حکم دیا گیا۔ سب مسافر اپنی اپنی جگہ سے سر کے، کچھ نیچے اترے اور کچھ ابھی اتر ہی رہے تھے کہ دوسرا حکم صادر ہوا کہ سب مسافر کھڑے رہیں۔ اس کے بعد تیسرا حکم آیا کہ سب مسافر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں۔ کیونکہ ڈاکٹری معاہدہ جہاز ہی میں ہو گا۔ کچھ عرصہ بعد ایک صاحب تشریف لائے۔ جو سب مسافروں پر ایک نیم متبسم طائرانہ نظر ڈال کر واپس چلے گئے۔ غائبانہ ہی ڈاکٹری معاہدہ تھا۔ جس کے لیے ہمیں روکا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے جلسے کے بعد

چوتھا حکم یہ آیا کہ سب سواریاں جہاز سے اتر جائیں۔ اترے تو دروازے پر پانچ سات حضرات آدھکے، جو خود ہی حکومت کے کارندے معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک یہی ظاہر کرنے کی کوشش میں تھا کہ میں ہی سب سے بڑا ہوں۔ اور دوسرے ساتھی میرے ماتحت ہیں۔ اس جماعت کا ہر ایک شخص ہمارا پاسپورٹ لے لیتا اور ساتھ ہی پوچھتا۔

معلم کون؟ انھیں بتایا کہ معلم عمر اکبر ہے۔ اس امتحان کے بعد ہمارے پاسپورٹ رکھ لیے گئے اور ہمیں باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ شیخ حق نواز کی بیگم صاحبہ کو جوت پھرہ سے ہماری رفیق سفر تھیں پاکستانی سفارت خانے سے ان کے کوئی بیٹے والے آئے اور یہ ان کے ہمراہ تشریف لے گئیں۔

## جدہ کسٹم ہاؤس :

کسٹم آفس میں آکر ہماری حالت یوسف بے کارواں کی سی تھی کوئی پرساں حال نہ تھا۔ کھڑے کھڑے سامان کا انتظار کر رہے تھے جو آدھ گھنٹہ کے بعد نقل اکٹھا کر کے لایا۔ جس نے دو ریاں مزدوری کے ہتھیار لیے۔ معلم کا کوئی ایجنٹ نظر نہ آیا۔ ہم آئندہ پروگرام کے لیے مشورش تھے۔ دوسرے کسٹم کا مرحلہ ابھی باقی تھا۔ جب تک وہ سامان چیک نہ کر لیں، وہاں سے جانا ممکن نہ تھا۔ آخر ایک عرب کو یہ سمجھ کر کہ یہی کسٹم والا ہو گا، بڑی مشکل سے اپنی طرف متوجہ کیا۔ انھوں نے

بڑی مہربانی کی اور سامان کھولنے کا حکم صادر فرمایا۔ صرف دو سوٹ کس  
 ہمارے ساتھ تھے۔ کھول کر سامنے رکھ دیئے۔ وہ صاحب بکے سامان  
 معاینہ کرنے کے کبھی ادھر دیکھتے تو کبھی ادھر۔ کبھی مستعمل پارچات کو الٹ  
 پلٹ کر خراب کرتے اور کبھی ہمارے طرف دیکھتے۔ آخر ایک ہوائی کمپنی  
 کے انگریزی فولڈر کو الٹا پکڑ کر ایک ساتھی مترجم کے ذریعے ہم سے دریافت  
 کرنے لگے کہ یہ کیا ہے؛ اُن کی یہ تمام حرکات اور گڑبہ شغالانہ نکلیں  
 بتا رہی تھیں کہ اگر جلدی خلاصی کرانا چاہتے ہو تو کچھ نذرانہ پیش کرو  
 لیکن پہلے ہی قدم پر اور وہ بھی اس پاک سرزمین میں طبیعت نے شوٹ  
 دینے سے گریز کیا۔

یہاں سے خلاصی ہوئی تو ایک ٹیکسی والا خود بخود ہمیں وکیل الیڈ  
 علی علوی کے پاس لے گیا۔ یہاں بھی بے حد پھیڑ بھاڑ تھی۔ آخر  
 جب بار یا بی ہوئی تو اُن سے کسی ہوٹل میں جانے کے لیے کہا گیا۔  
 وہ بولے کسی ہوٹل میں جگہ خالی نہیں ہے۔ ہمارا آدمی آپ کے  
 ساتھ جائے گا۔

## حاجی کیمپ :

فلن نے سامان اٹھایا اور ہم حاجی کیمپ میں پہنچا دیئے گئے۔ یہاں  
 قیامت صغریٰ کا نظارہ تھا۔ غضب کی دھوپ اور گرمی کی شدت۔ تعفن  
 سے وہاں ٹھہرنا ناممکن۔ قہر و ریش بر جان درویش۔ جگہ صاف کرائی سامان

رکھا اور خود مُعَلِّم کے وکیل کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہی کہ  
 تہمیں کہ مُعَلِّم بھجوانے کا جلد بند و بہت کیجیے۔ انھوں نے ہم تینوں سے  
 ۳۸۶ ریال وصول کر لیے اور بتایا کہ لوگ تو یہاں تین تین دن سے  
 پڑے ہیں اور آپ اتنی جلد گھبرا گئے۔ پھر پوچھا کہ ہم لاری پر جائیں گے  
 یا ٹیکسی میں۔ میں نے بتایا کہ سالم ٹیکسی لیں گے۔ اس کے بعد وہ  
 مُعَلِّم عمر اکبر سے فارغ ہو کر مجھ سے مخاطب ہوئے کہ آپ (مولانا  
 احمد علی صاحب) کا آدمی ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔

## سابق مُعَلِّم کی یاد :

یہاں ہمیں اپنا سابقہ مُعَلِّم عبدالرزاق فارسی رہ رہ کہ یاد آ رہا تھا کہ  
 دونوں پہلے موقعوں پر اُن کا نمائندہ ہمیں جہاز سے اترتے ہی بتا ہمارا  
 سامان سنبھالتا۔ اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلاتا اور ہر طرح ہماری سہولت  
 اور آسائش کو مد نظر رکھتا۔ اس کے بعد خود ہی ہمیں مکہ مُعَلِّم پہنچانے  
 کا انتظام کرتا۔ صبح سے اب تک کچھ کھایا پیانا تھا۔ چھ ریال میں دو بریاں  
 پھلیاں اور ایک دلی خرید کر پیٹ کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی  
 اس کے بعد پھر وکیل مُعَلِّم کے سر جا چڑھے کیونکہ ہمارے پاس پورٹ روج  
 ہو کر وکیل کے پاس نہ آئے تھے۔

آخر کار اُن کے دو کارکنوں میں سے جو ہندوستان کے رہنے والے  
 ہیں اور کچھ عرصہ سے اُن کے ہاں مُلازم ہیں، ایک کو چہیتا یا رہنمایا

جو دفتر متعلقہ سے ہمارے پاس پورٹ لے آیا۔ ہمارے تینوں پاسپورٹ  
 نہایت عمدہ پلاسٹک کے کوری میں تھے۔ واپسی پر ایک کاپلاسٹک  
 کوری غائب تھا۔ غالباً پاسپورٹ آفس والوں کو یا ہمارے چلتے پاتے  
 کو پسند آ گیا ہوگا اور اُس نے رکھ لیا ہوگا اب یہ پاسپورٹ معلوم  
 کے وکیل کے ہاں درج ہونے لگے تھے۔ جس کا ہر ایک اہل کار فرعون  
 سے کم نہ تھا۔ یہ سخت مرحلہ بھی گزرا تو معلوم ہوا کہ ایک اور پلاسٹک  
 کوری غائب ہے۔ جسے وکیل صاحب کے ایک اہلکار نے میز کے  
 دراز میں چھپا لیا تھا لیکن طلب کرنے پر تھوڑی سی زہر خند ہنسی کے  
 ساتھ واپس کر دیا۔

## حاجیوں کی ڈرگت :

وکیل صاحب کے ہاں پاسپورٹ درج کرانے اور ٹکڑے ٹکڑے  
 بے لاریوں میں جگہ حاصل کرنے کا مرحلہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ یہاں حاجیوں  
 کی جو ڈرگت بنتی دیکھی ہے، خدا کبھی نہ دکھائے۔ ہر حاجی کے ساتھ  
 حقارت آمیز سلوک ہوتا ہے۔ بات بات پر ڈانٹ ڈپٹ تو ایک  
 معمولی چیز ہے۔ حاجی صاحبان اگر دریافت کریں کہ ان کی روانگی کب  
 ہوگی تو خاطر خواہ جواب ایک طرف، اُلٹا حکمانہ رویہ اختیار کرنا یہاں  
 کے اہل کاروں کی ادنیٰ سی کارگزاری ہے۔ ایک مہتر سفید ریش حاجی  
 جو وکیل کے پاس رقم جمع کرا چکا تھا، کسی دنوں سے ان کے دروازے پر



دھکے کھا رہا تھا۔ میرے سامنے جب روانگی کا وقت دریافت کرنے آیا تو ویل صاحب اور ان کے فوجوان لڑکے نے اُسے گردن سے پکڑا اور گالیاں دیتے ہوئے دکان کے باہر نکال آئے۔ **بِإِذْنِ اللَّهِ وَإِنَّا لَإِيَّاهُ**

مُتَّجِعُونَ سے بہ جرم عشق تو اُمم میکشند عوفایست

تو نیز بر سرِ بام آگر خوش تماشا یست

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایک ٹیکسی مل گئی۔ ہم تینوں پھلی نشست پر بیٹھ گئے اور اگلی پر ایک ہندوستانی صاحب آگئے۔ ہم سے فی کس ۱۲ ریال کرایہ وصول کیا گیا۔ راستے میں موٹر بڑا یورپے بھی کافی تنگ کیا۔ خدا خدا کر کے تین گھنٹوں میں بعد عشا کبر معلّم کے ہاں جا پہنچے جاتے ہی ان کے دونوں صاحبزادگان سے ملاقات ہوئی۔ چھٹوں نے سیف سے ایک تھیلہ نکال کر اپنی میز پر نوٹ بکھیر کر فرمایا کہ تمام حاجی اپنا سامان تو پاس رکھیں اور نقدی ہمارے پاس جمع کرادیں ورنہ ہم نقصان کے ذمہ وار نہ ہوں گے۔ جس پر ہم نے کچھ رقم ایک چھوٹے ہینڈ بیگ میں مقفل کر کے انھیں اپنے سیف میں رکھنے کے لیے دی اس سے فارغ ہو کر ہمارا سامان معلّم صاحب کے مکان کی اوپر کی منزل میں رکھوا دیا گیا۔ جہاں قالین گرمی کی جدت کو دو چند کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد حاجی دین محمد صاحب مالک ایم۔ اے۔ ایس کمپنی لاہور سے ملاقات ہوئی۔ چھٹوں نے معلّم سے کہہ کر ہمیں کھانا بھجوا دیا اور ہم تیار ہو کر طلوات وحی صفا و مردانہ کے لیے گئے۔

## حرمین شریفین میں حاضری :

الحمد للہ کہ اس صحبتِ ناجنس اور پر اگندہ ماحول سے حوصلہ شکنی کے باوجود ہم جب حرمین شریفین میں داخل ہوئے تو تینوں پر رقت طاری تھی۔ آنسو بے اختیار ہی کے عالم میں رواں تھے۔ گھگھیاں بندھ رہی تھیں۔ طوافِ وسیعی سے فارغ ہو کر حرم شریف میں داخل ہو کر قبضہ و کعبہ حضرت والد بزرگوار مولانا مولوی فیروز الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ اشعار جو آج سے چھپالیس برس پہلے انہوں نے لکھے تھے دعائی صورت میں پڑھنے شروع کیے۔

## اعترافِ گناہ :

اے خدائے کار ساز و بے نیاز	اے سر ابا جو دو اے دانائے راز
جس کا ثواب ہو محمدؐ رسول	کیوں ہو پھر دنیا و دین میں وہ طول
کیوں یہ سرکشِ نفس ہے اتنا دنی	فاسق و فاجس گنہگار و عینی
ظالم و جاہل سر یض پر دخل	پر معاصی مقلد علم و عمل
عاجز و بے قدر و کم بین و تباہ	لغو و آشفقہ دل و سینہ سیاہ
نا توانِ خسرتہ جان و بس نزار	موسپید و روسیماہ و پچھکار
خود غرض خود بین خود را و خراب	پر جفا و پر خط اعصیاں تاب
کیں نمازیں بھی تو بے ذوق حضور	گر رکھا روزہ تو وہ بھی نا صبور

بے عمل و عطف و نصیحت گو کیا  
 ورو میں بیٹھا تو گویا سر بسر  
 عیب اپنے ہوں غم میں کیا کیا کیا  
 ہاں مگر شاہ ہے تو ہی اسے غفور  
 اس قدر لا تقنطو کا ہے یقین  
 کس قدر ہے ہر یانی یہ تیری  
 اس پر اعضا بھی سبھی غشتے و رست  
 کھانے پینے رہنے سہنے کو سدا  
 جب کوئی اپنا مرض تو دی ودا  
 الغرض تو نے مدام ادا کی  
 ہائے پر میں نے نہ تیری یاد کی

## دعا:

پس اہلی اب بھی تا وقت اخیر  
 بار الہی صدقہ اپنی ذات کا  
 رحمتی اہل العالمین کے واسطے  
 بخش دے اپنی محبت کا سرور  
 عشق حقانی ہو دل میں جسد و گو  
 آگ ہو عشق رسولی امداد کی  
 دین اور دنیسا میں یہی ہو دستگیر  
 صدقہ اس لا تقنطو کی بات کا  
 اس شفیع المذنبین کے واسطے  
 میں نہیں کچھ مانگتا حور و قصور  
 جائیں رحمت دنیا و دین کے سب خطر  
 سینہ الفت خزینہ میں نگی

بخش و سبے چھوٹے بڑے میرے گناہ  
 رنج ہائے دنیوی سے دے نجات  
 رکھ مہری اولاد کو بھی شاد کام  
 یا حنین یا حنین یا س شیند  
 میرے مال باپ اور خویشانِ قریب  
 دل میں بھر جائے میرے سوز و گداز  
 ہوں مشرف میں حریم پاک سے  
 سرورِ عالم کے جب پہنچوں حضور  
 جان و دل و دونوں کروں نذر رسول  
 روئے اندر پر پڑھوں لاکھوں ورد  
 قلب پر میرے پھرے دستِ نبی

گر چہ سے فیروز پر جرم و گناہ  
 پر نہیں کم اس سے کچھ تیری پناہ

ایک تو زیارتِ حسین اور دوسرے ان اشعار کا اثر تھا کہ طبیعت  
 کو قدر سے سکون نصیب ہوا۔ یہاں سے معلم کے مکان پر جا کر احرام  
 کھول دیے۔

اگلے دن بعد دوپہر معلم عمر اکبر صاحب سے ملاقات ہوئی جو بہت  
 شریف اور ملنسار آدمی ہیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ان کے پاس  
 اس قدر حاجیوں کے رہتے اور ان کی دیکھ بھال کا خاطر خواہ انتظام نہیں

تو وہ کیوں حبر امیر بان بن کر حاجیوں کی پریشانی کا باعث ہوتے ہیں۔

## گرہی کی ایک رات :

واپسی پر جب کمرے میں پہنچے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی تنور میں داخل ہو رہے ہیں۔ لیکن نہ جانے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ تھا۔ مُعتم صاحب سے بھلی کے پنکھے کے لیے کہا جو انھوں نے منگوا تو دیا لیکن نہ درست نہ تھا۔

ہر قدم پر تھاگماں یاں رہ گیا واں رہ گیا  
 قاین گرہی کی حدت کو اعد تیز کر رہے تھے۔ اترے توئے احرام  
 نیچے بچھائے اور تمام راستہ سینوں پر سینے اڑا کر فجر کر دی۔ ٹھس کی نماز  
 کے لیے حرم شریف گئے۔ واپسی پر مُعتم صاحب کے صاحبزادے نے بکمال  
 مہربانی پوچھا۔ "چائے پینے کے" اثبات میں جواب دیا۔ گھنٹ بھر  
 انتظار کے بعد بازار کی چائے کی ایک چھوٹی چینک آگئی۔ جسے خالی  
 پیٹ حلق کے نیچے اتارنا پڑا۔ یہاں پھر پرانا مُعتم عبدالرزاق فارسی  
 رہ رہ کر یاد آیا۔ جس کے ہاں سے گرما گرم ایک بڑی روٹنی ہوئی۔ دو  
 فرامی انڈے اور ملائی دار چائے روزانہ بلا طلب آجاتی تھی۔

## حاجیوں کی رہائش گاہ :

مُعتم کا مکان ایک گلی میں واقع ہے۔ اس گلی میں دو گھر ہوتے

مرکان تھے۔ جن میں آوارہ کتوں کا مسکن تھا۔ ان کتوں میں کسی کو فالج تھا۔ تو کوئی تے کر کے وہاں گندگی پھیلا رہا تھا۔ اس ماحول میں حاجی بیمارے نالیوں کے اُد پر بستر بھا کر اپنا وقت کاٹ لیتے ہیں۔ جن کے بستروں کے آس پاس اور بعض دفعہ اُد پر بھی کتے چلتے پھرتے رہتے ہیں اور وہیں بول و براز بھی کر جاتے ہیں۔ عام حاجیوں کے لیے بھی رفع حاجت کا کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ اور وہ بے چارے بہت تکلیف اور پریشانی کی حالت میں تھے۔ جسے وہ محض اس لیے برداشت کرتے ہیں کہ فریضہ حج کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ان تکالیف کا بھی اُنھیں اجماعے گا۔

چونکہ حاجی ان مقامات مُقدسہ میں فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں۔ اس لیے وہ حکومت تک اپنی تکالیف نہیں پہنچاتے۔ بلکہ حتیٰ الامکان صبر و تحمل سے برداشت کرتے ہیں۔ اگر یہ سب بل کر اپنی اپنی تکالیف کا اظہار منظم طریقہ سے کریں تو یقیناً آہستہ آہستہ کچھ نہ کچھ بہتری کی صوت پیدا ہو سکتی ہے۔ مُعلم اُن کے کارندے اور وکیل اپنا رویہ تبدیل کرنے پر مجبور کیے جاسکتے ہیں۔ کچھ میں نہیں آتا کہ مُعلموں کی اکثریت سوائے حاجیوں کو لٹنے کھوٹنے کے اور کیا کام کرتی ہے۔

## اُدھوشتن گم است کرا رہبری کند

اکثر مُعلم ارکان حج سے خود واقف نہیں ہوتے۔ ا۔ حیرت خد متکاروں کے ذریعے حاجیوں کے قافلے بھیڑ بکری کی طرح طوافِ سعی کے لیے

لے جاتے اور رٹی ہوئی دعائیں انہیں پڑھواتے ہیں۔ انہیں خود خبر نہیں کہ حج کس طرح سے ادا ہوتا ہے۔ اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ نئے فیصدی محض اپنے خلوں نیت کے باعث اللہ تعالیٰ سے قبولیت حج کا اجر پاتے ہوں گے۔ ورنہ ان معلموں کے ہاتھوں حج کی جو ورت بنتی ہے وہ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کس جگہ کتنا عرصہ قیام چاہیے، نمازیں کس طرح پڑھنی چاہئیں، سولے چنڈ آدمیوں کے باقی کسی کو نہ بتایا جاتا ہے۔ اور نہ ان بیچاروں کو خود کچھ پتا ہوتا ہے۔

## رسالہ ہدایات حج، شائع کردہ حکومت پاکستان :

حکومت پاکستان نے بھی توجیح کے بارے میں کوئی خاص رہبری نہیں کی۔ سوائے اس کے کہ ستائیس صفحات پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ بعنوان "مفصل ہدایت برائے حج" شائع کر دیا اور خود کو فرض کی ادائیگی سے سبکدوش سمجھ لیا۔ اس رسالے میں کسٹھ معلمین کے نام درج کر کے پاکستانی حاجیوں کو ان میں سے کسی ایک معلم کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ بے چارے حاجیوں کو کیا علم کہ انہیں کس معلم کو انتخاب کرنا چاہیے۔ نہ اس میں معلمین کے ہاں رہائش و سکونت کے بارے میں کوئی معلومات درج ہیں اور نہ ہی کچھ اور۔ کیا حکومت پاکستان یا اس کی ایجنسی کے کارکنان نے ان معلمین کے بارے میں کبھی خود کوئی تفتیش و تحقیق کی کہ یہ معاملے کے کیسے ہیں؟ دینداری اور امانت و دیانت میں

ان کا حال کیا ہے۔ ہر ایک معلم کے ہاں حاجیوں کی رہائش کے لیے کیا انتظام و انصرام ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اگر ایک ایک معلم کے ہاں گھراکبر صاحب کی طرح پچھ پچھ سو حاجی چلے جائیں۔ اور ان کے ہاں چالیس پچاس کے بیٹے بھی معقول جگہ نہ ہو تو اس کا ذمہ وار کون ہے حکومت پاکستان اور حکومت سعودیہ نے اس امر کی کیا گارنٹی کر رکھی ہے کہ ہر حاجی کو اس کے منتخب کردہ معلم کے ہاں مناسب جگہ مل جائے گی۔

حکومت پاکستان اور سعودی حکومت کے اہلکاروں کو چاہیے کہ حج کے دوران معلمین کی رہائش گاہوں اور انتظامات کو خود دیکھیں ان کے ہاں مقیم حاجیوں سے مل کر ان کی تکالیف اپنے کانوں سے خود سنیں تاکہ معلمین آئندہ کے لیے ایسا انتظام کریں کہ ان تکالیف کا اعادہ نہ ہو۔

## معلمین کے ایجنٹ

بہت سے حاجی پاکستان میں ان ایجنٹوں کا شکار ہو جاتے ہیں جو معلمین سے کمیشن لیتے اور ان کی تعریف کرتے ہیں اور ان کے نام کے تعارفی خطوط بھی دیتے ہیں۔ یہ کنوینسنگ حاجی کمپ، ریل کے ڈبوں، جہاز، مسافر خانہ، وغیرہ ہر جگہ ہوتی ہے۔ بہت سے عقیدتمند تو اپنا مال و متاع بھی ان کے سپرد کر دیتے ہیں اور خوبے دست و پا



ہو کر اُن کے غلام بے وام بن جانے پر مجبور رہ رہ جاتے ہیں۔

ایک دن حاجی خادم حسین صاحب ساکن مزنگ لاہور جو ہر سال پنجاب کے کئی عارضین حج کو ساتھ لے جلتے ہیں۔ حاجی دین محمد صاحب مالک فرم ایم اے ایس اینڈ پکنی لاہور کے ساتھ مصلحین پنجاب کے ذکر خیر میں ایک معلم کا ذکر فرما رہے تھے کہ وہ حاجیوں سے بات تک کا دوا فار نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی کسی امر کی شکایت کرے تو "او کتے تو" ہو جاتا کہہ کر باہر نکال دیتا ہے۔ اس جگہ مجھے عربی کی ایک مثل **رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى بَنَاتِ الْأَعْرَابِ** یاد آگئی جس کی شان نزول یوں بیان کی جاتی ہے کہ شہر میں ایک کفن چور رہتا تھا۔ لوگ جنازہ دفن کر جاتے تو یہ رات کو ایک لکڑی کے ساتھ لوہے کا آنکھڑا لگا کر قبر میں سے اُس کا کفن نکال لیتا۔ اگلے دن لوگ جب یہ واقعہ دیکھتے تو اُسے بہت بُرا بھلا کہتے۔ قضا کار یہ کفن چور مر گیا تو اُس کی جگہ اُس کے شاگرد رشید نے سنبھال لی۔ یہ حضرت کفن اتار لینے کے بعد مُردے کی مقعد میں ایک ڈنڈا بھی گھسیڑ دیا کرتے۔ لوگوں نے جب یہ حالت دیکھی تو بے اختیار کہہ اُٹھے۔ **رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى بَنَاتِ الْأَعْرَابِ** کہ خدا پہلے کفن چور پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

یہی حالت ہماری ان مصلحین کے بارے میں تھی۔ اور وہ رہ کر اپنا سابقہ معلم عبدالرزاق نارسا یاد آتا تھا۔ چنانچہ میں اُن سے ملاقات نہ کرنے کو بے مروتی سمجھ کر سلام کے لیے اُن کی خدمت میں حاضر ہوا

اور پچیس ریال بطور نذرانہ پیش کیے، بڑے تباک سے پیش آئے  
 کوکا کو لاسے خاطر تواضع کی۔ خدا انھیں خوش رکھے۔

## تکمہ معطرہ کی تاریخ :

حضرت ابراہیم علیہ السلام انبیائے کرام کے جدِ امجد کہلاتے  
 ہیں۔ کیونکہ تمام اولوالعزم پیغمبر آپ ہی کی اولاد میں سے ہوئے ہیں۔  
 آپ کے دو بیٹے بڑھاپے میں ہوئے۔ حضرت اسمعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ  
 جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس  
 کا تذکرہ قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ میں آیا ہے الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي  
 وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ  
 اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے  
 بے شک اللہ دُعا کا سننے والا ہے (ترجمہ از تہذیب القرآن)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی سے آپ اپنے بیٹے حضرت  
 اسمعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت بی بی ہاجرہ کو کنعان سے اس جگہ چھوڑ  
 آئے جہاں اب بیت اللہ ہے اور مکہ کا شہر آباد ہے۔ قرآن مجید  
 میں آپ کی یہ دعا بھی موجود ہے۔ جو آپ نے بچے اور بیوی کو چھوڑتے  
 وقت کی۔ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي عَرْشِ مَرْجٍ عِنْدَ  
 بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ  
 تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْتُقِهِمْ مِنَ الشُّرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ

اے ہمارے پروردگار میں نے بسایا ہے اپنی اولاد اسمعیل کو (مکہ کی)  
 وادی میں جہاں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہوتی، تیرے محترم گھر (کعبہ)  
 کے پاس تاکہ وہ لوگ نماز قائم کریں۔ پس اپنے فضل سے لوگوں کے  
 دل ان کی طرف مائل کر دے اور انھیں پھلوں سے روزی بخش کہ وہ  
 تیرے شکر گزار رہیں۔ (ترجمہ از تہذیب القرآن)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعائیں لی۔ مکہ کا شہر آباد ہوا اور بیت اللہ  
 کی بنیاد پڑی جس کی تعمیر حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمعیل کے  
 مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔

## بیت اللہ شریف :

کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ کعبۃ اللہ کے دو دروازے تھے  
 ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف تاکہ جو زائر آئیں وہ مشرق  
 دروازہ سے داخل ہو کر منزلی دروازہ سے باہر چلے جائیں۔ یہ آج سے  
 تقریباً تین ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد اس کی  
 ضرورت ہوتی رہی اور مغرب اور عجم کے لوگ یہاں حج کی غرض سے  
 آتے رہے۔

## اصحاب قبیل :

ابوہد حاکم مین نے جو عیسائی تھا کوشش کی کہ اہل عرب کو منعقد

حطیم :  
 بیت اللہ شریف مُربع ہے۔ اس کے باہر جانب شمال جو حصہ  
 سنگ مُرمر کی دیوار سے محذو ہے، وہ عظیم کہلاتا ہے۔ اس کی عظمت  
 اور برکت بھی وہی ہے جو خانہ کعبہ کی ہے۔

### حجرِ اسود :

جنوبی مشرقی کونہ پر فرشس زمین سے قریباً پانچ فٹ کی بلندی  
 پر حجرِ اسود نصب ہے۔ یہ ایک فٹ قطر کا گول پیالہ نما چاندی کا حلقہ ہے  
 جو دیوار کے کونہ میں ہے۔ جس میں سیمنٹ کی قسم کا مسالا ڈال کر حجرِ اسود  
 کے ٹکڑے اس میں جما دیے گئے ہیں۔ حاجی لوگ اُسے چومتے ہیں  
 لیکن حج کے ایام میں اس تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں۔ کیونکہ سینکڑوں  
 آدمی وہاں کھڑے ہوتے ہیں اور ہر ایک کو حجرِ اسود کے چومنے کی  
 خواہش ہوتی ہے۔

### مُتَمَرَم :

حجرِ اسود اور خانہ کعبہ کے دروازہ کے درمیانی دیوار کا حصہ مُتَمَرَم  
 کہلاتا ہے۔ یہ بھی مقامِ اجابت ہے۔

مقامِ ابراہیم :  
 دروازہ بیت اللہ سے جانب شمال ایک خوب صورت چھوٹے سے

جالی دار قبے میں وہ پتھر جو مقام ابراہیم کہلاتا ہے، محفوظ ہے۔ اس کے ساتھ والی جگہ میں ہر وقت نمازیوں کا بہت بڑا عجم رہتا ہے یہاں **وَ اتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرٰہِیْمَ مُصَلِّیْنَ** کی تعمیل میں لوگ جوق در جوق نوافل ادا کرتے ہیں۔

## مطاف :

بیت اللہ شریف کے چاروں طرف کٹاواں گول راستہ مطاف کہلاتا ہے۔ یہ حاجیوں کے طواف کرنے کے لیے بنا ہوا ہے۔ اس میں ایسے پتھر لگے ہوئے ہیں جو سخت گرمی میں بھی اتنے گرم نہیں ہوتے کہ طواف کرنے والوں کو ان سے کوئی تکلیف ہو۔

## محرابِ انبیؑ :

مطاف کے مشرقی کنارہ پر پتھر کی خوب صورت محراب ہے جسے محرابِ انبیؑ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی راستے خانہ کعبہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اس کے قریب جانبِ شمال سنگ مرمر کا ایک خوبصورت منبر ہے۔ جس پر کھڑے ہو کر امام خطبہ پڑھتے ہیں۔

مطاف کے چاروں طرف چار متصلے ہیں (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) اپنے مختلف فرقوں کے امام علیحدہ علیحدہ امامت کرتے تھے لیکن اب ایک ہی امام ہوتا ہے اور ایک ہی جماعت۔

## بیت اللہ کے اردگرد کی عمارت :

بیت اللہ کے اردگرد کی عمارت ۶۴۵ فٹ طویل اور ۱۰۰ فٹ عرض ہے اس کی دیواریں سیدھی نہیں ہیں۔ کیونکہ مختلف اوقات میں جوں جوں اردگرد کے مکانات ملتے گئے، عمارت بیت اللہ میں شامل ہوتے گئے۔ حکومت سعودیہ نے لاکھوں روپے کے خرچ سے اس پاس کی عمارت لے کر حرم شریف کی کافی توسیع کر دی ہے۔ حرم شریف کے سات مینار ہیں۔ چار چاروں کونوں پر اور تین ان کے درمیان کونوں کے میناروں پر مؤذن اذان دیتے ہیں۔

حرم شریف میں داخل ہونے اور باہر جانے کے لئے چالیس سے زیادہ دروازے ہیں۔ جن میں مندرجہ ذیل زیادہ مشہور ہیں۔

باب السلام، باب البقی، باب العباس، باب الجہاد، باب ام ہانی، باب الصفا، باب ابراہیم، باب الوداع، باب العمرہ وغیرہ۔

میں بفضلہ دومرتبہ پہلے مکہ معظمہ ہر مقدس مقامات اور زیارت گاہوں میں شرف باریابی حاصل کر چکا تھا۔ لیکن عزیزم عبدالحی پہلی بار اور اس کی والدہ دوسری دفعہ آئے تھے۔ اس لیے انہیں مندرجہ ذیل مقامات مقدسہ کی زیارت کرائی۔

مسجد جبل اہلی قبیس :

جبل فاران پر یہ چھوٹی سی مسجد ہے، جو خلیفہ مامون الرشید کے عہد

میں تعمیر کی گئی۔ اسے حضرت بلالؓ کے نام سے بھی منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ حرم شریف میں مامون الرشید کے عہد تک کوئی رینار نہ تھا جس پر کھڑے ہو کر اذان دی جائے۔ اس پر مامون الرشید نے یہ مسجد اور رینار تعمیر کرایا۔ یہاں حاجی لوگ نوافل پڑھتے ہیں۔ اس کے قریب ہی وہ مقام بتاتے ہیں، جہاں شق القمر کا معجزہ ہوا تھا۔

## جنت المعلیٰ :

یہ مکہ معظمہ کا قبرستان ہے۔ جو نہایت خستہ حالت میں ہے حضرت آمنہؓ، حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، ابو طالب عم رسولؐ، حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ، حضرت عبداللہ ابن زبیر کے مزارات یہیں ہیں۔

## دارالشم :

یہ وہ مکان ہے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو دین کی باتیں تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ رسول اللہؐ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے اور بہن بھالی کی استقامت دیکھی تو یہ بھی اسی مکان میں جا کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

## جبل ثور :

یہ کو جو راستہ مکہ معظمہ سے جاتا ہے اس پر تقریباً چھ میل دُور ہے

پہاڑ آتا ہے۔ یہ پہاڑ اس غار کی وجہ سے مرجح خلان بن گیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ تین دن اور رات مقیم رہے جبکہ آپ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ غار ثور میں جانے سے حاجیوں کو روک دیا جاتا ہے لیکن عام دنوں میں اس غار پر کوئی پہرہ نہیں ہوتا۔

### غارِ حرا :

جبل ثور سے ہو کر ہم مکہ معظمہ آئے اور یہاں سے غارِ حرا کی طرف روانہ ہوئے۔ منیٰ کو جانے والی سڑک پر مکہ شریف سے قریب ادھانی میل بائیں طرف جبل ثور واقع ہے۔ غارِ حرا تقریباً دامن کوہ سے ایک میل اونچا ہے۔ اور یہ چڑھائی سخت دشوار ہے۔ یہی وہ غار ہے جہاں حضور پُر ثور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے آکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ یہیں آپ کو منصب نبوت عطا ہوا۔ اور یہیں پہلی آیات قرآنی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ تازل ہوئیں۔ یہاں پر چائے اور کھانے کی معمولی دکانیں ہیں۔ کیونکہ اکثر زائرین یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔

ان زیارت گاہوں کے علاوہ مسجد جن، مکان حضرت ابوبکرؓ وغیرہ پر بھی گئے۔ یوں تو ہر مسلمان کے لیے مکہ معظمہ کا چہ چہ قابل ستائش ہے لیکن ان مقامات مقدسہ کا ذکر اس خیال سے کیا گیا ہے کہ سفر نامہ پڑھنے والے حضرات توفیق خداوندی سے جب یہاں پہنچیں تو وہ بھی



ان زیارت گاہوں سے مُستفیض ہوں۔

عزیز الجبہ مولوی حبیب اللہ صاحب خلیفہ اکبر حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب مدظلہ جو سالہا سال سے مدینہ طیبہ میں دینی تعلیم دینے کے علاوہ روزانہ درس قرآن مجید بھی دیتے ہیں۔ عین اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ بڑے صالح نوجوان ہیں۔ اور محنت و جانفشانی سے اس کا رُخیر کو سرانجام دے رہے ہیں۔ حج کے ایام میں تقریباً دو ماہ کے لیے مکہ معظمہ میں تشریف لے آتے ہیں اور حرم شریف میں بھی درس قرآن مجید دیتے ہیں۔ میں عرصہ سے ان کی ملاقات کا متمنی تھا۔ وہیں ظہر کے قریب حرم شریف کے ایک حجرہ میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ کھانے کا وقت تھا۔ انھوں نے دعوت دی تو ہم نے بھی غنیمت سمجھتے ہوئے شکر یہ سے اسے قبول کیا۔ کیونکہ بھوک لگ رہی تھی اور گرمی کے باعث حرم شریف سے باہر جانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ وہیں ان کے برادر اصغر مولانا حافظ حمید اللہ صاحب کے بھی ملاقات ہو گئی۔ جو ان کے پاس ہی حج کی عرض سے مُقیم تھے۔

میں نے مولانا مولوی حبیب اللہ صاحب سے عرض کیا کہ غالباً آپ کو معلوم ہوگا۔ دو برس ہوئے میری استدعا پر آپ کے والد محترم نے مجھے اپنی معیت میں حج کرانے پر رضامندی ظاہر فرمائی تھی۔ لیکن عین روانگی کے وقت وہ اپنی علالت کے باعث تشریف نہ لے جاسکے۔ حج اگر پذیر نہ تو اندپرستام کند

اب آپ اپنے والد صاحب کی بجائے ہماری رہبری فرماتے ہوئے حج کے تمام ارکان میں ہمارے ساتھ شامل رہیں تاکہ طبیعت میں اطمینان اور کیونٹی پیدا ہو۔ الحمد للہ کہ آپ نے وعدہ فرما کر باوجود سفر کی صعوبتوں کے اُسے کما حقہ ایفا فرمایا۔

عفاك الله عن شر النوايب جزاك الله في الدارين خيرا

ان دونوں رویندار اور نیک بھائیوں کا ساتھ بھی ہمارے لیے از بس غنیمت تھا۔ مولانا مولوی جمیب اللہ صاحب نے کچھ اور ادبھی ہر موقع اور محل کے مطابق ایما فرمائے، جن کی بفضلہ تکمیل کی گئی۔

مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا دم اس زمانہ میں مُبختات میں سے ہے۔ عرصہ سے آپ کی زیارت کا شوق تھا۔ چنانچہ مولانا جمیب اللہ صاحب کے ساتھ ایک مُعلم کے مکان پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میری شکل دیکھ کر فرمایا کہ ویسے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرتے ہو۔ لیکن یہ صورت کیا بنا رکھی ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد میں نے کچھ ہدیہ پیش کیا تو فرمایا "مجھے معقول تنخواہ ملتی ہے۔" میں نے اصرار کیا تو فرمایا "اس شرط پر لینے کو تیار ہوں کہ وعدہ کہہ دو آئندہ داڑھی رکھو گے۔" میں نے عرض کی کہ "وعدہ تو نہیں۔ البتہ انشاء اللہ تعالیٰ کوشش ضرور کروں گا۔" فرمایا "یہ انشاء اللہ تو مولوی نذیر احمد کی طرح ہے کہ جو کام نہ کرتا ہو اس پر انشاء اللہ کہہ دیا۔"

گرمی کافی تھی۔ پچیس تیس اصحاب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص دستی

پنکھا لے کر اندر آیا اور سب کو ہوا کرنے لگا۔ مولانا صاحب نے فرمایا  
 ”اسے بند کرو۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی کسی سے پنکھا کرایا ہے۔ اگر ہے  
 تو اس کی کوئی سند پیش کرو۔“

ایک اور مجلس میں بھی چند منٹ اُن کی صحبت سے مُستفیض ہوا ہے

چہ بایدمرور اطع بلندے مشربے نابے  
 دل گرے نگاہ پاک بینے جان بیتابے

## کتاب الحج :

دوسرے پہلے زیارتِ حرمین شریفین سے مُستفیض و مُشرف ہوتے  
 وقت زیارت و مناسک حج کی ادائیگی کی سہولت کے لیے کئی کتابیں  
 میرے زیر مطالعہ رہیں۔ مگر کوئی کتاب ایسی نہ ملی جس میں سفر حج کے  
 لیے گھر سے روانہ ہونے کے وقت سے تکمیلِ حج و زیارتِ روضہ اطہر  
 تک ہر مرحلے کی دُعائیں مل سکیں۔ مُحتاج و زائرین مُعلم اور مُزور حضرات  
 کے ذریعے دُعائیں دہراتے ہیں۔ مگر اس طرح وہ لطف و سُرور کہاں جو  
 ہر دُعا کو خود معانی کے ساتھ پڑھنے میں آتا ہے۔

اس مقصد کے پیش نظر تمام مُستند دُعاؤں کو یکجا جمع کر کے میں نے  
 ۱۶۶ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ کتاب الحج کے نام سے شائع کر کے اللہ تعالیٰ  
 سے دُعا کی کہ وہ مجھے اس چھپی ہوئی کتاب کے ساتھ پھر ایک بار اپنے  
 مقدس گھر اور روضہ اطہر کی زیارت سے مُشرف فرمائے اور ان دُعاؤں کو

وہاں خلوصِ دل سے پڑھنے کی توفیق بخشے۔ الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے  
میرے یہ خواہش پوری فرمادی۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء  
روزِ قیامت ہر کسے دست گیر و نامہ را  
من نیز حاضر می شوم تصویر جانان در نعل

منی :

۸ رومی الحجہ کی صبح مکہ سے عرفات کی طرف کار میں روانہ ہوئے  
راستہ میں پہلا پڑاؤ منی پر ہوتا ہے جو قریباً تین میل کے فاصلے پر ہے  
یہ معمولی گاؤں ہے۔ جس میں زیادہ تر کچے مکانات ہیں۔ اس میں ایک بازار  
بھی ہے۔ جہاں سے معمولی ضرورت کی اشیاء مل جاتی ہیں۔ کسی حجاج یہاں  
مکانات کرایہ پر لے کر رہتے ہیں۔ کرایہ معمولی ہوتا ہے۔ لیکن خانہ کعبہ میں  
آنے جانے میں تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ خاص کر موسم گرما میں جب کہ  
یہاں سخت گرمی ہوتی ہے۔ منی میں ہر حاجی کو قیام کرنا پڑتا ہے۔ ظہر سے  
دوسرے دن کی صبح تک پانچ نمازیں یہاں پڑھنا ضروری ہیں۔ لہذا ہر  
حاجی منی میں دوپہر سے پہلے پہنچ جاتا ہے۔ بعض خیموں میں بعض کھلے  
میدان میں۔ بعض مکانات میں قیام کرتے ہیں۔ لیکن اس گرمی کے موسم  
میں سایہ کے بغیر ایک دن رات گزارنا بھی مشکل تھا۔ معلم نے خیمہ نصب کر  
رکھا تھا۔ جس میں جا کر قیام کیا۔ اور شام تک وہیں رہے۔ شام کے بعد یہ خیمہ  
عرفات میں لگانا تھا اس لیے ساری رات کھلے میدان میں گزار دی۔ لیکن حج

کا وقت سید اب آپہنچا تھا۔ جس کے لیے یہ دُور و راز کا سفر اختیار کیا تھا۔ اس لیے آرام و آسائش کا خیال بھی دل میں نہ آتا تھا۔ رات یہی تو تھی تسبیح و تہلیل میں گزر گئی۔ صُبح ہو گئی۔ اب نماز کے بعد ہمیں عرفات کی طرف جانا ہے۔

## عرفات :

میدانِ عرفات منیٰ سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ ۹ ذی الحجہ کی صُبح کو نماز سے فارغ ہو کر حاجیوں کے قافلے عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ عجیب نظارہ تھا۔ پیدل، اونٹ سوار، لاریوں، بسوں اور کاروں کا ایک بے پایان سمندر لَبَيْكُ اللهُمَّ لَبَيْكُ کے نعرے لگاتا تھا۔ ٹھٹھیں مارتا ہوا بڑھتا جا رہا تھا۔ عرفات کے میدان میں ہمارے لیے خیمہ نصب تھا۔ جدھر نگاہ جاتی تھی خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔ معادرم ہوتا تھا کہ خیموں کا ایک شہر آباد ہے۔ اس میدان میں دُنیا کے اسلام کے نمائندے جمع تھے۔ سب ایک لباس میں بلبوس اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مصروف۔ تمام دِل دُنیا کی خواہشات اور سکلفات سے فارغ ہو کر صرف خُدائے قدوس کی طرف متوجہ تھے۔ اسلام کی مساوات کا یہاں کھلا ثبوت تھا۔ عربی، عجمی، ایرانی، تُوْرانی، ہندی، پاکستانی سبھی اس میدان میں جمع تھے اور امارت و عزت کا امتیاز بظاہر مٹ چکا تھا۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے  
 تیری سرکار میں پہنچے تو وہ بھی ایک ہوئے  
 تمام دن نوافل، تسبیح، توبہ استغفار اور دُعائیں مانگتے ہوئے  
 گزارا ظہر اور عصر کی نمازیں یہیں پڑھیں۔ سامنے جبل رحمت سے ایسا  
 معلوم ہوتا تھا کہ انوارِ الہی کی بارشس ہو رہی ہے۔

## مُزولفہ :

غروبِ آفتاب ہوتے ہی تکبیر و تلبیہ اور دُعائیں مانگتے، طریق  
 نماز سے مُزولفہ کو روانہ ہوئے۔ اس وقت کا عالم کیف اور تھا۔ اَللّٰهُمَّ  
 لَبِّئِكَ اَللّٰهُمَّ لَبِّئِكَ کی صدا تیں بلند ہو رہی تھیں اور حجاج کا یہ بے  
 پایاں سمندر مُزولفہ کی طرف جا رہا تھا۔ دل سرور تھے کہ فریضہ حج ادا  
 ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سب کی سعی کو شرفِ قبولیت بخشے۔ مسجد مشعر الحرام کے  
 قریب جگہ مل گئی۔ یہاں شام اور عشاء کی نمازیں پڑھیں اور پھر عبادت  
 میں مشغول ہو گئے۔ اللہ اللہ کیا مقام ہے۔ خود بخود سر بسجود ہونے کو  
 جی چاہتا ہے۔ کچھ دیر کے لیے آنکھ لگ گئی لیکن صبح کی نماز کے لیے  
 خود بخود جاگ اُٹھے۔

## منیٰ میں شربانی :

منیٰ میں شربانی کی سعادت اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو نصیب فرمائے۔ کیونکہ

یہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا اور اظہارِ شکر کا بہترین طریقہ ہے یہاں پر بکرے ڈبے، گائے اور اونٹ ہزاروں کی تعداد میں وزن کیے جاتے ہیں۔ عام طور پر دنبوں کا گوشت تو تقسیم کر دیا جاتا ہے اور بکرے جو سناکی کھاتے ہیں۔ ان کا گوشت چونکہ دست آور ہوتا ہے اس لیے اُسے دبا دیا جاتا ہے۔ اگر گوشت خشک کر کے ڈبوں میں بند کرنے کا انتظام ہو سکے تو یہ بھی بہت بڑی تجارت ہو سکتی ہے اور دور دراز مقامات کے لوگ تو اس گوشت کو تبرک کے طور پر بھی بڑے شوق سے خریدیں۔ علی ہذا خون اور انتڑیاں وغیرہ بھی اگر جمع کر لی جائیں تو بہت سی کارآمد اشیاء تیار ہو سکتی ہیں۔ لیکن ابھی تک کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔

## رُکِی جمار :

حضرت ابراہیمؑ جب حکمِ خداوندی سے حضرت اسمعیلؑ کی قربانی دینے کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں تین جگہ شیطان نے ظاہر ہو کر روکنے کی کوشش کی اور آپ نے ہر جگہ اُسے کنکریاں ماریں۔ حضرت ابراہیمؑ کے اس فعل کے نتیجے میں حاجی لوگ بھی شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں۔ وہ مقامات جہاں شیطان ظاہر ہوا تھا۔ بڑبیوں سے معین کیے ہوئے ہیں۔ حجرۃ العقبہ میں بڑا شیطان ہے۔ کنکریاں مارنا برج اولیٰ سے شروع ہوتا ہے اور حجرۃ العقبہ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ کنکریاں حاجی عموماً

مُزدلفہ سے جمع کر لیتے ہیں۔ ہم نے بھی ان شیطانوں پر لعنت بھیجی اور  
کنکریاں مارنے کے لیے موٹر کار میں گئے۔ رومی جہاں کرتے وقت کافی ہجوم تھا

## سعودی ٹریفک پولیس :

ٹریفک پولیس کے سعودی سپاہیوں نے، جو ہاتھ میں ڈنڈے لیے  
کھڑے تھے، ہماری کار کے علاوہ کسی دوسری گاڑیوں پر بھی ایسی بیدوی  
سے ڈنڈے برساتے کہ کسی کا اگلا حصہ پیٹھ گیا، اور کسی کے شیشے ٹوٹ  
گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے امریکوں نے ان سپاہیوں کو موٹریں  
توڑنے کے لیے کچھ نذرانہ دے رکھا ہے کہ ہم امریکہ سے موٹریں بھجوتے  
ہیں اور یہ اُنھیں توڑتے جائیں۔ ان کی یہ حرکت واقعی عقل سے بہت دور  
تھی۔ عرب میں ہزاروں بڑی بڑی عالی شان موٹریں دوڑتی نظر آتی ہیں  
جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حکومت سعودیہ کے پاس کس قدر اثر  
دولت ہے۔

## سُمنڈانا :

کنکریاں مار کر ہم بازارِ صفا و مروہ میں ایک حجام کی دکان پر گئے۔  
لاہور کے ایک واقف سفید ریش بزرگ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ حجام نے  
کُند اُترے سے پہلے تو اُن کے سر پر کئی زخم کر دیے اور پھر لبیں لیتے  
ہوئے اُن کا ہونٹ کاٹ دیا۔ جس سے خون بہنے لگا۔ اس زخم نے اُنھیں



تین روز تک کافی پریشان رکھا۔ اسی طرح عزیزم عبدالحی کو اُستراکند ہونے کی وجہ سے سر پر کئی زخم آئے۔

## طوافِ وداع :

ان تمام کاموں سے فراغت پا کر معلم کے مکان پر احترام کھولے اور ان کے صاحبزادے کی خدمت میں تذرانہ پیش کیا۔ مگر وہ قبول نہ فرماتے تھے۔ آخر کچھ زاید کرنا پڑا۔ اس کے بعد ان کے ملازمین کی فوج نے گھیر لیا جو باوجودیکہ ہر کام کا ساتھ کے ساتھ معاوضہ وصول کر چکے تھے تاہم کچھ اور دیا اور بڑی تنگ و دوو کے بعد یکم اگست کی شام کو طوافِ وداع کر کے مدینہ منورہ جانے کے لیے جڈہ روانہ ہو گئے۔

## مدینہ منورہ

مکہ معظمہ سے بسیدھے جدہ ایر پورٹ پہنچے۔ متواتر چھ گھنٹے  
 ہوئی ٹکٹ جو ہم نے پہلے ہی پاکستان سے خرید رکھے تھے۔ ہاتھ میں یہ  
 اہل کاران متعلقہ کی طرف بڑھاتے رہے۔ تاکہ وہ درج کر کے مدینہ طیبہ  
 کے لینے سیٹیں ریزرو کر دیں۔ لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی انسانی نفسی کا عالم  
 تھا۔ کوئی کسی کا پُرساں حال نہ تھا۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اُسے سیٹ مل  
 جائے۔ لیکن اہل کاران کا یہ عالم تھا کہ جو اب تو درکنار سر اٹھا کر دیکھنا بھی  
 کسر شان سمجھتے تھے۔ آخر ایک عیالی مسٹر گرنڈی چیف اکاؤنٹنٹ نے  
 ہمارے ٹکٹ دیکھ کر تین تین سو ریال فی کس اور طلب کیے۔ پوچھنے پر بتایا  
 کہ پہلے کرایہ کم چارج کیا گیا ہے۔ تو فیق ایزومی شامل حال تھی کہ یہ مرحلہ  
 بھی آسانی سے طے ہو گیا۔ خدا ان مخلص دوستوں کا بھلا کرے جو ہمیں  
 یورپ اور اسلامی ممالک کے سفر کے دوران میں معتد بہ رقوم دیتے چلے  
 گئے۔ اور وافر روپیہ ہر وقت ہمارے پاس رہا۔ ورنہ ہمارا مدینہ منورہ  
 پہنچانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔ رقم ادا کر کے ٹکٹ بنوائے اور پھر  
 اہل کاران متعلقہ کے گروہوں کے سیٹیں ریزرو کریں۔

لیکن جب ٹکٹ اور پاسپورٹ کلرک متعلقہ کو دیے تو اس نے بتایا کہ ان پر وکیل معلم کی مہر ہونا ضروری ہے۔ اب کیا تھا علیٰ اصرار فوراً ایک ٹیکسی کرایہ پر لے کر واپس وکیل گئے دفتر کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں ہو کا عالم تھا۔ صرف ایک کارکن سویا ہوا پایا۔ ڈرتے ڈرتے اُسے جو گمایا اور حرفِ مطلب زبان پر لائے۔ اُس نے سنی اُن سنی ایک کر دی لیکن جب دس ریال کا نوٹ اُس کی نذر کیا، تو بصدنازا نگر اتنی لے کر اٹھ کھڑا ہوا سے

اے زر تو خدا نہ امی و لیکن بخدا  
ستارِ عیوب و قاضی الحاجاتی

تین پاسپورٹ راج کرنے اور ان پر مہر میں لگانے میں جو زیادہ سے زیادہ پابخ سات منٹ کا کام تھا اُس نے ہمیں دو گھنٹے حیران کیسے رکھا جس سے بڑی رُوحانی کوفت ہوئی۔ مگر معظمہ میں معلم کے صاحبزادے نے ہمیں بالکل یہ نہ بتایا کہ یہ پاسپورٹ اُن کے وکیل جدہ کے دفتر میں راج ہوں گے اور اُن کی مہر پاسپورٹوں پر ثبت ہونا لازمی ہے۔ واقعی یہ لوگ حجاج کے ساتھ ظالمانہ کیا وحشیانہ سلوک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ ہم تو صرف شیطان ہی سے پناہ مانگتے ہیں لیکن میرا مخلصانہ مشورہ عازمین حج کی خدمت میں یہ ہے کہ جہاں وہ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھیں تو اس پر و معلّمین الحجاج کا اضافہ بھی ضرور کریا کریں۔

## کھڑے پیر کا روزہ :

ویل ٹیلم کے کارندے نے تو پریشان کرنا ہی تھا۔ لیکن ٹیکسی والے نے بھی کوئی کسر اٹھانہ رکھی اور ایر پورٹ واپس آ کر نذرانہ وصول کرنے میں پوری قوت صرف کر دی۔ اب سیٹیں ملنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے تھی۔ لیکن پھر بھی صبح سے کھڑے کھڑے عصر کے قریب ہوائی جہاز میں جگہ ملی۔ پورے بیس گھنٹے کھڑے پیر کا روزہ رکھا۔ چند بسکٹ اور پانی کے گھونٹ پر گزارہ کیا۔ جس قدر تکلیف اور پریشانی جد ایر پورٹ پر ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔

اس بزم میں مجھ سے کہتے ہیں موقع کے مطابق بات کرو  
اوپر ہم نے یہ ل میں ٹھانی ہے یادوں کی کہیں یا کچھ نہ کہیں

## مدینہ طیبہ کا ہوائی اڈہ :

ہوائی جہاز نے پرواز شروع کی تو گنبد خضرا کا تصور کچھ اس طرح غالب ہوا کہ معلم اور اس کے متعلقین کی چیرہ دستیوں اور جدہ ایر پورٹ کے اہلکاران کا نامناسب برتاؤ سب ایک قلم محو ہو گیا۔ اب ایک ہی خیال تھا کہ حضور کے آستانہ پر جلد سے جلد سرنیاز جھکائیں۔ خدا خدا کر کے مدینہ شریف کے ہوائی اڈے پر آ کر اترے۔ ہوائی اڈہ کیا ہے ایک لائقِ وق میدان ہے۔ جہاں نہ کوئی مکان نہ سایہ۔ صرف دو چھوٹے سے خیمے لگے ہوئے ہیں۔ ایک جہاز کے مسافروں کو دھوپ سے قدرے بچاؤ کرنے کے

کام آتا ہے اور دوسرا اہل کاروں کے لیے ہے۔

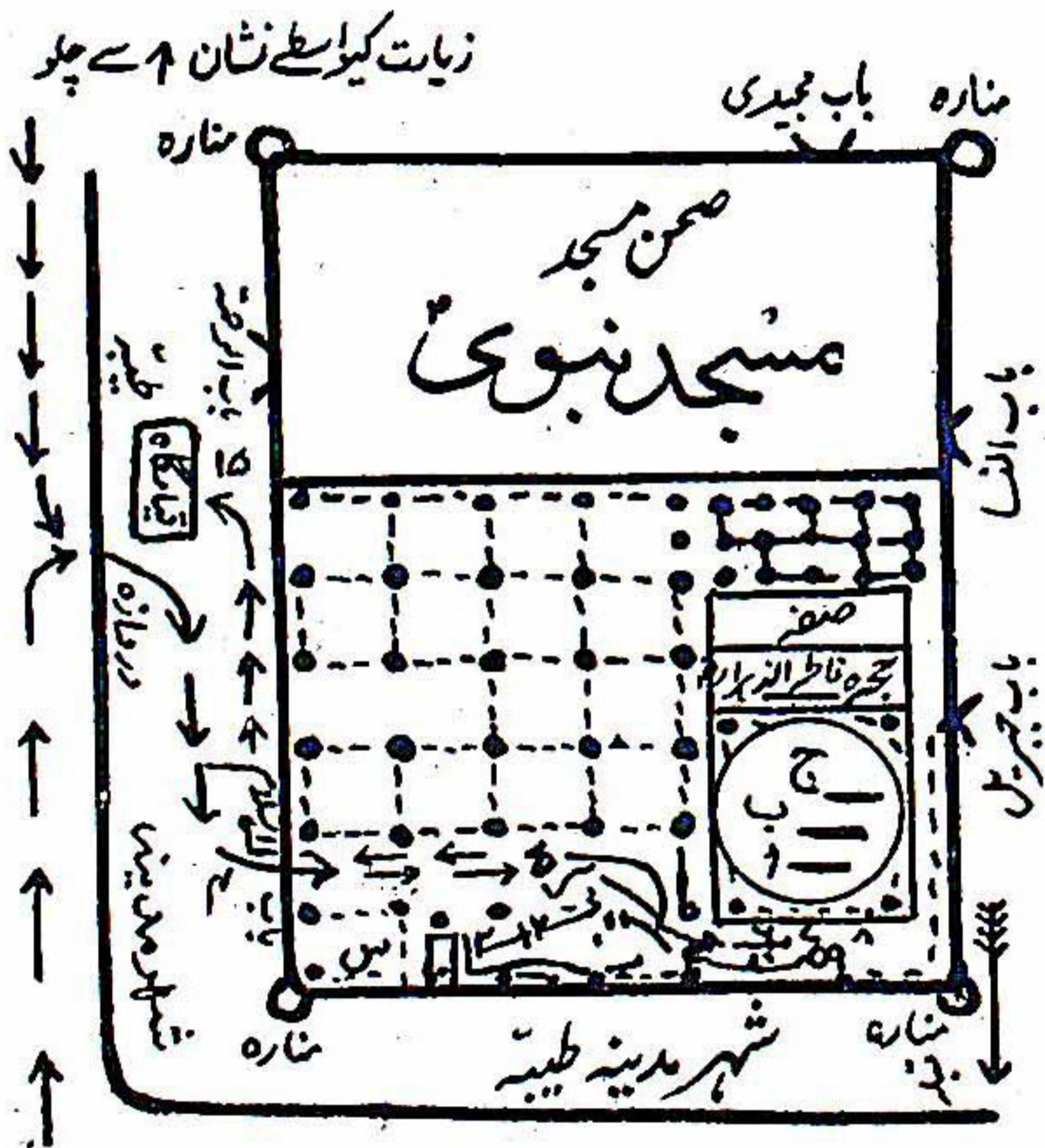
نئے شکاری :

کافی انتظار کے بعد ایک لاری میں لاوے گئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد مدینہ طیبہ کے آثار نظر آئے۔ دلوں کو قدرے ڈھارس ہوئی۔ ابھی لاری کھڑی بھی نہ ہوئی تھی کہ مسافروں سے زیادہ مُعلّٰمین کے ایجنٹ چیلوں کی طرح دندان آرتیز کیے ہماری طرف جھپٹے۔

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا  
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نہی۔

طبیعت بڑی پریشان ہوئی مگر ہمارے بس کی کوئی بات نہ تھی۔ بہتیرا چھٹکارا کرنا چاہا۔ یہاں نے بنائے کہ ہم مدرسہ میں ٹھہریں گے۔ لیکن علام حیدر مُعلّم کے چیلے نے ہماری کوئی بات نہ سنی اور کہا کہ پنجاب کا حاجی ہمارے سوائے اور کہیں نہیں جاسکتا۔ ایک ٹیکسی لے کر مُعلّم کے گھر پہنچے۔ جہاں سے وہ ہمیں ایک مکان پر لے گیا کہ یہ میرا ملکیتی نہیں ہے آپ کے بھائی ڈاکٹر عبدالوجید بھی گزشتہ برس اسی میں ٹھہرے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ آخر ایک کمرہ ہفتہ بھر ٹھہرنے کے لیے ایک سو ریال پر لیا گیا۔ تین چار پائیاں ایک ریال فی چار پائی یومیہ کے حساب پر۔ دوسرے روز معلوم ہوا کہ یہ مکان آپ ہی کی ملکیت ہے۔ میں نے مُبارک دی مگر وہ ایسی باتوں کو دھوپ پی چکے ہیں۔

روضہ اطہر کی زیارت :  
 زبان پہ بارِ خدا یا یہ کس کا نام آیا کہ میرے لہق نے بوسے مری زبان لے لیے  
 پانی منگو اگر غسل کیا اور روضہ اطہر کی طرف چل دیے۔  
 نقشہ ترتیب زیارت جناب سرکائنات صلی اللہ علیہ وسلم :



حدود شہر مدینہ شریف  
 ۲ مدینہ شریف کا قریب

۱۔ روضہ انجمن از مکہ

۱۰۔ رُو بَرُو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

۱۱۔ ستون ابوالبابہ

۱۲۔ روضہ

۱۳۔ منبر

۱۴۔ ستون معلق یا ستون حنائہ

۱۵۔ قیام گاہ

۳۔ دروازہ شہر

۴۔ باب السلام

۵۔ روضہ

۶۔ رُو بَرُو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

۷۔ رُو بَرُو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۸۔ رُو بَرُو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

۹۔ رُو بَرُو حضرت رضی اللہ عنہما

۱۔ مزار مطہر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ب۔ مزار شریف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ج۔ مزار شریف حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

د۔ محراب نبوی

۴۔ منبر اقدس

۵۔ منبر سلطانی

نوافل، سلام اور دعاؤں سے فارغ ہو کر قدسی کی وہ نعت پڑھی جسے کبھی کبھی اپنے اوراد میں شامل رکھتا ہوں۔

نعت :

دل و جاں با وفایت پر عجب شہتی  
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بود لہجی

مرجاسید کی مدنی العربی  
میں بیدل، بجمال تو عجب حیرانم

اے قریشی لقب و پادشاهی و مطلق  
 بہتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی  
 رحم فرما کہ ز حدی گزر و تشنہ بسی  
 زان کہ نسبت بہ سنگ کوئے تو شد بے ادبی  
 سوئے زوئے شفاعت بکن از بے سببی

چشمِ رحمت بجائے سوائے من انداز نظر  
 نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را  
 ما ہمہ تشنہ بنائیم توئی آب حیات  
 نسبت خود بسکت کردم و بس کمنفعلم  
 عاصیانیم ز مائیکہ اعمال میر کس

سیدی انت حبیبی و طیب قلبی  
 آمدہ سوئے تو قدسی پے رماں طلبی

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اُس نے یہاں حاضری کی سعادت مرحمت  
 فرمائی جس کے متعلق لکھا ہے کہ وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ فِي حَقِّكَ  
 الْعَظِيمِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ  
 وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝  
 ”اور تحقیق فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کے بلند مرتبے کے بارے میں اور اگر  
 وہ دگنہنگار ظلم کریں اپنی جانوں پر پھر آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے  
 معافی چاہیں اور معافی چاہے اُن کے لیے پیغمبر تو وہ پائیں گے اللہ کو  
 بڑا توبہ قبول کرنے والا“

مدینہ منورہ :

مدینہ منورہ کا قدیمی نام یثرب تھا۔ جس کا ذکر پرانی تاریخی کتب  
 میں مرقوم ہے۔ فراعنہ مصر کے زمانہ میں شام۔ کنعان۔ مصر سے قافلے جو



یمن اور جنوبی عرب کی طرف تجارت کا سامان لے کر جاتے تھے، اسی شہر سے ہو کر گزرتے تھے۔ حبشہ اور جنوبی مصر کے لوگ بھی عراق اور شام کی طرف جاتے ہوئے یہاں قیام کرتے تھے۔ اسی طرح واپسی پر بھی یہاں ان کا پڑاؤ ہوتا۔ اس کی بڑی وجہ اس شہر کی اچھی آب و ہوا اور پانی کی فراوانی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کا حکم ملا تو آپ نے بھی مدینہ طیبہ کو اپنی قیام گاہ کا شرف بخشا، کیونکہ ایک تو اس کی آب و ہوا نہایت اچھی تھی، دوسرے یہاں کے زمیندارے دین اسلام میں داخل ہو کر حلقہ بگوشان ملت ہو چکے تھے اور ان کی استدعا تھی کہ آپ ان کے درمیان آکر ان کو خدمت کا موقع دیں۔ تیسری وجہ جو سب سے اہم تھی وہ یہ کہ اسلام کو دنیا میں پھیلنا تھا اور اس کے لیے ایسے مرکز کی ضرورت تھی جہاں سے اطراف عالم میں پیغام آسانی سے پہنچ سکے۔ جہاں یہود و نصاریٰ کو بھی پیغام حق سنایا جاسکے جہاں سے کفار کا مقابلہ بھی کیا جاسکے۔ نگہ مضبوطی میں لڑائی لڑنا اس وقت کے مشرکین میں بھی جائز نہ تھا اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بیٹھ کر کفار کے خلاف صف آرا ہوتے تو یہ ایک ایسا حربہ ان کے ہاتھ آجاتا جسے وہ ہادی برحق کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ اس لیے مدینہ کا انتخاب بہتر بن تھا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو یہاں دو عرب قبیلے بنی اوس اور بنی خزرج آباد تھے اور دو یہودی قبیلے

نی قرینہ اور بنی نضیر رہتے تھے۔

عرب قبیلوں کے لوگ اکثر مسلمان ہو چکے تھے اور جب اُن کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لارہے ہیں تو وہ بڑی بے تابی سے آپ کا انتظار کرنے لگے۔ آپ جس اونٹنی پر سوار تھے وہ موجودہ مدینہ طیبہ کے شہر سے دو میل دُور قبا میں ٹھہری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں قیام فرمایا۔ اس جگہ آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہوئی۔

## مسجد قبا :

جس جگہ ناقہ نے قیام کیا، وہاں محراب اور چبوترہ بنا ہوا ہے۔ اس مسجد کے شرقی کونہ میں ایک اور محراب ہے جو محراب کشف کے نام سے مشہور ہے۔ مقام ناقہ سے مغرب کی طرف ایک اور محراب ہے جس پر محل نزول الآیۃ الفرقانیہ لکھا ہوا ہے۔ چوتھا محراب دیوار قبلہ کے عین وسط میں ہے۔ مدینہ طیبہ میں چونکہ یہ مسجد سب سے اول تعمیر ہوئی۔ اس لیے اس کا ذکر سب سے اول کرنا ضروری تھا۔

## مسجد نبوی :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو قبا سے مدینہ منورہ

تشریف لائے۔ ہر انصاری یہ خواہش رکھتا تھا کہ آپ اس کے گھر میں  
 نزول فرمائیں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ جہاں اُونٹنی ٹھہرے گی وہیں آپ  
 قیام فرمائیں گے۔ چنانچہ اُونٹنی حضرت ابوالیوب انصاری کے گھر کے سامنے  
 ٹھہر گئی۔ آپ حضرت ابوالیوب انصاری کے مہمان ہوئے۔ اس مکان کے  
 پاس ہی ایک ویران جگہ تھی دو یتیم اس کے مالک تھے جنہوں نے بصد  
 خوشی یہ ٹکڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مُفت پیش کرنا چاہا  
 لیکن شہنشاہِ دو عالم نے مُفت لینے سے انکار کر دیا اور زمین کی قیمت  
 ادا کر کے مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ اس مسجد کی تعمیر میں خود خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم  
 اور انصار و مہاجر سب شامل تھے۔ مسجد کی دیواریں کچی تھیں۔ کھجور کے تنوں  
 کے سٹون تھے۔ کھجور کے پتوں اور شاخوں کی چھت اور فرش بھی کچا تھا۔  
 بارش میں بڑی تکلیف ہوتی۔ کیونکہ چھت کے ٹپکنے سے مسجد کا کچا فرش کپڑ  
 بن جاتا تھا۔ مسجد کے ساتھ ہی آنحضرت کا حجرہ مُطہرہ تھا اور شمال کی طرف  
 ایک چھتا ہوا چوترہ جو ان لوگوں کے لیے بنایا گیا تھا جو بے گھر اور بے  
 در تھے۔ یہ چوترہ اب بھی ہے اور اصحابِ صنفہ کا چوترہ کہلاتا ہے۔ یہاں  
 اب بھی الماریوں میں قرآن مجید اور احادیث کے نسخے رکھے ہوئے ہیں  
 تاکہ تلاوت کرنے والے ان کو استعمال کر سکیں۔

بوقتِ تعمیر مسجد ۱۰۵ فٹ لمبی، ۹۰ فٹ چوڑی اور دس فٹ بلند تھی۔ فتح  
 خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۵۰ فٹ مربع کر دی۔ حضرت  
 عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس کے کول میں ۶۰ فٹ اور عرض میں

۳۴. فنٹ کا اضافہ کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد کی دیواریں اور ستون پتھر کے بنوائے۔ چھت لکڑی کی ڈالی اور طول و عرض میں بھی کچھ اضافہ کیا۔ حضرت ولیدؓ نے ۷۵۰ھ میں مسجد کو اور وسیع کر دیا۔ اہمات المؤمنین کے حجرے خرید کر انھیں مسجد میں شامل کیا۔ سنگ مرمر کے ستون لگوائے اور چھت پر سونے کے نقش و نگار بنوائے۔ ۷۶۰ھ میں خلیفہ المہدی نے صحن کو اور وسیع کیا۔ مشرق اور مغرب میں خوبصورت برآمدے بنوائے۔ اس کے بعد جب ۸۸۶ھ میں بجلی کے گرنے سے عمارت کو نقصان پہنچا تو اس کی تعمیر اور مرمت مصر کے تاجدار نے کی۔ سلطان عبدالحمید اور سلطان عبدالعزیز نے اس مسجد کو از سر نو تعمیر کرا دیا۔ اس کی چھت گنبد دار ہے۔ یہ چھت اور گنبد سب منقش ہیں اور عمارت کو دیکھ کر زبان سے بے اختیار سبحان اللہ سبحان اللہ کے الفاظ نکلتے ہیں۔ روضہ مظہرہ یعنی مواجہ شریفہ کے سامنے جنوبی دیوار پر یہ آیت نہایت خوبصورت طریقہ پر لکھی ہے: **اِنَّ اللّٰهَ وَمَنْ يَّكْتُمُ يَصَلُّونَ عَلٰى النَّبِيِّ**۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْنَا وَسَلِّمُوا تِلْمَانًا** جسے دیکھ کر خود بخود درود شریف پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ موجودہ عمارت سرخ پتھر کی ہے۔ مسجد کے اگلے حصہ اور روضہ ریاض جنت کی دیواریں اور ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ جن پر سونے کا کام کیا ہوا ہے۔

اب سلطان ابن سعود نے لاکھوں پونڈ کے خرچ سے مسجد نبویؐ میں توسیع کی ہے۔ مشہور مالک کے انجینئر کار یگر اور نمائندے یہاں کام میں مصروف ہیں۔ پاکستانی انجینئروں اور کاریگروں نے بھی اس کا رخیہ میں بڑھ

چڑھ کر حصّہ لیا ہے۔ مسجد کا رقبہ تو کسب سے پہلے ۱۲۴۶۳ مربع گز تھا اس میں ۷۲۶۶ مربع گز اور رقبہ شامل کر کے مسجد کی وسعت تقریباً ۱۹۶۴۰ مربع گز کر دی گئی ہے۔ مسجد نبوی سے روضہ اطہر تک جانے کے لیے محراب دار راستہ بنایا گیا ہے۔ جس کی سجاوٹ نہایت ہی خوب صورت اور دیدہ زیب ہے۔

مسجد نبوی کے پانچ دروازے ہیں۔ دو جانبِ مغرب جو باب السلام اور باب الرحمت کہلاتے ہیں۔ دو جانبِ مشرق ایک باب النصار اور دوسرا باب جبریل ہے۔ جانبِ شمال کا دروازہ باب مجیدی کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ قبلہ وہاں سے بطرفِ جنوب ہے اس لیے کوئی دروازہ نہیں۔ صرف ایک کھڑکی اور چھوٹا سا دروازہ ہے۔

## روضہ ریاضِ جنت :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے "میرے منبر اور میرے مکان کے درمیان مسجد کا جو حصّہ ہے۔ وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔" یہ حصّہ روضہ ریاضِ جنت کہلاتا ہے۔ یہاں نمازیوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ وقت سے کافی پہلے آنے والے کو بھی جگہ مشکل ملتی ہے

## مستبرک ستون

مسجد کے کچھ ستون اس کی تاریخی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

۱۔ وہ ستون جن پر دس فٹ تک طلائی خطوط ہیں۔ وہ عہدِ نبوی کی بند کو ظاہر کرتے ہیں۔

۲۔ وہ ستون جن پر طلائی خطوط کے علاوہ سونے کے پھول بنے ہیں وہ مسجد کی حد ظاہر کرتے ہیں جو فتح خیبر سے پہلے تھے۔

۳۔ حضرت ولید کے عہد کا اضافہ سا وہ ستون ظاہر کرتے ہیں۔

۴۔ روضہ ریاضِ جنت کو ظاہر کرنے والے ستونوں پر سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ پھر سونے کے نقوش بھی ہیں۔

یوں تو مسجدِ نبوی کے سب ستون مبارک ہیں مگر ان میں آٹھ زیادہ مشہور ہیں۔

۱۔ ستونِ حنّانہ۔ آنحضرتؐ اس کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔

۲۔ ستونِ عائشہؓ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اگر میں اس کی فضیلت ظاہر کروں تو یہاں نماز پڑھنے کے لیے قرعے پڑنے لگیں۔

۳۔ ستونِ ابی لبابہؓ۔ ابی لبابہؓ ایک صحابی تھے۔ ایک غلطی کی پاداش میں انھوں نے اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ دیا تھا۔

۴۔ ستونِ سریر۔ یہاں آنحضرتؐ حالتِ اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے۔

۵۔ ستونِ علیؓ۔ یہاں حضرت علیؓ اکثر نماز پڑھا کرتے تھے۔

۶۔ ستونِ وفود۔ یہاں آنحضرتؐ شریعت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

۷۔ ستونِ مریعة البصیر۔ اسے مقامِ جبرائیل بھی کہتے ہیں۔

۸۔ ستونِ تہجد۔ یہاں رسولِ خداؐ کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

## محرابِ انبئیؐ

یہ وہ مبارک جگہ ہے جہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرمایا کرتے تھے۔ یہ سنگِ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی جگہ کو محراب کی بنیاد کی چوڑائی میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اسی صورت کا ایک محراب اُس منبر اور محراب سے بجانبِ غرب سلطان ترکی سلیمان نے بنوایا تھا۔

## منبر شریف

یہ منبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی جگہ پر رکھا ہوا ہے۔ اسے سلطان مراد نے بنوا کر پیش کیا تھا۔

## مسجدِ نبوی کے مینار

مسجد کے پانچ مینار ہیں۔ مینارہ باب السلام۔ مینارہ رینسہ۔ جنوبی مینار کے دونوں کونوں میں۔ غربی دیوار میں باب الرحمت کے پاس مینارہ باب الرحمت اور مینار مجیدیہ۔ مشرقی دیوار میں مینارہ سلیمانہ۔

## گنبدِ خضرا

ہزار بار بشویم درین زمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیت یہ وہ متبرک مقام ہے جہاں سید الانبیاء، فخر و دو عالم، خاتم النبیین

آرام فرما رہے ہیں۔ یہ جگہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ ہے۔ جہاں آپ نے وفات پائی اور جہاں تاقیامت آپ آرام فرما رہیں گے۔ اس کی تعمیر بھی مسجد نبوی کے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ گنبد خضرا میں آنحضرت کے ساتھ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے مزار بھی ہیں۔ حضرت ولید کے عہدِ خلافت تک یہ حجرہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہا۔ لیکن انھوں نے علی قسم کے پتھروں کا ایک مرکان اس کے چاروں طرف تعمیر کرا دیا۔ اور اس میں کوئی دروازہ نہ رکھا۔ اس مرکان کے گرد ایک چوکور احاطہ بنوایا گیا جس میں محرابیں لگائی گئیں۔ جن کے اوپر سبز گنبد تعمیر کروایا مواجد شریف کی طرف پستل کی جایاں ہیں اور باقی تین اطراف میں لوہے کی جایاں لگی ہوئی ہیں۔ مواجد شریف سے داخل ہونے کے لیے ایک کھڑکی بھی بنی ہوئی ہے اور کچھ سُوراح بھی ہیں۔ جا لیدار عمارت کو مقصودہ شریف کہتے ہیں۔

## مدینہ منورہ کی دوسری زیارتیں

### جبل احد :

یہ وہی مشہور پہاڑ ہے۔ جہاں جنگِ احد ہوئی تھی۔ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ جبلِ احد کی بابت رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ "أحد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے۔ اور ہم اس سے یہاں سیدنا حضرت حمزہؓ کا مزار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حمزہؓ کے علاوہ عبداللہ



بن جحش، مصعب بن عمیر اور شمس بن عثمانؓ بھی یہاں مدفون ہیں۔  
حضرت حمزہؓ کے مقبرہ کے قریب ہی شہدائے اُحد کی قبروں کے نشانات  
دو احاطوں کے اندر ہیں۔

### مسجدِ قبلتین :

یہ مسجد حضرت حمزہؓ کے مزار سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے  
اس مسجد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے  
نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب تبدیلی قبلہ کی آیات نازل ہوئیں تو آپؐ نے  
مسجد حرام کی طرف مُنہ پھیر لیا۔ بیت المقدس اس مسجد کے شمال کی طرف  
ہے۔ اور مسجد حرام اس کے جنوب کی طرف۔ شمالی محراب یعنی بیت المقدس  
والی محراب اب بھی موجود ہے۔

### مسجدِ شمس :

مسجدِ قبا سے نصف میل کے فاصلہ پر جانبِ شرق کچھ بنیادیں باقی  
ہیں جو مسجدِ شمس کی ہیں۔ یہاں آنحضرتؐ زانوئے حضرت علیؑ کرم اللہ  
وجہہ پر سر رکھے ستراحت فرماتے کہ جنتِ علیؑ کی نمازِ عصر قضا ہو گئی۔ آپؑ کو جب معلوم  
ہوا تو آپؑ کے حکم سے سورج پھر ظاہر ہو گیا اور حضرت علیؑ نے نمازِ عصر  
ادا کی۔ اس سے واپسی پر راستے میں بائیں طرف ایک میدان آتا ہے۔ کہا جاتا  
ہے کہ حضورؐ نے جنگِ اُحد کے زخمیوں کو اس میدان کی خاک اپنے زخموں

پر ڈالنے کا حکم دیا اور ان کے زخم اچھے ہو گئے تھے۔ یہاں کی مٹی کو خاکِ شفا کہتے ہیں اور حجاجِ اس کی ٹکیاں تبرک کے طور پر خرید لاتے ہیں

**جنت البقیع :**

مدینہ طیبہ کے مشرق میں یہ وہ متبرک قبرستان ہے جس میں اکثر صحابہ کرامؓ اہل بیتؓ ازواجِ مطہراتِ آنحضرتؐ آپ کے صاحب زادے اور صاحبزادیاں مدفون ہیں۔ اس میں بڑے بڑے صحابیوں اور اہل بیت کے مزارات پر قبے تھے۔ لیکن اب ان کا کوئی نشان نہیں۔ مشہور قبروں کے نشانات مٹی سے دوبارہ بنوا دیے گئے ہیں۔ اس کی چار دیواری خستہ حالت میں ہے۔ عورتوں کو قبرستان کے احاطہ میں داخلہ کی اجازت نہیں ہے۔

یہاں شہدائے اُحد۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت ابوسعید خدریؓ۔ حضرت فاطمہ بنت اسد۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ۔ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نافعؓ۔ حضرت امام مالکؓ۔ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب۔ ازواجِ مطہراتِ اہل بیتؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحبزادیاں۔ حضرت عباسؓ۔ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ کی پھوپھیاں۔ حضرت اسماعیل بن امام جعفر صادقؓ والدِ محترم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حضرت مالک انصاریؓ۔ بیرقیؓ۔ حضرت زکی الدینؓ۔ حضرت علی عریضیؓ بن امام صادقؓ۔ حضرت حمزہؓ

اور دیگر شہداء و رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کے مزارات پر سلام اور دُعائیں پڑھیں۔

ہمارے آمد کے دو روز بعد روزانہ حاجیوں کے قافلے مدینہ طیبہ میں آنے شروع ہو گئے اور اسی مکان کے بقیہ کمرے سو سو کی بجائے دو دو سو ریاں میں اٹھ گئے۔ مگر معتز میں جس طرح معلم عمر اکبر کے گھر کی حالت تھی۔ ویسی ہی یہاں تھی۔ تعفن سے معتز پھٹا جا رہا تھا۔ مگر معلم حیدر اس کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے تھے۔ آخر خود ہی کسی کو کچھ دے دلا کر صفائی کرائی۔

## صدقہ کے دُنبے :

میری اہلیہ کو سفر کی کوفت اور پھر زیادہ وقت سخت گرمی میں حرم شریف کے اندر قیام کرنے پر مجبور ہو گیا۔ میں اور عبدالحی بھی کچھ تنگ نہ تھے۔ تین دُنبے صدقہ کرنے کے لیے منگوانے چاہے توحید معلم نے سو سو ریاں علی الحساب لے لیا۔ لیکن دُنبے کئی تا کیدوں کے بعد بھی نہ آئے۔ بلکہ وہ کہنے لگے کہ میں یہ رقم ہی صدقہ میں دے دوں گا۔ آپ دُنبے نہ منگوائیں۔ آج کل قیمتیں بہت زیادہ ہیں۔ میرے اصرار پر آخر معمولی سے تین دُنبے آئے۔ ان دُنبوں کے ساتھ گند چاقوؤں والے بڈو بھی آگئے اور دُنبوں کو خود بخود ذبح کرنے کے لیے گھسیٹنے لگے۔ بڑی مشکل سے چھری ان سے پھین کر تیز کی اور دُنبے خود ذبح کیے۔

ابھی فارغ نہ ہوئے تھے کہ معلم کے ملازمین نے ان دونوں کو گھسیٹنا شروع کیا۔ ایک ونبہ تو وہ زبردستی اٹھا کر لے گئے۔ لیکن باقی دو کو ہم نے سختی سے روک کر سامنے ہی ایک یستیم خانہ میں بھجوا دیا۔

## پیسہ تیل کا اور پیسہ تیل والے کا :

علامہ حیدر صاحب معلم روزانہ دو ایک بار اپنی اسامیوں کے معاینہ کے لیے تشریف لاتے۔ اور جب زائرین ان کی خدمت میں اپنی تکالیف بیان کرتے تو یہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتے۔ کسی تکلیف کا ازالہ انہوں نے کبھی نہیں کیا۔ جہاں تک ممکن ہوتا زائرین سے کچھ نہ کچھ ہتھیانے کی کوشش کرتے۔ آخری دن جب ہم نے سو ریال مقرر شدہ کرایہ اور پچاس ریال بطور نذرانہ پیش کیے تو بہت گرم ہوئے اور کہنے لگے کہ میں نے اس جیسے کمرے کا دو سو ریال کرایہ لیا ہے۔ آخر بہ ہزار وقت ۲۲۵ ریال دے کر جان چھڑائی۔ اب چار پائیوں کا کرایہ اور ملازمین کے انعام و اکرام کا سلسلہ شروع ہوا۔ بینوں کی طرح پیسہ تیل کا اور پیسہ تیل والے کا۔ غرضیکہ ہمیں خوب اُلٹنا کر جیبیں ملکی کی گئیں۔

بابو محمد سرور صاحب مہاجر پنجابی جو پہلے دونوں مرتبہ یہاں کے قیام میں میرے ساتھ رہے تھے بوجہ علالت و پیری زائروں کی طرف توجہ نہ دے سکتے تھے۔ خدا کے فضل سے اب وہ ایک مکان کے بھی ناک ہیں جس میں معتکف زائرین کے قیام کا بندوبست ہوتا ہے۔ جب میں نے

اُن کو بلا کسی بدل کے نذرانہ پیش کیا تو بڑے تعجب سے قبول فرمایا۔  
 اس مرتبہ باؤ غلام رسول صاحب مہاجر پنجابی نے ہماری بڑی امداد  
 فرمائی۔ سو اسلف لانے، ادھر ادھر جانے اور وہاں کے حالات معلوم  
 کرنے میں اُن کی وجہ سے بڑا آرام رہا۔ بڑے درویش مزاج خدمتی اور  
 صابر قسم کے انسان ہیں۔ خدا تعالیٰ انھیں دین و دنیا میں شاد کام رکھے۔

## مُراجعتِ وطن:

باؤ غلام رسول صاحب ہمارا سامان اٹھوا کر ہوائی جہاز کے دفتر  
 تک ہمارے ساتھ گئے۔ جہاں جا کر معلوم ہوا کہ شربتِ بادام کی بوتل  
 مکان پر رہ گئی ہے۔ یہ لینے کے لیے واپس لوٹے مگر وہ معلم صاحب کے  
 مکان پر پہنچ چکی تھی۔ بہ کیف یہ بھی لے کر ہی لوٹے۔ تو یہ تو بہ میں یہ کیا  
 لکھ رہا ہوں

ہاں عالی گستاخ نہ بڑھ حدِ اویسے      باتوں سے پکتا تری اصرافِ کلا سے  
 ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب      یاں جنبش لبِ خالِج از آہنگِ خطا سے  
 ایرکینگ آفس میں بھی کافی تکلیف اور وقت کے بعد ہوائی نشستوں  
 کا انتظام ہوا۔ ہوائی جہازوں کی آمد و رفت کے متعلق وقت کی کوئی  
 قید نہیں۔ گھنٹوں یونہی گزر جاتے ہیں۔

۹ اگست کو مدینہ منورہ سے مصر پہنچے کہ وہاں کچھ سامان پڑا تھا۔  
 جس کی وجہ سے تین روز قرقطینہ میں رہنا پڑا۔ اور بیروت ہوتے ہوئے

بغیر تیت کراچی پہنچ گئے۔

خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اُس نے مجھ جیسے گنہگار اور  
کج معیار شخص کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ یورپ اور اسلامی ممالک کی سیر و  
سیاحت کے علاوہ تیسری بار زیارتِ حرمین سے مستفیض ہوا ہے  
ایں سعادت پر زور بازو نیست  
تانا بخشہ خداے بخشندہ

آخر میں خود بھی دعا کرتا ہوں اور ناظرین سے بھی طالبِ دعا ہوں  
کہ اُس منعم حقیقی نے جس طرح مجھے دنیا میں کامیاب و بامراد فرمایا ہے،  
آخرت میں بھی اپنے دامنِ عفو میں ہم سب کو جگہ عطا فرما کر حساب و کتاب  
کے بغیر بخش دے۔ آمین یا الہ العالمین!

عبد الحمید خان







